

الْإِنِّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ط

تذکرہ

حضرت بہاء الدین گریامستانی

○

از

نور احمد خان فریدی

UNIVERSAL BOOKS

424, Urdu Bazar, Lahore

علماء اکیڈمی شعبہ مطبوعات، محکمہ اوقاف پنجاب، بادشاہی مسجد
لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

۲۹۷۶۶۹۲

ب ۱۵ ن

22578

ناشر _____ محمد یوسف گورایہ - ڈائریکٹر علماء اکیڈمی،

محکمہ اوقاف پنجاب، بادشاہی مسجد لاہور

فون - ۵۵۸۲۵

طبع اول _____ مئی ۱۹۸۰ء

تعداد _____ گیارہ سو (۱۱۰۰)

مطبع _____ علمی پرنٹنگ پریس، اسپتال روڈ،

لاہور۔

قیمت _____ ۲۵ روپے



فہرست

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
۴	پیش لفظ	۱
۵	احوال واقعی	۲
۹	تقریب	۳
۱۳	تعارف ، بہاء الدین زکریا ملتانیؒ	۴
۲۳	آباء و اجداد	۵
۳۸	صبح سعادت	۶
۵۶	عروس البلاد ملتان (شیخ الاسلامؒ کی زندگی کا تبلیغی دور)	۷
۸۰	سہروردیوں پر تمول اور چشتیوں پر تنگ دستی کا الزام	۸
۱۱۴	عروس البلاد ملتان	۹
۱۲۶	سوانح	۱۰
۱۳۴	یاد ان طریقت	۱۱
۱۸۸	سیر و سیاحت	۱۲
۲۰۲	وارداتِ عشق	۱۳
۲۲۶	کشف و کرامات	۱۴
۲۴۸	تعلیمات و تصنیفات	۱۵
۲۹۵	دوست بدوست رسید	۱۶
۳۰۸	آسمانِ غوثیت کے تابندہ ستارے	۱۷
۳۲۰	اشاریہ	۱۸

سہروردیوں پر تنگ دستی

۳۳۱

پیش لفظ

حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین ابو محمد زکریا سہروردی برصغیر پاک و ہند کے عظیم صوفیائے اسلام میں سے ہیں۔ آپ نے علم و فضل، اخلاق و کردار اور تعلیمات کے ذریعے دین اسلام کی عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ آپ پوری زندگی اتباع رسالت، تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ نفوس میں مصروف رہے۔ آپ نے انتہائی منظم طریقے سے تبلیغ اسلام کے فرائض انجام دیئے۔

حضرت بہاء الدین زکریا کے سوانح حیات اور تعلیمات پر ایک جامع کتاب کی ضرورت تھی۔ شعبہ مطبوعات علماء اکیڈمی اوقاف پنجاب نے اس مقصد کے لیے ایک منصوبہ تیار کیا اور ملک کے مشہور مؤلف جناب مولانا نور احمد خان فریدی سے مسودہ کتاب تیار کرنے کے لیے کہا۔ موصوف نے یہ کام محنت سے انجام دیا اور تصوف کے معروف ماخذ پر مبنی مسودہ تیار کیا۔ آپ اس موضوع پر ماضی قریب میں شائع ہونے والی کتب کے مندرجات کو بھی زیر بحث لائے۔

اس کتاب کو جدید طریق تحقیق پر لانے کے لیے ہم نے کافی محنت کی ہے۔ حوالہ جات و حواشی میں بھی یہی طریق کار اختیار کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں علماء اکیڈمی شعبہ مطبوعات اوقاف کے ایسیرٹو و مطبوعات جناب محمد نسیم عباسی صاحب نے محنت سے کام کیا ہے۔

ہم جناب ناظم اعلیٰ اوقاف پنجاب کے ممنون احسان ہیں کہ آپ نے اس کتاب کی اشاعت منظور فرمائی۔ ہم جناب مولانا نور احمد خان فریدی و دیگر اصحاب کے بھی شکر گزار ہیں، جنہوں نے اس کتاب کی تالیف، اشاعت و طباعت میں تعاون کیا۔

محمد یوسف گورایہ

ڈائریکٹر، علماء اکیڈمی اوقاف، پنجاب، بادشاہی مسجد، لاہور

یکم اپریل ۱۹۸۰ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

احوالِ واقعی

بیاورید گہراں جا بود زباں دانے
غریبِ شہر سخن ہائے گفتنی دارد

تاریخ اور سیر کی تدوین میں مسلمان مورخین اور تذکرہ نویسوں نے جس حزم اور احتیاط سے کام لیا ہے، اُس پر پوری قوم فخر کر سکتی ہے۔ البلاذری، الطبری، المسعودی، ابن خلدون، ابن صوقل، ابن خلدان، ابن کثیر، ابن اثیر، ابن خطیب، عوفی، اصطخری، الادریسی، یاقوتی المقدسی اور یشارمی نے نہ صرف واقعات بلکہ اُن کی رواۃ تک درج کئے ہیں۔ یہ انہی اربابِ فضل و کمال کی کاوشوں کا صدقہ ہے کہ تاریخِ عالم کا قاری اسلامی دور میں پہنچ کر ایسا محسوس کرتا ہے کہ گویا وہ حکایات و روایات اور افسون و افسانہ کی وادی سے گزر کر اب تاریخ کی دنیا میں داخل ہوا ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے مورخین کی جہدِ مسلسل نے سونے پر شہاگے کا کام کیا۔ میر علی شیر قانع، محمد قاسم فرشتہ، میر محمد معصوم بکھری، مستعد خان، مولانا نظام الدین، طاہر ٹھٹھوٹی، طباطبائی، ابو الفضل، ذکاء اللہ، مولانا شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، مولانا سید ابو ظفر ندوی، مولانا عبدالرزاق اور مولانا اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی نے تاریخ کی پُر پیچ وادیوں میں تحقیق و تجسس کی شمعیں کچھ اس انداز سے روشن کیں کہ برصغیر پاک و ہند کے عہدِ ماضی کا جلال و جمال جگمگا اٹھا اور ظن و تخمین اور شکوک و شبہات کے بھیانک سائے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ لیکن افسوس ہے کہ مورخین اور تذکرہ نویسوں کی صفوف میں اب ایسے لوگ گھس اُٹے ہیں جو تاریخ نویسی کی قدروں سے قطعاً نا بلد ہیں اور تاریخی مقالات

اور تحقیقی مضامین کو قلم برداشتہ اس طرح سے لکھتے ہیں، گویا وہ کوئی افسانہ لکھ رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ روز بروز تاریخ کا حلیہ بگڑتا جا رہا ہے اور ایسے بے اصل اور جھوٹے قصوں کو تاریخ و سیر کا لباس پہنایا جا رہا ہے جس سے اسلامی تہذیب و تمدن کی اہانت ہوتی ہے اور اکابر اُمت کی سیرتیں مسخ ہو رہی ہیں۔

پچھلے چند سالوں کی بات ہے کہ جب مولوی محمد شفیع صاحب مرحوم حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا قدس سرہ کا مقالہ مدون کرنے لگے، تو انہیں دفعۃً ایک بزرگ مخدوم بہاء الدین سے متعلق چند اقتباسات ملے کہ وہ موسیقی میں مہارتِ کاملہ رکھتے تھے۔ اور انہوں نے کئی نثریں بھی ایجاد کی تھیں۔ مولوی صاحب نے بغیر تحقیق کے موسیقی کے اس شغف کو حضرت شیخ الاسلام سے منسوب کر دیا اور بڑی خود اعتمادی سے تحریر کیا کہ حضرت شیخ الاسلام موسیقی کے بڑے ماہر تھے اور آپ نے کئی نثریں ایجاد کی تھیں۔ حالانکہ شیخ الاسلام ایسے سلسلے کے شیخ الکل تھے، جس میں سماع کی اجازت نہیں تھی۔ بلکہ آپ کی خانقاہ کے درویش مولانا عراقی پر اس لیے برہم ہوئے تھے کہ وہ عالمِ کیف میں شعر خوانی کرتے تھے۔ خلیق نظامی صاحب نے مشائخ سہرورد پر قلم اٹھایا تو انہیں درویشوں کے طبقے سے نکال کر امراء و رؤساء میں شامل کر دیا اور مخدوم راجن قتال جیسے بزرگ پر تلخ تنقید کی۔ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی صاحبہ نے پی ایچ ڈی کا مقالہ احوال و آثار شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا مدون کرتے وقت کمزور روایات کا سہارا لیا۔

۱۹۵۴ء میں جب خاکسار نے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و تعلیمات پر کام کرنا شروع کیا تو اُس وقت انوار غوثیہ اور خلاصۃ العارفین کے علاوہ اور کوئی ایسی کتاب نہ مل سکی جس سے بندہ استفادہ کرتا۔ سیر العارفین، اخبار الاخبار اور خزینۃ الاصفیاء میں ایک ڈیڑھ صفحہ سے زائد مواد نہیں تھا۔ اس لیے بندہ نے حضرت کے حالات جمع کرنے کے لیے پاکستان کے تمام کتب خانے کھنگولے۔ قدیمی کتب خانوں میں کئی کئی دن بسر کئے۔ بھارت کے ناشرین سے بصورتِ خاص کئی کتابیں منگوائیں۔ حضرت کے خلفاء کے ملفوظ مطالعہ کئے۔ فرامین شاہی جو حضرت کے

خانوادہ میں محفوظ چلے آتے تھے، اُن کو کئی بار دیکھا اور پڑھا۔ بالآخر کئی سالوں کی سخت محنت اور ریاضت کے بعد حضرت کے تذکرہ جلید کو مدون کرنے میں کامیاب ہوا اور جب یہ تالیف زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئی اور اہل علم و فضل کے مطالعہ سے گزری تو ہر طرف سے حضرت شیخ الاسلام کے عقیدت مندوں، ادیبوں، دانش وروں اور محققوں کے تعریفی مکتوبات آنے شروع ہوئے۔

جس سے خاکسار کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی۔ ان کرم فرماؤں میں پاکستان کے معروف ادیب و دانش ور پیر حسام الدین راشدی، مشہور سکالر ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، مولانا جعفر شاہ پھلواری، شیخ التفسیر المحدث والفقیر پیر محمد کرم شاہ صاحب ایم اے الازہر، پروفیسر اقبال احمد صاحب فاروقی، حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری، غلام حسین صاحب قلندری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سب سے بڑھ کر جس بزرگ شخصیت کے تاثرات نے متاثر کیا، وہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری علیہ الرحمۃ تھے۔ بٹی شیر خاں (ملتان) کی ایک مسجد میں اتفاقاً ان سے نیاز کا شرف حاصل ہوا۔ بڑے تپاک سے گلے لگا کر ملے اور فرمایا:

”آپ نے یہ تذکرہ لکھ کر حضرت شیخ کی قبر کو غسل دیا ہے۔ خدا کی قسم! آپ کی کتاب کے مطالعہ سے ہی پہلی دفعہ مجھے پتہ چلا ہے کہ شیخ کا مقام کیا تھا۔“

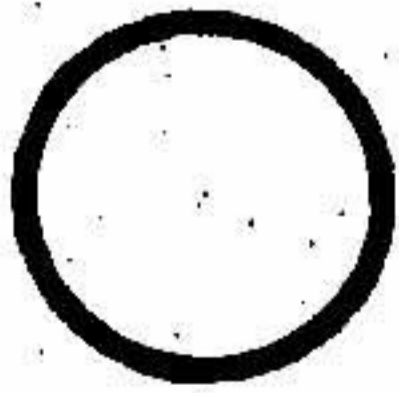
چنانچہ اس سلسلے کی دوسری کتاب ”صدر الدین عارف“ مدون ہوئی تو اس کی تقریظ حضرت شاہ جی نے ہی تحریر فرمائی۔ حضرت شیخ الاسلام کا تذکرہ صرف ایک ہزار کی تعداد میں طبع ہوا تھا، جو اب تقریباً ناپید ہو چکا ہے۔ ۱۹۵۲ء سے اب تک جن لوگوں نے حضرت کی سوانح حیات اور تعلیمات پر کام کیا ہے۔ اُن سے دانستہ یا نادانستہ طور پر ایسی لغزشیں ہوئی ہیں کہ حضرت کے حالات اور تعلیمات پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ اگرچہ بندہ کی عمر اب تصنیف و تالیف کی نہیں۔ آنکھوں پر موتیا کا حملہ ہو چکا ہے۔ تاہم احباب کا اصرار ہے کہ شیخ الاسلام کے تذکرہ کو از سر نو بڑے اہتمام سے لکھوں اور جو غلط باتیں حضور سے منسوب کی گئی ہیں، اُن کا مسکت جواب دوں۔ میں ابھی کچھ طے نہ کر پایا تھا کہ ایک دن لاہور سے محکمہ اوقاف کے ڈائریکٹر علماء اکیڈمی ڈاکٹر محمد یوسف گوریہ صاحب کا فون آیا کہ میں نے آپ کی تصنیف ”تذکرہ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا قدس سرہ“ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ آپ کا قلم

بڑے ادب سے چلتا ہے اور صوفیاء کرام کے حالات کے لیے بڑا موزوں ہے۔ محکمہ اوقاف حضرت شیخ الاسلام کا تذکرہ بڑے اہتمام سے طبع کرنا چاہتا ہے۔ اگر آپ اس کے حقوق اشاعت محکمہ اوقاف کو فروخت کرنا چاہیں تو محکمہ مبلغ تین ہزار روپے آپ کی نذر کر سکے گا۔

میرے لیے یہ بڑے اعزاز کی بات تھی کہ میری کوئی تصنیف عمدہ کتابت و طباعت سے سرکاری طور پر طبع ہو۔ اس لیے خاکسار نے بلا تردد محکمہ اوقاف کی یہ پیش کش قبول کر لی اور اس تذکرہ جلیلہ سے حشو و زوائد کو خارج کر کے اور غیر محتاط مصنفین کی قلمی بے اعتدالیوں کا جائزہ لے کر ایسا گنجینہ معرفت پیش کیا ہے کہ اللہ والوں سے عقیدت و محبت رکھنے والوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ اور محدب چشموں سے دیکھنے والے ناقدین کو بھی "خطا این جاست" کہنے کا موقع نہیں ملے گا۔ بندہ یہ دعوے نہیں کرتا کہ یہ تذکرہ ہر اعتبار سے شیخ الاسلام قدس سرہ کی جامع سیرت ہے۔ بندہ نے نقش اول انتہائی پریشانی، ضعیفی اور بیماری کے ایام میں لکھا تھا، جبکہ پیتا کے اپریشن اور جگر کے عوارض سے حافظہ نے جواب دے دیا تھا اور اب ضعیفی اور بیماری کے ساتھ ساتھ موتیا کا حملہ اتنا شدید ہے کہ لکھنے لگتا ہوں، تو آنکھوں میں پانی آجاتا ہے اور سر درد کرنے لگتا ہے۔ تاہم آنے والے دور کے مصنفین اور محققین کے لیے راہ ضرور ہموار کر دی ہے۔ جب بھی کوئی دانشور یا ادیب اس موضوع پر قلم اٹھائے گا یہ تذکرہ جمیل اس کے لیے مآخذ کا کام دے گا۔ خاکسار کے لیے بھی اعزاز کافی ہے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

خاکسار نور احمد خان فریدی عفی عنہ



تقریب

از حضرت علامہ مولانا عبدالرشید صاحب طالوت

مسلمانوں کو مشرق وسطیٰ میں فرمانروائی کرتے بمشکل سات سو سال ہی گزرتے تھے کہ دفعۃً ترکستان کی سطوح مرتفع سے ایک تیرہ اور پر ہول گھٹا مغلوں کی صورت میں نمودار ہوئی جو دیکھتے ہی دیکھتے اسلامی ممالک کے بلند و پست پر چھا گئی۔ اس کی بے پناہ برق سامانی نے کسی کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔ خوارزم شاہِ حریف غلطی کی طرح مٹا دیا گیا۔ مستعصم کی اکٹھی ہوئی گردن کچل دی گئی۔ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ قریب تھا کہ اسلامی عظمت و اقتدار کا چراغ باطل کے اس تیز و تند طوفان کے ہاتھوں ہمیشہ کے لیے گل ہو جاتا کہ صوفیاء کا مقدس گروہ خدا کی تمجید و تہلیل کو سپر بنائے اور خلقِ محمدی کی نیکی تلوار ہاتھ میں لیے مغلوں کے ہلاکت خیز لشکر اور قدامتہ کے خوفناک جتھوں سے ٹکرانے کے لیے اپنے اپنے حجروں اور خانقاہوں سے نکل پڑا۔ درندوں سے بھرے ہوئے گھنے جنگل، افحی کی طرح پھینکارتے ہوئے مہیب دریا، تپتے ہوئے لق و دق صحرا۔ بلند و بالا، لُنڈ منڈ پہاڑ، اُن کا راستہ روکنے کے لیے آگے بڑھے۔ قدم قدم پر مصائب و آلام کی فلک بوس فولادی دیواریں حائل ہوئیں۔ مگر یہ عجیب دل گم وہ کے لوگ تھے کہ ناپید اکنار دریاؤں کو دو نیم کرتے اور سر بٹک پہاڑوں کو رانی بناتے بڑھتے ہی گئے۔ ان کی طمانیت بخش اور جرات آفریں صداقتِ اسلامیہ کے سرگمروں اور ثولیدہ حال گمروں میں بانگِ درابنگہ گونجی۔ اقوامِ عالم کی تقدیروں کو بدلنے اور نوعِ انسانی کے عروقِ مُردہ میں زندگی کی نئی لہر دوڑانے والے مسیحا نفسوں کے فولاد نے شوکتِ شاہی کے لوہے کو کاٹ کر رکھ دیا۔ ان کی ہیبت اور سطوت سے وہ سیلاب جو سندھ اور نیل کے کناروں کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا، محکم گیا۔ وہ خوف ناک

گھٹا جو شدت سے دُولِ اسلامیہ کے مطلع پر چھا رہی تھی، آئینہ رحمت بن کر رہ گئی۔ وہ خونِ اُشام تلوار میں جو مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے پیام سے نکلی تھیں، اسلام کی محافظ بن گئیں اور ملتِ اسلامیہ کے اقتدار کی گہرتی ہوئی دیوار کو سہارا مل گیا۔

ع۔ پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

ان مجاہدین اور مبلغین میں جنوبی ایشیا کے راجلِ عظیم — حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلفاء کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ یہ وہ قدسی نفوس تھے جن کا پیکر صنایعِ ازل نے عشق کے خمیر سے تیار کیا تھا۔ جو اپنے سینوں میں پارے کی طرح بے تاباں دل رکھتے تھے۔ یقیناً ان کا ایمان اور عشق ان کی سپر تھی۔ اسلام کی عظمت کی سر بلندی کے لیے یہ ملوکوتی انسان تبدیلِ ایمان لے کر

SIX HUNDRED SOLDIER SAINTS (چھ سو درویش مجاہدین) کی شکل میں بنگال کی رزم گاہ میں بجلی بن کر گورڈ گوبند کے لشکر پر کوندے اور کبھی جمالِ خداوندی کا منظر بنے۔ انڈونیشیا، فلپائن اور چین کے قریب قریب میں دعوتِ حق دیتے نظر آئے۔ جو رضائے الہی کے لیے بحر ہند کے طوفانوں سے اُلجھے۔ سیام اور برما کی پہاڑیوں سے ٹکرائے اور ظلمات کے پردوں کو چاک کرتے ہوئے وہاں تک پہنچے، جہاں تک تخیلِ انسانی کی رسائی ہو سکتی ہے۔ الغرض کشمیر، سندھ، گجرات، دکن، بنگال اور مشرقِ بعید کی بھولی بھٹکی مخلوق کو اسلام سے متعارف کرانے میں ہمارے شیخ الاسلام کا بڑا حصہ ہے۔

آپ نے ملتِ اسلامیہ کی اُس وقت نگہبانی فرمائی، جب اعداء و اعداء نے اس پر زندگی کی ساری راہیں مسدود کر دی تھیں۔ گو آپ کی باعظمت شخصیت کے احترام کا غیر معمولی جذبہ ہر وقت ہمارے قلب و دماغ پر شدت سے طاری و ساری رہتا ہے اور پھر آپ کا کوہِ وقار اور فلک بوس مقبرہ بھی اپنی عظمت و جلالت کی زندہ تصویر بنا، اہل ملتان سے خراجِ عقیدت وصول کرتا رہتا ہے۔ تاہم ایک بہت بڑی فروگذاشت جو ہمارے مورخین سے ہوتی رہی ہے وہ یہ ہے کہ کسی نے آج تک حضرت کے حالات و تعلیمات کو اس طرح نہیں لکھا، جس کی آپ کی

ذاتِ گرامی مستحق تھی۔ بالخصوص اُردو کا دامن تو ملتِ اسلامیہ کے اس رُجلِ عظیم کے ذکر سے ایک طرح بالکل تہی ہے اور ہمیں بصدِ ندامت یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ایسی بلند پایہ شخصیت پر اب تک کوئی کتاب شائع نہیں ہو سکی۔

فریدی صاحب نے حضرت شیخ الاسلام کا تذکرہ لکھ کر ملتِ اسلامیہ پر بالعموم اور اہلِ پاکستان پر بالخصوص بڑا احسان کیا ہے۔ یہ سیرتِ مُردہ دلوں میں ایک نئی دُور چھوکتی ہے۔ زندگی کا نیا ولولہ پیدا کرتی ہے اور قارئین کو اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی ترغیب دیتی ہے۔ حضرت شیخ الاسلام کا یہ تذکرہ جمیلہ اس نئی ملت کے لیے درسِ حیات ہے۔ جو برصغیر پاک و ہند میں پروان چڑھ رہی ہے۔ مولانا فریدی مسلمانوں کو پھر تصوف کے اُس چشمہٴ حیات پر لے آئے ہیں جس سے اسلامی دُنیا بُدو بھر اختیار کر چکی تھی۔ اُپ نے اصطلاحاتِ صوفیہ خاص کر وارداتِ عشق اور کشف و کرامات سے متعلق گہری واقفیت ہم پہنچائی ہے اور پھر جہاں تک اُن کا تعلق آیاتِ قرآنی کے ساتھ تطبیق سے ہے، وہ بھی کافی غور و فکر اور وسیع مطالعہ کے اثرات کی حامل ہے۔

اگرچہ یہ کتاب ایک ولی اللہ کی سچی دُور پرور، ایمان افروز اور حیرت انگیز داستان ہے۔ اس کے باوجود مولانا نے اسے خشک اور مغلق نہیں ہونے دیا۔ زبان اور طرزِ بیان عموماً سلیس، شگفتہ، دل کش اور ادیبانہ ہے۔ عنواناتِ تنوع اور ندرت کے حامل ہیں۔ مثال کے طور پر چند ایک عنوانات ملاحظہ ہوں۔

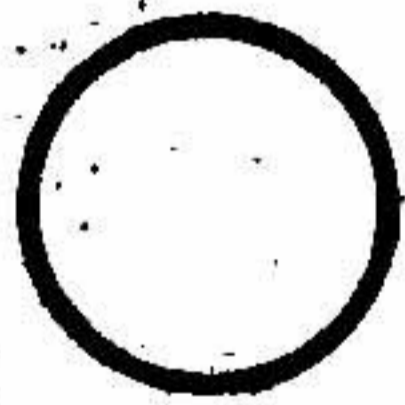
قبۃ ابیض۔ یا ساریۃ الجبل۔ رابع سبیل من اناب الی۔ جہاد کا سفرِ عام۔ صبحِ سعادت۔ قرآن السعدین۔ کاسۃ شیر۔ یارِ انِ طریقت۔ آہِ شیخ بخارا۔ میرِ حسینی کجاست؟ بیابا عراقی۔ یکے از چہار یار۔ بخارا کا مسافر۔ وارداتِ عشق۔ تصفیۃ قلب۔ خضرِ راہ۔ کیفیتِ ذکر۔ تجلیاتِ حق۔ ثمراتِ عشق۔ عشق کی وادی میں۔ نارِ نمرود کی غلط تاویل۔ اسرارِ دوستِ فاش مکن۔ انا کہ خاک بنظرِ کیمیا کنند۔ کسے جمالِ خویش بدگیرے نمی دیر۔

آخر میں جنوبی ایشیا کے اُن تمام آستانوں کی فہرست دی گئی ہے، جنہیں اس درسِ گاہ سے

روحانی نسبت کا شرف حاصل ہے۔ ”آسمانِ غوثیت کے تابندہ ستارے“ اس کا عنوان ہے۔
 دراصل اس میں حضرت کے یارانِ بے ریا اور لاکھوں جان نثاروں میں سے صرف ان شخصیتوں کو
 لیا گیا ہے۔ جن کا ذکر تاریخ اور سیر کی کتب میں ملتا ہے۔ جن اولیاء اللہ نے اس خانوادے سے
 منسلک ہونے کے باوجود ساری زندگی گنہگار میں بسر کر دی ہے اور انہوں نے کہیں اپنے آپ
 کو منظرِ عام پر نہیں آنے دیا۔ ان تک مصنف کی رسائی کیسے ہو سکتی تھی؟ بہر حال اتنا بھی غنیمت ہے
 کہ مولانا نے مشرق اور مغرب کے کتب خانے چھان کر سلسلہ سہرورد کے بکھرے ہوئے لولوٹے شاہوار
 ایک لٹری میں پرودے ہیں۔

مولانا کی یہ کاوش اپنی افادیت کے سبب بے حد اہم ہے۔ المختصر کتاب کا ہر ورق اسرار و
 معارف اور فکر و عبرت کا آئینہ دار ہے۔ میں محرک اور مصنف دونوں کے لیے دُعاؤں خیر کرنا
 اسلامی اور اخلاقی فرض تصور کرتا ہوں۔ خدا کرے یہ خدمت ان حضرات کے لیے نجاتِ آخری کا
 ذریعہ اور ملتِ اسلامیہ کے لیے ہدایت کا موجب بنے۔ اور قوم اس مجلہ کی ورق گردانی کی
 بدولت گہری نیند سے جاگے اور ان اسباب پر غور کرنے لگے، جنہوں نے اسے کہاں سے کہاں
 تک پہنچا دیا۔ آمین یارب العالمین!

”طالوت“



تعارف

حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین ابو محمد زکریا سہروردی

رحمت اللہ علیہ

حضرت شیخ الاسلام کا علمی و روحانی مقام

روحانیت کا وہ آفتابِ عالم تاب !

- جو اُفقِ ملتان سے طلوع ہوا اور اُس کی ضیاء نے تمام دُنیا کو منور کر دیا۔
- وہ جس نے خانقاہوں کو اُن کی چھنی ہوئی عزت بخشی اور شریعت و طریقت کے مابہ الامتیاز کو واضح کیا۔
- وہ جس نے خود پرستی کے اُن بُتوں کو توڑ کر چکنا چور کر دیا، جنہوں نے شریعت اور طریقت کے درمیان دیوارِ کھڑی کر دی تھی اور خدا پرستوں کو خود پرستی کا بیمار بنا دیا تھا
- وہ جس نے ملتان کے قلعہ شاہی میں بہت بڑی درس گاہ کی بنیاد رکھی۔ جس میں نہ صرف شرعی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی، بلکہ اسلام کی تھانویت کو واضح کرنے اور اکنافِ عالم میں توحید کی شمعیں روشن کرنے کے لیے مبلغین کی جماعتیں تیار کی جاتی تھیں۔
- وہ جو اِدِ اعظم !
- جس کے خلفاء ہزاروں روپے کا سامانِ تجارت خرید کر سوداگروں کے بھیس میں انڈونیشیا، فلپائن اور چین تک کا سفر کرتے اور تجارت کے ساتھ ساتھ وہاں کے عوام کو اسلام سے روشناس بھی کراتے تھے۔
- وہ شیخِ کامل، جس کے زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اُس کی لونڈیاں چکی پیسنے بیٹھتیں تو قرآنِ ختم کر کے اُٹھتی تھیں۔
- وہ مُرشدِ ارشد جو مرید کرتے وقت اس امر کی بیعت لیتا تھا کہ وہ جو کسب کرتا ہے، اس میں بدویانہی نہیں کرے گا۔
- وہ خدا یاد درویش ! جس کے رُعب سے سلطان ناصر الدین قباچہ ترساں ولہرزاں رہتا تھا۔

- وہ جس نے اسلامی تاریخ کا رخ موڑ دیا۔
- وہ جس نے فکر و نظر میں انقلاب پیدا کر دیا۔
- وہ جس نے قلب و روح کو نئی زندگی بخشی۔
- عراقی اور حسینی جیسے اغواث و اقطاب کو مرشد۔ جسے رفیقِ اعلیٰ کو لبیک کہے نو صدیاں گزر چکی ہیں، مگر اس کا مزاج پر انوار اب بھی مایوس دلوں کی امید گاہ ہے۔ ہزاروں ہاتھ صبح و شام فاتحہ کے لیے اٹھتے ہیں اور قبۃ اربعہ قلعے کی بلندی سے شہر پر نور بکھیرتا نظر آتا ہے۔

ہر نہ مینے کہ نشانِ کھن پائے تو بود

سالہا سجدہ صاحبِ نظرانِ خواہد بود

- وہ جس کا ذکر سیدالسادات جلال بخاری ان الفاظ میں کرتا ہے :

وَأَنَّ سُلْطَانَ مَلِكٍ مُصْطَفَوِيٍّ وَأَنَّ بُرْهَانَ دِينٍ مَحَبَّتِ نَبَوِيٍّ وَأَنَّ بِرُورَةَ مَسْجِدِ نَبَوِيٍّ
وَأَنَّ خَوَاجِمَ دَلِيلِ فِتْوَى وَأَنَّ مَتَمَكِّنَ هِدَايَةِ وَأَنَّ مَتَوَكَّلَ وِلَايَةِ وَأَنَّ وَالِيَّ
قُبَّةِ عِزَّةٍ، وَأَنَّ صَفِيَّ بِرُورَةِ وَحَدِّثِ وَأَنَّ أَفْتَابَ كَرَمِ وَاحْسَانِ وَأَنَّ دَرِيَّائَةَ
دَرَعِ وَامْكَانِ، وَأَنَّ كَنْجَ عَالَمِ عِزَّةٍ، وَأَنَّ خَزِينَةَ سِرَائَةِ دَوْلَتِ وَأَنَّ مَبَارِزَ
مِيْدَانِ مَجَاهِدَةٍ، وَأَنَّ مَجَاهِدِيَّوَانَ مَشَاهِدَةٍ، وَأَنَّ عَامِلَ رَاهِ هِدَايَةِ وَأَنَّ كَامِلَ
بَارِكَاةِ عِنَايَةِ وَأَنَّ خَلِيْفَةَ اَللّٰهِ وَأَنَّ دَاعِيَ نَامِتْنَاهِيٍّ وَأَنَّ زَيْنَ زَمَانِ وَأَنَّ رُكْنَ
اِنِّ وَأَنَّ تَارِجَ دِيْنِ وَدُنْيَا، وَأَنَّ شَمَّخَ زَهْدِ زَاهِدَانَ، وَهَآءِذَا شَرَعَ دَوْلَتِ
وَأَنَّ مَشْعَلَةَ دِيْنِ وَدَوْلَتِ وَأَنَّ سُلْطَانَ شَرِيْعَتِ وَأَنَّ بُرْهَانَ حُجَّتِ وَطَرِيْقَتِ،
وَأَنَّ قُدُوَّةَ اَوْلِيَآءِ وَأَنَّ عَمْدَةَ اَتَقْيَاءِ. وَأَنَّ مَجْرِدَ بَاطِنِ وَظَاهِرِ وَأَنَّ فَرْدِ غَايِبِ وَ
حَاضِرِ وَأَنَّ زَاهِدِ مَتَمَكِّنِ وَأَنَّ عَابِدِ مَتَدِيْنِ وَأَنَّ سُلْطَانَ اَلْاَوْلِيَآءِ وَأَنَّ مَعْلَمَ الدَّرْسِ
وَالاَرْتِ وَأَنَّ حَقِيْقَتِ اَلْاَصْفِيَاءِ وَأَنَّ شَمْسَ صَفْوَةِ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ بِدْرِ اَلْمَشَارِخِ،
بِمَاءِ الْحَقِّ وَالدِّيْنِ اَبُو مُحَمَّدٍ زَكَرِيَّا الْقُرَشِيُّ اَلْاَسَدِيُّ الْكَبِيْرُ الْمُنِيْرُ قَدَسَ اللّٰهُ سِرَّهُ -

مولانا جمالی جو بہا یونی عمد کے مشہور مؤرخ اور سہروردیہ سلسلہ کے بجائے خود درویشی کا
ہو گزرے ہیں، انہوں نے حضرت کا تذکرہ کچھ ایسے ہی الفاظ میں کیا ہے :

وہ آں گوہر درج شریعت و طریقت و آں اختر برج معرفت و حقیقت، اُن رہمائے
منازل تصدیق، و آں ابواب کشائے معارف تحقیق، آں مرشد سالکان صاحب حال
و آں رہبر ہر وان اہل کمال و آں زبدۃ التقیاء و آں خلاصۃ اولیاء بہار الدین
ابو محمد زکریا قدس سرہ العزیز از اولیائے کبار بود و در روشنی مشیخت صاحب
اعتبار، در علوم ظاہری مجتہد زمان و در اسرار باطن سلطان، سریر عرفان،
در عمد خویش از بے نظیران روزگار بود و در کشف و کرامت عدیم المثال و در
عبادت و ریاضت مستقیم الاحوال سے

موصوف صفات جاودانی	آں محرم راز لامکانی
در عالم عشق جائے کردہ	افلاک بزیر پائے کردہ
پاک وقتہ در بقائے تفرید	جاد و فہ از فنائے توحید
ظاہر بشریعت و طریقت	باطن بہویت و حقیقت!
و آں مردم دیدہ مشائخ!	آں پاک گزیدہ مشائخ!
یعنی کہ بہائے ملت و دین	سلطان سریر و ملک و تکین
در ملک مجتہدش جمالیست!	او مالک ملک لایزالیست!

عراق، شام اور مصر کے شیخ الکل حضرت مولانا فخر الدین عراقی نے حضرت شیخ الاسلام
کی شان میں جو قصائد لکھے ہیں، ان سب کی گنجائش یہاں کہاں؟ اُن میں سے چند
اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

شیخ شیلوخ بہا قطب زمین زمان غوث ہمناس و جان مالک تنق رقاب

واضحی حق الیقین مہدی ہادی خطاب
 مکمل کامل صفات عالی عالی جناب
 نشنوی از آسماں جز نہ کر یا جو اب
 در کف دریا و شش ہفت فلک یک جاب
 طالب مطلوب را از در او فتح باب
 کعبۃ افضالہ مامن اہل العقاب
 تربت اقدامہ کحل عیون المعاب
 خاطر من ترک مدح تو خورشید تاب
 مجلس داؤد را نعمۂ طنین رہاب
 تا شوم روز حشر با خدمت ہمراہ
 در گہ رہاں بود غم زدگان را ماب
 گویدم احسنت زہ صرت بکون الصواب

ناشر علم الیقین، کاشف عین الیقین
 مفضل فاضل نواز عالم عالم پناہ !
 پرسی اگر از جہاں کیست امام زمان؟
 در نظر ہمتش ہر دو جہاں نیم جو
 سالک مجذوب را بر در او بازگشت
 سدۂ اقبالہ قبلہ اہل الثواب
 قطرۃ الغامہ روح قلوب الصدور
 اے تیوروشن جہاں ذرہ چگوید ثنات
 پیش سلیمان چو مور تحفہ آرم ملخ
 چنگ بفتراک تو در زوہ ام بندہ وار
 در کف لطف تو برودہ عراقی پناہ
 گر شود مصطفیٰ مدحت حسان تو

ولہ

دوئے دلدار دران آئینہ پیدا بینند
 غوث حق رحمت عالم نہ کر یا بینند
 تا مگر از مددش نور سجلیا بینند
 بر درش زمرۂ ابدال تو لا بینند
 مردگان از نفس او دم احیا بینند
 بندگان بلحاۃ خود در گہ والا بینند
 تا مگر بر گس سایہ عنقا بینند
 سوئے او کن نظر کائینہ سیا بینند
 بعضائے کہ ترا برید بیضا بینند
 کز ہمہ در گہ تو بلجا و ماویا بینند

روشن دلاں آئینہ دل چو مصفا بینند
 خاص حق صاحب قدوس بہاء الاسلام
 خاک پایش بتبرک ہمہ در دیدہ کشند
 قطب وقت اوست ہمہ عالم از او آسودہ
 بیدلاں نظر او دل بینا یا بند
 مگر ما برہ در لطف تو پناہ آوردیم
 ز آفتاب نظرت بر سر او سایہ فگن
 گر چہ چوں آمان ز نگار پذیر است دلش
 بکشا از لبش اے موسیٰ عہد آپ خضر
 بوسہ گاہ ہمہ یا کان جہان بادرت

عالم از نفس نفیس تو بیا داغالی کہ جہاں ہر دم از انفاس تو بویا بیند

ولہ

شیخ رہانی بہاء الحق والدین آنکہ ما بوسہ بر خاک درش چوں قدیاں ہر دم نہیم
پائے چوں روح القدس برویدہ سداہ نہیم آتش از سوزہ دل در بنگہ آدم نہیم
خرمن ہستی بیا دے نیاز می ہمدہیم دست در فتراک صاحب ہمت عظم نہیم
خاک روہیم از سر کوشش بجا روپ وفا در بماند گمہ کے از دیدہ آنرا نم نہیم

حضرت میر حسینؒ نے اپنی تصانیف میں عراقی سے بھی زیادہ شیخ کے قصائد لکھے ہیں طوا
کے خوف سے ذیل کے چند اشعار پر اکتفا کی جاتی ہے۔

شیخ ہفت اقلیم قطب اولیاء واصل حضرت ندیم کبریا
مفخر نلت بہائے شرع دین جان پاکش منبع صدق و یقین
از وجود او نبرد دوستاں جنت الماویٰ شدہ ہندوستاں
منکہ رو از نیک و از بد تا فتم ایں سعادت از قبولش یافتم
رخت ہستی چوں پرواز ایں جہاں کہ در پرواز ہما بر آسماں!
اں بلند آوازہ عالم پناہ! سرور عصر افتخار صدر گاہ

صدر دین و دولت اں مقبول حق
نہ فلک بر خوان بودش یک طبق

(کنز الرموز)

قُبَّةُ اَبِیضٍ

حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا قدس سرہ العزیز کا قبۃ ابيض جنوبی ایشیا کے قدیم ترین شہر ملتان میں واقع ہے۔ صدیاں بیت گئیں، ہزار ہا خاندانوں نے امیری غریبی کی چادریں لپیٹیں۔ بڑے بڑے نامور سلاطین آئے اور تُوَفِی الْمُلُکِ مِنْ تَشَاءٍ وَتَنْزِیحِ الْمُلُکِ مِنْ تَشَاءٍ کا شاہانہ اعتراف کرتے ہوئے ملکِ عدم کو رخصت ہو گئے۔

وہ محلات جن سے آٹھوں پیرِ مشک و عنبر کی لپٹیں اٹھا کرتی تھیں، جہاں ہر طرف ریشم اور مٹل کے پردے آویزاں رہتے تھے۔ جن میں ہر وقت کشمیر اور ایران کے زریں کار خالیچے بچھے رہتے تھے۔ آج دنیا ان کے آثار تک دکھانے سے قاصر ہے اور وہ سر بفلک قلعہ بھی جو سکندر اعظم سے سرنہ ہوا تھا، کھنڈر بن چکا ہے۔

چناب جو کبھی قلعے کی دیواروں سے ٹکرا کر گزرتا تھا، آج بیس میل شمال کو ہو کر بہتا ہے۔ الغرض اس قدر انقلابات آئے کہ اس ملک کا جغرافیہ تک بدل گیا ہے، لیکن اس کے باوجود حضرت شیخ الاسلام کے قبۃ ابيض کی شوکت و دارائی میں فرق نہیں آیا۔ ہزاروں آندھیاں آئیں، سینکڑوں طوفان ٹکرائے۔ حملہ آوروں کی دست برد سے شہر کی اینٹ سے اینٹ بچ گئی۔ مگر روضۂ اقدس کی یہ کیفیت ہے کہ جو اینٹیں حضرت شیخ الاسلام خود لگوا کر گئے تھے، وہ آج بھی جوں کی توں موجود ہیں۔

سلطان ناصر الدین محمود، سلطان غیاث الدین، محمد تغلق، فیروز شاہ، سلطان حسین، داراشکوہ اور اورنگ زیب، خدا جانے کتنے قہرمان تاجدار اس بارگاہ پر حاضری دے چکے ہیں۔ اور خدا معلوم ابھی کتنے دوسرے شہریاروں کی قسمت میں اس درگاہ کی حاضری مقدر ہو چکی ہے۔ زمانہ بدلتا رہے گا۔ حکومتیں کروٹیں لیتی رہیں گی۔ باشندے

ادھر سے ادھر بدلتے رہیں گے۔ لیکن حضرت شیخ الاسلام کا یہ قبہ ابینش اسی طرح خاص و عام سے
خوابِ حقیقت و مومل کرتا رہے گا۔

ہرگز نمیر و آنکہ دلش زند و شد لعشوق

ثبت است بر حسب ریدہ علم دوام ما

درگاہِ مُعالیٰ پر حاضری | حضرت شیخ الاسلام کا قبہ ابینش کئی میلوں سے گردن نکالے اپنے
ادارت مندوں کو خوش آمدید کہتا دکھائی دیتا ہے۔ زائرین سے

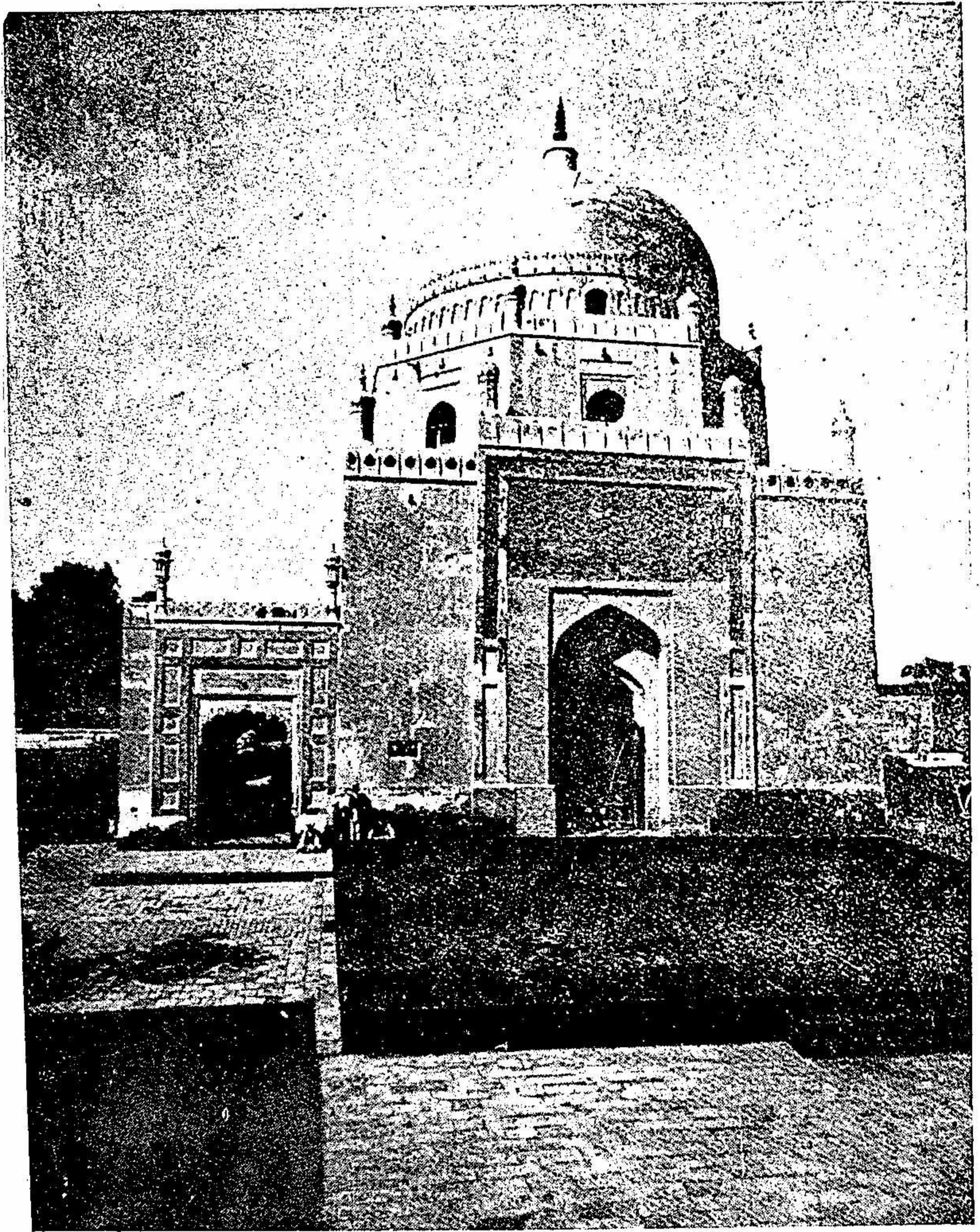
اسٹیشن سے ہی اس فلک رفعت مقبرہ کی زیارت کر لیتے ہیں۔ شوق دید کا یہ عالم ہوتا ہے کہ
پل نہ گزرے اور تشویر کی جناب میں جا پہنچیں۔

بس شہر کے خوش منظر تھنوں کے چکر کا مٹی زائر کو حضرت شیخ الاسلام کے قدموں میں جا آتا رہتی
ہے۔ اسلامپور ہائی سکول کے عین درمیان سے ایک راستہ نکلتا ہے۔ جو بتدریج نیچے سے اوپر
کہ بلند ہوتا چلا گیا ہے۔ راستے میں دائیں جانب شاہ دین بیراگی رحمت اللہ علیہ اور حضرت
میراں خٹک سوار کے مزار آتے ہیں۔ زائر ان پر عقیدت کے پھول پنچا اور کرتا بڑھتا چلا جاتا
ہے۔ یہاں تک کہ پر ہلاد مندر کے متصل ایک رفیع المرتبت دروازہ آ جاتا ہے۔ جس پر بخط
جلبی یہ کتبہ مرقوم ہے :

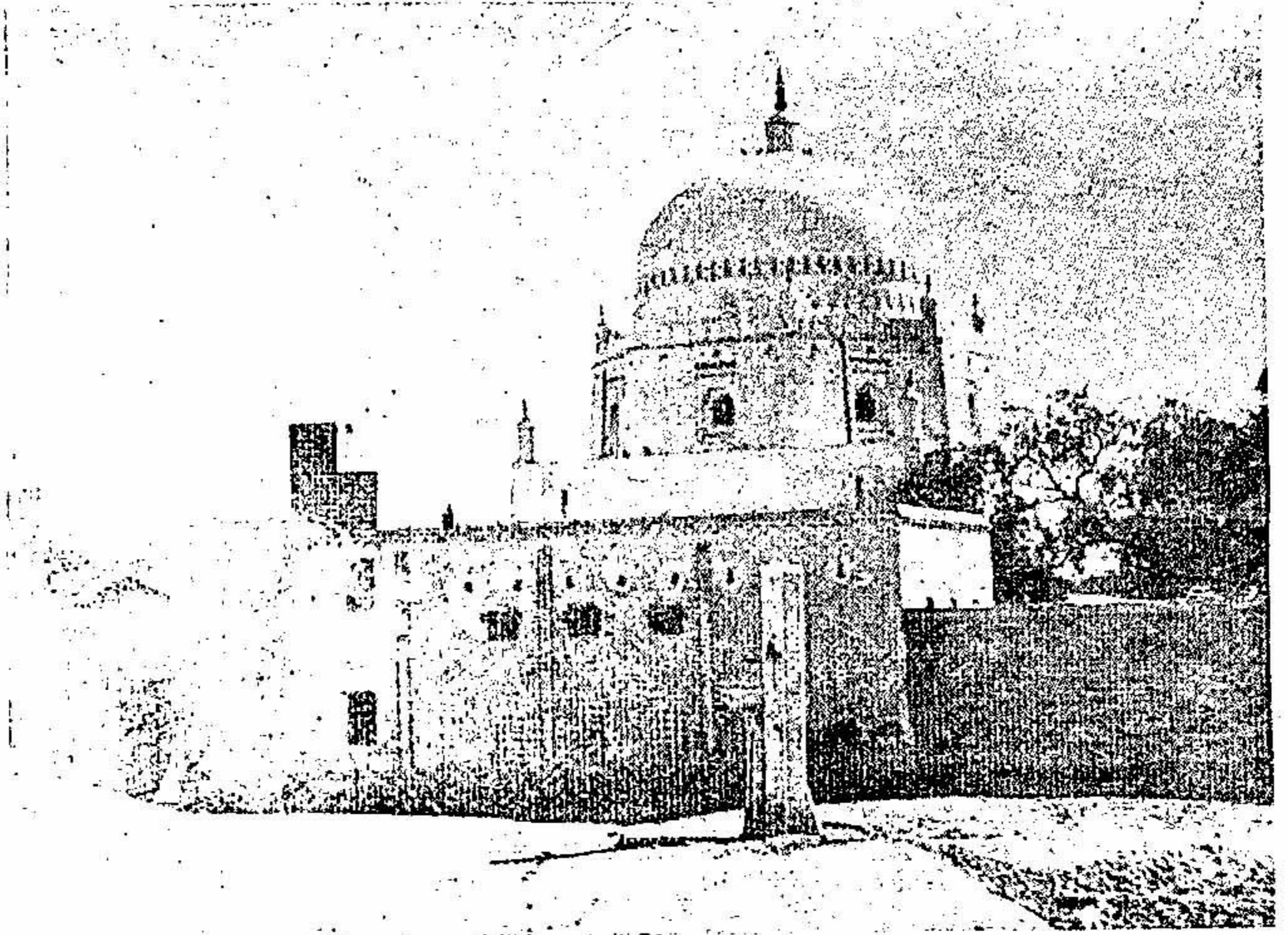
خالقاہ شیخ الاسلام حضرت غوث بہاء الحق والدین زکریا ملتانی

تاریخ وفات ۱۶۶۱ھ

زائر اندر قدم رکھتے ہی ایک نئی دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ ہر چیز نئے رنگ اور نئے ڈھنگ
میں نظر آتی ہے۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ گویا قدرت نے شیخ الاسلام کی ہر چیز کو تقووت کے
رنگ میں رنگ دیا ہے۔ ہر شے زائر کے دل پر اثر ڈالتی ہے اور آدمی فرطِ رعب سے لرز
اٹھتا ہے۔ ڈیوڑھی میں دائیں جانب حضرت شیخ الاسلام کے ایوان کا دروازہ ہے۔ نقیب
اور چاؤش رہ رہ کر پکار اٹھتے ہیں۔ ”مدد بہاء الحق“ زائر کی حالت اس وقت ایسی ہوتی



روضہ شیخ الاسلام کا وہ تاریخی چبوترہ جس پر حضرت نے بیس برس کامل عصر کے بعد
 و عظم فرمایا ہے۔ ان مواضع میں دلوں کی کائنات ہل جاتی تھی۔ فولاد می طبائع نرم ہو کر
 موم بن جاتی تھیں بخشونت آمیز نگاہوں سے خشیت الہی کی دھاریں پھوٹ پڑتیں اور
 ہزاروں فاسق و بدکار تائب ہو کر قطب و ابدال بن جلتے تھے۔



حضرت شیخ الاسلام و المسلمین بہاؤ الحق والدین ابو محمد زکریاؒ کے روحِ مبارکہ کا
پوشوکت منظر جو آج بھی فیض کا سرچشمہ ہے۔ کوئی سائل در اقدس سے محروم نہیں جاتا۔
بیقرار دلوں کو تسکین کی دولت ملتی ہے۔ اور مایوس و ناکام دل اپنی مرادیں حاصل کرتے ہیں۔

ہے، جیسے کوئی ملزم کسی بڑے مجرم کا مرتکب ہو کہ معافی طلب کرتے کے لیے ایک جلیل القدر بادشاہ کے دربار میں باریاب ہو رہا ہو۔

سادھے نوقٹ آثار طے کرنے کے بعد زائر اپنے آپ کو شیخ الاسلام کے دربار میں پاتا ہے۔ دربار خاصان خاص سے کچھ کچھ بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ زائر دائیں جانب ایک تنگ راستہ کے ذریعے سرنگوں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا حضور کے دائیں پہلو میں جا پہنچتا ہے اور بے اختیار ایک آہ کہہ کر آپ کے تخت سے (جس سے دنیا کے لاکھوں تخت طاؤس خم کھاتے ہیں) چپٹ جاتا ہے۔ اور زائر و قطار روتا ہے۔ حتیٰ کہ شیخ کا دامن اور زائر کا چہرہ قطرات اشک سے تر بتر ہو جاتے ہیں۔ شاہان مجاز کی طرح حضرت شیخ الاسلام جھڑکتے نہیں اور نہ ہی کسی اہل کار یا خادم کی بجزرات ہو سکتی ہے کہ وہ آئے اور ملاقاتی کو شیخ الاسلام کے دامن سے جدا کرے۔

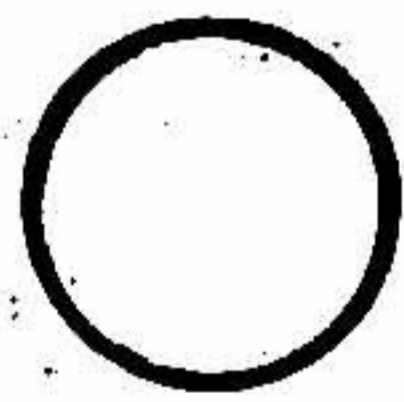
جب زائر رو کر نڈھال ہو جاتا ہے تو اچانک اُسے محسوس ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام نے اپنا بابرکت ہاتھ اُس کے دل پر رکھ دیا ہے۔ ایک عجیب سکون و اطمینان کی لہر زائر کی رگ رگ اور نس نس میں دوڑ جاتی ہے۔ سیاہ کار اور مجرم زائر کا دل شہادت دیتا ہے کہ عرق انفعال کے چند قطرات کو ذات ذوالجلال نے حضرت شیخ الاسلام کی توجہ سے شرف قبولیت بخشا ہے۔ اور نامہ اعمال کدورتوں سے صاف ہو گیا ہے۔ تب شادمانی و کامرانی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ اور اپنے دونوں ہاتھ مرقد مبارک پر رکھ کر انتہائی ادب و احترام سے بوسہ دیتا ہے۔ غلاف کو اپنی آنکھوں سے لگاتا اور چومتا ہے۔

پھر ذرا پیچھے ہٹ کر بائیں جانب کو پشت کر کے حضور شیخ الاسلام کی خدمت میں فاتحہ کا تحفہ پیش کرتا ہے۔ اپنے اپنے خاندان اور ملت اسلامیہ کے لیے مولائے کائنات کی خدمت میں دعا طلب کرتا ہے اور اس جلیل القدر اور محبوب شخصیت کا واسطہ دیتا ہے۔ گڑ گڑاتا ہے اور اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی بے بسی اور بے کسی کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے بعد نہایت انکسار سے حضور شیخ الاسلام اور آپ کے پہلو نشین فرزند جگر بند حضرت شیخ الاسلام ابوالمنعم صدر الدین محمد عارف باللہ اور آپ کے درباریوں کو جھک جھک کر سلام کرتا ہوا بائیں جانب کے راستے پیچھے ہٹتا، دروازے سے باہر

نکل آتا ہے اور ایک عجیب فرحت و انبساط محسوس کرتا ہے۔
 ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا انسانی کمزوریوں اور لغزشوں کا وہ بار گراں جو وہ کندھوں
 پر اٹھالایا تھا، اُس سے اتار لیا گیا ہے۔ یہ ایک عمومی کیفیت ہے جو تقریباً ہر ذراٹر
 کے دل پر گزرتی ہے۔ خاصاً بارگاہ کی اس سے بھی عجیب تر حالت ہوتی ہے،
 بہر کیف ع

جتنا ہے ظرف اُس کا اتنا وہ پی رہا ہے
 اگرچہ حضرت شیخ الاسلام کے واقعات عالم آشکار ہیں اور دنیا کا ذرہ ذرہ اُن کے
 سوانح حیات سے آشنا ہے۔ لیکن اُن کے ذکر میں کچھ ایسی حلاوت پائی جاتی ہے کہ قند مکرر کا
 لطف آتا ہے۔ اس لیے مختصراً سپردِ قلم کرتا ہوں۔

ما طفل کم سواد و سبق قصہ ہائے دست
 صد بار خواندہ و دگر از سر گرفتار ایم





تمام تذکرہ نگاروں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا قدس سرہ
 حسب نسب کے اعتبار سے قریشی الاسدی تھے۔ حضور کی اولاد میں سے بعض افراد اپنے
 آپ کو اسدی الماشمی لکھتے ہیں۔ حالانکہ ایک دنیا جانتی ہے کہ اسد بن ہاشم مقطوع النسل تھے۔
 لوگوں نے غلطی سے اسد بن عبد العزیٰ کو اسد بن ہاشم سمجھ لیا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اسد بن عبد العزیٰ
 اور اسد بن ہاشم دونوں ایک ہی گھرانے کے رکن رکین ہیں۔ ایک اسد کا نسب نامہ دو واسطوں سے
 جناب قصی سے ملتا ہے اور دوسرے کاتین واسطوں سے "تاریخ الخنیس" اور "روضۃ الاحباب" کے
 نزدیک سوائے آل عبد المطلب کے دنیا میں کوئی بنی ہاشم نہیں۔ اسی طرح علامہ شامی بھی سوائے
 عبد المطلب کی اولاد کے کسی کو ہاشمی تسلیم نہیں کرتے۔

مخدوم سید جلال بخاری حضرت شیخ الاسلام کے
 محبوب مرید اور نامور خلیفہ نے اپنے پیرو مشد

کا جو شجرہ پیش کیا ہے۔ وہ حضرت شیخ الاسلام کے فرزند اکبر حضرت صدر الدین عارف قدس سرہ
 کی بیاض سے نقل شدہ ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

ذَلِكَ أَدْنَىٰ وَجَدْتُ نُسْعَةَ مَسْلُوبَةً مَوْثُوقَةً بِحِطِّ شَيْخِنَا شَيْخِ الْإِسْلَامِ
 صَدْرِ الْحَقِّ وَالِدِ بْنِ أَبِي الْمَغَائِمِ مُحَمَّدٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ -

اسی لیے اکثر محققین نے اسی نسب نامہ پر اعتماد کیا ہے۔ جن میں شیخ عین الدین بیجا پوری،

۱۔ کتاب المعارف لابن قتیبہ، کتاب الاشتقاق لابن درید ابن ہشام۔

۲۔ رد المحتار عرف شامی باب الزکوة۔

پیرزادہ محمد حسین صاحب، مترجم سفرنامہ ابن بطوطہ، شیخ محمد علی صاحب رونق مؤلف تحقیق الانساب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت مخدوم سید جلال بخاری نے اس امر پر بڑے فخر و مباہات کا اظہار کیا ہے کہ میرے مرشد کے آباء و اجداد عرب کے رؤسا اور شرفاء میں سے تھے اور وہ ممتاز قریشی تھے۔ کیونکہ ان کا نسب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کے ساتھ جناب قصی سے مل جاتا ہے۔ جناب قصی کے دو فرزند تھے، ایک عبد المناف جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد ہیں۔ اور دوسرے عبد العزیٰ جو ہمارے مشائخ کے مورث و جدِ اعلیٰ ہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ ہمارے مشائخ کا نسب اکیس واسطوں سے اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا پانچ واسطوں سے جناب قصی سے ملتا ہے۔ حضرت مخدوم جلال بخاری کی عبارت کا متن ملاحظہ ہو :-

وَمَشَائِخُنَا كَانُوا مِنْ رُؤَسَاءِ الْعَرَبِ وَ سَادَاتِهِمْ وَ اشْرَفِ النَّاسِ
حَسَبًا وَ نَسَبًا لِأَنَّهُمْ قُرَيْشِيُّونَ مِنْ أَتَّصَلَ نَسَبُهُمُ الْإِشْرَافِيُّونَ إِلَى نَسَبِ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى قَصِيِّ بْنِ كَلَابٍ - وَقَصِيٌّ جَدُّ نَبِيِّنَا
وَمَشَائِخُنَا رَضَوْنَ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ وَ لَدَقَصِيٍّ ابْنَانِ مِنْهُمْ
عَبْدُ الْمَنَافِ جَدُّ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ عَبْدِ الْعَزِيِّ جَدُّ مَشَائِخُنَا رَضِيَ
اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَ مِنْهُمْ إِلَى قَصِيٍّ عَشْرُونَ أَحَدًا يَطْنَا وَ مِنْ النَّبِيِّ إِلَى
قَصِيٍّ خَمْسَةٌ -

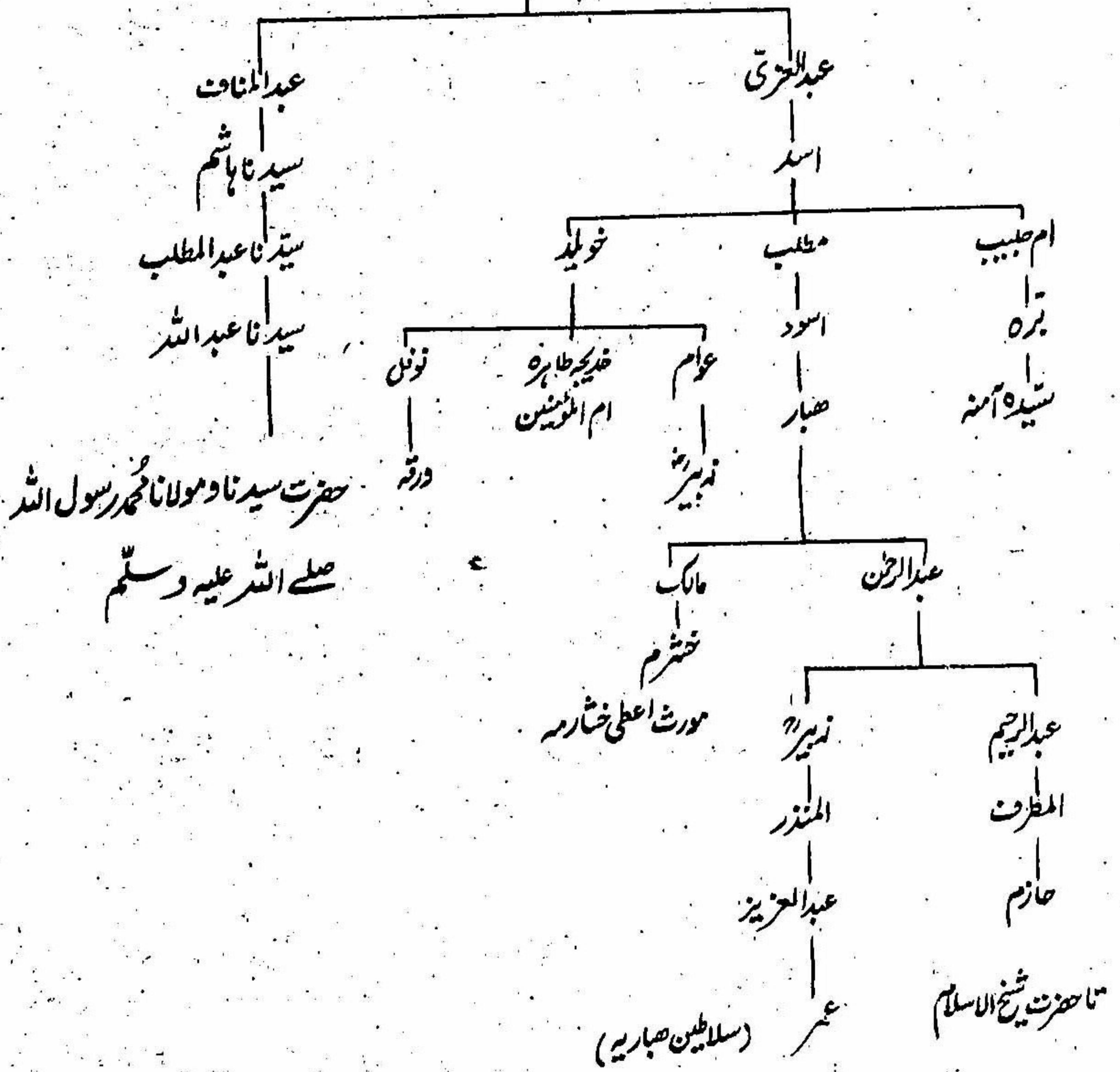
نسب نامہ مصدقہ سید السادات جلال بخاری | اتنی وضاحت کے بعد حضرت مخدوم نے شیخ الاسلام کا مکمل نسب نامہ

اپنے ملفوظ میں اس طرح سے درج کیا ہے :-
حضرت شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا - بہاد الحق بن شیخ محمد غوث - بن شیخ ابوبکر بن شیخ

جلال الدین بن شیخ علی قاضی بن شمس الدین محمد بن الحسین بن عبد اللہ بن الحسن بن المطرف
بن خزیمہ بن حازم بن محمد بن المطرف بن عبد الرحیم بن عبد الرحمن بن صبار بن اسود بن مطلب
بن اسد بن عبد العزی بن قسّی

حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا علیہ الرحمۃ اور خاندان نبوت کا نسبی تعلق ذیل کے
شجرہ سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔

قسّی بن کلاب



حضرت ہبار بن اسودؓ

ہبار بن اسود حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے مورث اعلیٰ ہیں۔ آپ نے شروع میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تھی، مگر فتح مکہ کے بعد ایمان لے آئے اور اطاعت احکام دین میں بہت مستقل ثابت ہوئے۔^۱

حضرت ہبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ مال دار انسان تھے۔ مکہ مکرمہ میں آپ کی تجارت کی بڑی کوٹھیاں تھیں۔ شام اور مصر کو آپ کے کئی قافلے آیا جایا کرتے تھے۔ قبول اسلام کے بعد بھی آپ مستقل طور پر مکہ مکرمہ میں مقیم رہے اور اپنی ساری زندگی جواری کعبہ میں بسر کر دی۔ خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ حضرت ہبار کے فرزندوں کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "الجبال" کا علاقہ جاگیر میں مرحمت فرمایا تھا۔ جو بعد میں خوارزم کے نام سے موسوم ہوا۔

حضرت ہبار کے دو صاحبزادوں کا تاریخ کی کتابوں میں ذکر آتا ہے۔ ایک حضرت عبدالرحمان ہیں جو حضرت شیخ الاسلام کے مورث تھے۔ دوسرے حضرت مالکؓ، جن کے فرزند ارجمند جناب خشرم کی اولاد "الخشارمہ" سے مشہور ہوئی۔

احمد بن یحییٰ بلاذری المتوفی ۲۷۹ھ لکھتا ہے :-

” مجھ سے خشرم بن مالک بن ہبیرۃ الاسدی کی اولاد میں سے کسی نے بتایا کہ الخشارمہ کے ماسیذان میں آنے اور رہنے کی ابتداء بنو امیہ کے آخر زمانے میں ہوئی، جبکہ ان کا مورث اعلیٰ یہاں آیا تھا۔“

اس لیے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اغلباً حضرت مالک اپنے والد کی زندگی میں ہی مکہ مکرمہ سے کوفہ میں منتقل ہو آئے ہوں گے۔ حضرت عبدالرحمن زندگی بھر مکہ مکرمہ ہی میں رہے اور انہوں

^۱ تاریخ اسلام، از مولانا محمد عاشق الہی میرٹھی، ص ۳۱۱

^۲ فتوح البلدان ص ۲۰۸

نے دو فرزند اپنی یادگار چھوڑے۔ ایک عبدالرحیم اور دوسرے زبیر۔

یہ دونوں بھائی عباسیوں کے طرف دار تھے۔ بنو امیہ کی طرف سے ان پر سختیاں ہوتی ہیں یہ سب کچھ برداشت کرتے رہے، لیکن مکہ مکرمہ کو نہ چھوڑا۔ کچھ عرصے کے بعد یکے بعد دیگرے ان کا انتقال ہو گیا۔ عبدالرحیم کی مسند تاج الدین المطرف نے سنبھالی اور زبیر کا جانشین المنذر بنا۔

اس زمانے میں حکم بن عوانہ سندھ کا گورنر بن کر جا رہا تھا۔ اُس نے المنذر کو بھی ہمراہ چلنے کی ترغیب دی۔ چونکہ ارض پاک کے حالات مساعد نہ رہے تھے۔ اس لیے المنذر بھی مع اہل و عیال سندھ کو روانہ ہو آیا اور بیانہ کے مقام پر جو مقابلتہ زیادہ سرسبز اور المنصورہ کے قریب تھا، آباد ہو گیا۔

الجبال یعنی خوارزم کی سکونت

تاج الدین المطرف ابھی تک مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ جب مروان الاخر کو زمام خلافت تفویض ہوئی، تو اُس نے امیر تاج الدین کو بیعت کے لیے مجبور کیا۔ لیکن چونکہ یہ ابراہیم بن محمد عباسی سے بیعت کر چکے تھے۔ اس لیے بطائف الحیل ٹالتے رہے۔

انہی ایام میں ابراہیم شہید کر دیئے گئے اور ان کی وصیت کے مطابق عبداللہ بن محمد عباسی جانشین ہوئے۔ یہ بہت بہادر انسان تھے اور اپنے گنہگاروں کے چودہ افراد کے ساتھ کوفہ میں ولید بن سعد کے مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے داعیوں اور نقیبوں کو ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا رکھا تھا اور جگہ جگہ خفیہ طور پر رضا کار بھرتی کئے جا رہے تھے۔ حکومت کو عباسیوں کی ان سرگرمیوں کا پورا علم تھا، جس پر ان کی حمایت کا محوڑا سا شبہ بھی گزرتا، اُسے گرفتار کر لیا جاتا۔ چنانچہ امیر تاج الدین المطرف کو بھی دار الخلافت میں طلب کیا گیا۔ ان دنوں خراسان میں ابو مسلم کا طوطی بول رہا تھا۔ پائیہ تخت سے کافی دور ہونے کے سبب حکومت بھی اُس کے خلاف کوئی شدید کارروائی نہ کر سکتی تھی۔ اس لیے امیر تاج الدین المطرف نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ جب تک حالات سازگار نہیں ہو جاتے، مکہ مکرمہ سے اپنی اراضیات "الجبال" میں

منفصل ہو جائیں۔ چنانچہ آپ مع اعزاء و اقارب اہلبال یعنی خوارزم میں ہجرت کر آئے اور اس جگہ کی آب و ہوا کو خوشگوار پا کر اپنی سکونت کی مستقل طرح ڈال دی۔ صاحب بنع البرکات بحوالہ ملفوظ شیخ شمس الدین اس تفصیل کے اجمال کو یوں بیان کرتے ہیں :

رو امیر تاج الدین المطرف رئیس دیار عرب بود و در مکہ مکرمہ سکونت مے داشت۔
پوں نوبت خلافت بہ مروان الحمار رسید اوشاں با امیر تاج الدین تکلیف می نمود کہ
بیعت ما قبول کنید۔ امیر محمود قبول نہ کرد، فرمود بہ مروانیاں مخالفت قلبی شد۔
ازین سبب وطن مالوفہ را گذاشتہ مع لشکر در خوارزم رسیدند۔“

صاحب بنع البرکات نے آگے چل کر جو روایت برہان الدین سے منسوب کی ہے وہ پھپھسی سی ہے اور تاریخ کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی۔ اُن کا بیان ہے کہ خوارزم پر چار پشتوں تک یہ خاندان حکومت کرنے کے بعد سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ کوٹ کر وڑ آیا اور پھر یہاں شیخ الاسلام کی ولادت تک برسر اقتدار رہا۔

خوارزم کا علاقہ حضرت عثمانؓ کے زمانے سے اس خاندان کے زیر اقتدار چلا آ رہا ہے۔ اگر تاج الدین المطرف کے بعد جناب محمد۔ حازم۔ خزیمہ۔ المطرف۔ حسین۔ عبد اللہ اور حسین تک سات پشتوں نے فرمانروائی کی ہے تو اسے تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا۔ لیکن سلطان حسین کا خوارزم کی حکومت ترک کر کے درویشی اختیار کرنا اور پھر سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ شریک جہاد ہو کر کوٹ کر وڑ کی حکومت قبول کر لینا تضاد بیانی کا ایسا مرتقع ہے جس سے بنع البرکات کی تمام روایات بے وزن ہو جاتی ہیں۔

سلطان حسین کے بعد اُن کے بیٹے سلطان شمس الدین درپائے سندھ کے کنارے کفار سے لڑتے ہوئے شہید ہو جاتے ہیں۔ شجرے میں سلطان حسین کے صاحب زاوے کا نام سلطان علی قاضی درج ہے۔ اگر یہ حضرات کوٹ کر وڑ اور اس کے مضافات کے خود مختار حکمران تھے، تو پھر قاضی کیوں کہلاتے؟ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ”سلطان“ کے لقب سے صاحب بنع البرکات کو دعو کہ لگا ہے۔ تو کیا حضرت سلطان باہو، سلطان احمد قتال، روڈ و سلطان اور پیر ہیون سلطان کیا یہ سب بادشاہ تھے؟

حقیقت میں دین و دنیا کے بادشاہ یہی اللہ والے لوگ ہیں۔ جیسا کہ عصائی کتاب ہے :

بہر ملک اگرچہ امیرے بود

و لے در پنا ہے فقیرے بود

یہ اولیائے کابلیں اپنے اپنے شہروں کے باطنی حاکم ہوتے ہیں۔ لیکن ظاہری حکومت سے اہل اللہ نے ہمیشہ اجتناب کیا ہے۔ البتہ قضا کے منصب پر بے شمار اولیاء اللہ کا فائز ہونا ثابت ہے۔ جو لوگ تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہیں انہیں علم ہے کہ اسلامی دور میں قضا کا عمدہ نہایت ممتاز تصور کیا جاتا تھا۔ قاضی القضاة کی حیثیت چیف جسٹس کی ہوتی تھی اور اسے دیوانی و فوجداری کے تمام اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ چنانچہ شیخ البکیر حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر کے آباء و اجداد کئی پشتوں تک قاضی رہے تھے۔

اسی طرح حضرت شیخ الاسلام کا خاندان بھی چونکہ علم و فضل میں یکتائے روزگار تھا، اس لیے کئی پشتوں تک ان کے خاندان میں بھی کوٹ کر ڈر کی قضا متواتر بنا چلی آئی تھی۔ منبع البرکات کے سوا باقی جس قدر سیر کی کتابیں ملتی ہیں، ان کا لمحص یہ ہے کہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا کے بزرگوں میں سے جو حضرت ملتان میں پہلے تشریف لائے تھے، عہد کمال الدین علی شاہ تھے۔ چنانچہ مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں :-

”جد بزرگوار دے کمال الدین علی شاہ قریشی از مکہ معظمہ بخوارزم آمد و از اینجا بلقان رونق افراشد“

ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ مجھے خود حضرت شاہ رکن عالم قدس سرہ نے بتایا تھا کہ ان کے بزرگ سندھ سے ملتان آئے تھے اور جب تاریخ سندھ میں ہمارے یوں کی آمد اور المنصورہ پر دو تین پشتوں تک حکومت کرنے کا ثبوت ملتا ہے تو اس سے حضرت شاہ رکن عالم کی سندھی وطنیت

۱۹ خزینۃ الاصفیاء، جلد دوم ص ۱۹۔

۲۰ مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی کی تحقیق بھی یہی ہے۔ مولانا سید سلمان ندوی کی مشہور کتاب ”عرب دہند کے تعلقات“ ص ۲۵۵ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتان کا قبیلہ دوسری صدی ہجری میں سندھ (باقی صفحہ ۳۱ پر)

کا دعویٰ خاصاً ذنی ہو جاتا ہے۔

سندھ میں بہاریوں کا عروج و زوال

ابن خلدون نے سندھ میں بہاری حکومت کے قیام کا ذکر اس طرح سے کیا ہے کہ بہار کی اولاد میں سے عمر بن عبدالعزیز نے حاکم سندھ کے قتل ہونے پر ۲۴۰ھ میں المنصورہ پر قبضہ کر لیا۔ تقریباً دو سو برس تک یہ خاندان برسر اقتدار رہا۔ ۱۰۳۰ھ میں جب سلطان محمود غزنوی نے داؤد بن نصر قرمطی کو شکست فاش دے کر قلعہ غور میں نظر بند کیا تو بقیۃ السیف قرمطی یہاں سے بھاگ کر المنصورہ پہنچے اور اچانک اس پر قابض ہو گئے۔ بہاری خاندان اس وقت بہت کمزور ہو چکا تھا۔ قرمطیوں سے شکست کھا کر اس کے افراد تتر بتر ہو گئے۔

قول فیصل

اس طویل بحث کا ما حاصل یہ ہے کہ صاحب منبع البرکات کا یہ دعویٰ تو صحیح ہے کہ حضرت شیخ الاسلام کے آباء کرام پہلے خوارزم اور زان بعد کروڑ تشریف لائے اور سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ آنا بھی صحیح۔ مگر براہ غزنی جہاد کرتے ہوئے کروڑ آنا اور سلطان کا انہیں تمام مفتوحہ علاقے کا حاکم مقرر کرنا صحیح نہیں۔ جیسے داستان امیر حمزہ - گل بکاؤلی - فسانہ عجائب - قصہ چہار درویش اور سیف الملوک میں ہمارے داستان گو حضرات نے جولانی طبع سے رائی کا پہاڑ بنا دیا ہے، یہاں بھی وہی کیفیت نظر آتی ہے۔

ابن بطوطہ، فرشتہ، جمالی اور مفتی غلام سرور لاہوری کے بیانات کی روشنی میں صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام کے بزرگوں میں سے تاج الدین المطرف خوارزم آئے اور جب سندھ پر بہاریوں کو اقتدار حاصل ہوا تو تاج الدین المطرف کی اولاد بھی المنصورہ منتقل ہو آئی اور جب

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰ سے آکر آباد ہو گیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد سکھر کے علاقے میں محمد تور نامی قبضہ میں جا بسا اور پھر پانچویں صدی کی ابتداء

میں وہاں سے منتقل ہو کر ملتان چلا آیا۔ (تاریخ سندھ ص ۳۵۸)

ہباریوں پر قرامٹیوں نے غلبہ حاصل کیا تو سلطان محمود غزنوی نے برق و باد کی طرح سندھ پہنچ کر قرامٹیوں کو تباہ و برباد کیا اور شیخ الاسلام کے جدِ بزرگوارہ کمال الدین علی شاہ کو اپنے ہمراہ ملتان لے آئے۔ کچھ عرصہ انہوں نے یہاں قیام کیا اور پھر سلطان کے حکم سے کوٹ کر وڑ میں قضاء کے منصب پر فائز ہوئے۔

کمال الدین علی عرف سلطان علی قاضی کے بعد شیخ جلال الدین اور پھر ان کے صاحبزادے شیخ ابوبکر قضا کے منصب پر فائز ہوئے اور طبعی عمر ختم کرنے کے بعد اسی شہر میں سپردِ خاک ہوئے۔ ان میں سے صرف ایک بزرگ کہتہ ملتان میں دفن ہوئے، جن کا مزار پر انوار مانی پاکدامن کی خانقاہ میں بتایا جاتا ہے۔

مولانا وجیہ الدین محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا وجیہ الدین محمد غوث علیہ الرحمۃ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا قدس سرہ کے والد ماجد اور شیخ ابوبکر علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے تھے۔ آپ نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے والد بزرگوارہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور فقر و ولایت کے مدارج علیاً پر فائز ہوئے۔

حضرت مخدوم سید جلال بخاری قدس سرہ نے مولانا وجیہ الدین محمد غوث علیہ الرحمۃ کا شجرہ بیعت اس طرح سے درج فرمایا ہے :

دو شیخ وجیہ الدین محمد او صحبت داشت با ابوبکر او صحبت داشت با علی او صحبت داشت با محمد او صحبت داشت با حسین او صحبت داشت با شیخ شلی او صحبت داشت با حسن بصری او صحبت داشت با علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ او صحبت داشت با حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم و این سجادہ پیوستہ ہر دو جانبین خاندان شیخنا سلسلہ شیخی داشت۔“

منبع البرکات میں حضرت مولانا وجیہ الدین کی سیر و سیاحت کا حال تفصیل سے درج ہے۔ لیکن دوسرے تمام تذکرے خاموش ہیں۔ نیز حضرت کی شادی کے بارے میں بھی جوہر و ابیت

بعض البرکات میں درج ہے اس کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ بلکہ تمام مورخین نے شد و مد کے ساتھ اس کی تردید کی ہے۔

علامہ العارفين جو اصل میں تین ملفوظات کا مجموعہ ہے، اس کے مؤلف کا علم نہیں کہ کون ہے اس میں اکثر روایتیں دیومالائی نوعیت کی ہیں، جن میں سے ایک مولانا وجمہ الدین محمد خرت کا سیدہ فاطمہ بنت شیخ عیسیٰ کیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے شادی کا منظر و منہ بھی ہے، اس پر تفصیل سے بحث کی ضرورت ہے۔

کیا شیخ عیسیٰ کیلانی صاحب اولاد تھے؟

شیخ عیسیٰ حضرت خورشید تقی سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زاوے ہیں۔ تمام مورخین ان کی بجزیرہ کے قائل ہیں۔ جب انہوں نے شادی ہی نہیں کی تو اولاد کہاں سے آئی؟ چنانچہ حضرت احمد عین سیاہ پوش خلوی زبیرۃ الموالیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”انام مومے، یحییٰ، محمد و عیسیٰ نیست ایثار اولاد و احفاد۔ ہر کہ خورد را از اولاد و احفاد این چہار تن گوید۔ کاؤب است۔ زیرا کہ عبدالجبار، عیسیٰ، محمد، یحییٰ و مومے غیر از نروج و وفات کردند و از ایشان نسل واقع نشد“

علامہ سید سعد اللہ نے بھی اس دعویٰ کی تائید کی ہے، لکھتے ہیں:

”وفات کرد شیخ عیسیٰ در مہر ۳۲۵ھ قبل از نروج و سے را اولاد و احفاد نیست۔ من یقول انام است اولاد و احفاد کہ فہو کذاب عند اللہ و عند سولہ علی اللہ علیہ وسلم“

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں:

”و اتفق اهل الروایات من السلف والخلف والمتاخرین و هكذا و روی جمیع الکتاب ان مات الشیخ عیسیٰ بلا نروج“

معدن الانساب ، خلاصۃ الناظر ، کنز الاسرار ، نزهۃ الخواطر ، بہجتہ الاسرار کا بھی یہی
دعوے ہے ۔

شیخ الاسلام کی والدہ ماجدہ مولانا حسام الدین ترمذی کی صاحبزادی تھیں

تذنیۃ الاصفیاء ، مرآۃ الاسرار ، صدیقۃ الاسرار ، تاریخ ششہ اور سیر العارفین کا بیان ہے
کہ حضرت شیخ الاسلام بہاؤ الدین قدس سرہ کی والدہ ماجدہ بی بی قاطمہ ، مولانا حسام الدین ترمذی کی
صاحبزادی تھیں۔ جو غزنوی قانون کے حلقے کے وقت اپنے وطن سے کوٹ کروڑ تشریف لے آئے
تھے۔ اسی طرح جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا اور حضرت شیخ الکبیر فرید الدین
مسعود گنج شکر خالہ زاد بھائی تھے ، اس میں بھی کوئی صداقت نہیں۔ تذنیۃ الاصفیاء میں مفتی غلام سرور
لاہوری لکھتے ہیں :

« شیخ وجیہ الدین محمد غوث کہ بہمالاست ظاہری و باطنی آراستہ بود ، بدختر مولانا
حسام الدین ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہ در قلعہ کوٹ کروڑ سکونت داشت کہ
خدا شد »

اسی طرح حضرت شیخ الکبیر خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد کی شادی
کا ذکر اس طرح سے درج ہے :

« حضرت جمال الدین سلیمان (والد ماجد حضرت گنج شکر) بادختر ملا وجیہ الدین
نجدی کہ قوسم خاتون نام درشت متاہل شد و از بطن عفت وے سنہ سیر والاکوہر
بو جود آمدند۔ یکے از الدین محمود ، دوم فرید الدین مسعود و سیوم نجیب الدین متوکل
رحمہم اللہ علیہم اجمعین »

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ ان بیبیوں کا آپس میں کوئی رشتہ نہ تھا اور نہ ہی حضرت
شیخ الاسلام زکریا اور حضرت گنج شکر آپس میں خالہ زاد بھائی تھے ۔

شیخ الاسلام کے آباء کرام اور کوٹ کروڑ کی حکومت

جیسا کہ ہم پہلے کہ چکے ہیں، صاحب منبع البرکات اور دوسرے غیر مصدقہ راویان کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت شیخ الاسلام کے آباء کرام کو کوٹ کروڑ پر حاکمانہ اقتدار حاصل تھا، صحیح نہیں۔ سلطان لٹمس کے زمانے میں ”آداب الحرب والشجاعہ“ کے نام سے ایک کتاب مدون کی گئی تھی۔ مصنف کتاب نے لکھا ہے کہ سلطان ابراہیم غزنوی کی طرف سے میرے پردادا کو اُچ، ملتان، کہوڑ اور بنوں تا غزنی کا انتظام سپرد تھا۔ اس کی تخت نشینی کا سنہ ۴۵۵ھ ہے اور حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا علیہ الرحمۃ کا سن ولادت بالاتفاق ۵۶۶ھ ہے۔ یعنی آپ کی ولادت سے ۱۱۱ سال قبل تک آپ کے بزرگوں میں سے کوئی کوٹ کروڑ کا مطلق العنان فرما تر و انہیں تھا اور اس سے پہلے کا بھی اس لیے امکان نہیں ہے کہ سلطان ابراہیم کا شمار خدائیس اور فقیر دوست سلاطین میں ہوتا ہے۔ مولانا ذکا اللہ لکھتے ہیں :

”یہ بادشاہ بڑا عابد، متقی اور زاہد تھا۔ باوجود عنفوان شباب کے کل ممنوعات شرعی سے دست کش تھا۔ لذات نفسانی کو ترک کر کے رجب و شعبان کو رمضان کے ساتھ ملا کر سال بھر میں تین مہینے کے روزے لکھتا تھا اور رعیت پروری میں کوشاں رہتا تھا۔“

ایسے عادل باذل اور خدادست فرمانروا سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ بلاوجہ کسی صوبہ دار کو معزول کرے۔ اگر شیخ الاسلام کے خاندان کے پاس کوٹ کروڑ کی حکومت ہوتی، تو وہ لازماً انہیں اپنے منصب پر بحال رکھتا۔

صحیح یہ ہے کہ مولانا وجیہ الدین محمد غوث بھی اپنے آباء کرام کی طرح کوٹ کروڑ کے قاضی تھے۔ جب ان کا وقت آخر قریب آیا تو انہوں نے قضا کا منصب اپنے بھائی شیخ احمد غوث کے سپرد کر دیا تھا۔

شیخ حسن دیپال پوری کے مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت گنج شکر علیہ الرحمۃ کے والد بزرگوار حضرت جمال الدین سلیمان کے مرید تھے، حضرت سلطان علی قاضی نے خواب میں آپ کو ان سے رجوع

کرنے کا اشارہ کیا تھا۔

حضرت جمال الدین سلیمان قصبہ کوٹھوال کے قاضی تھے۔ یہ مقام ملتان سے بارہ میل جانب شرق بدھلہ سنت روڈ پر واقع ہے۔ شیخ احمد غوث ایک ہفتہ کی مسافت کے بعد اس قصبہ میں داخل ہوئے اور شیخ سے اپنا نصیب وصول کیا۔ شیخ شرف الدین لاہوری لکھتے ہیں کہ اس کے بعد شیخ احمد غوث نے بقیہ عمر درویشی میں بسر کی۔ اسی زمانے میں قرامطہ نے پھر سر اٹھایا۔

قرامطہ

یہ لوگ عبداللہ میمون ایرانی کے پیروکار تھے۔ جس نے ادیان عالم کو مٹانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اس کے مذہب کا خلاصہ یہ تھا کہ سارے مذاہب بے ہودہ ہیں، دنیا اور عقبی میں نیک اعمال کی جزا ہے نہ بد اعمال کی سزا۔ احمد قرامطہ اسی عبداللہ کا مرید تھا۔ اس نے وحشی اقوام کو جو عقل سے عاری اور مذہب سے بیگانہ تھے، اپنے دین کی طرف بلایا اور اعلان کیا:

- ۱۔ نماز کی صرف چار رکعتیں ہیں۔ طلوع شمس اور غروب شمس سے پہلے دو دو رکعت ادا کی جائیں۔

۲۔ بجائے بیت اللہ کے بیت المقدس کو منہ کر کے نماز ادا کی جائے۔

۳۔ سال بھر میں روزے صرف دو ہیں، مہرجان اور نیمروز کے دن۔

۴۔ شراب حرام، خمر حلال ہے۔

۵۔ جنابت سے غسل کرنا ضروری نہیں۔

۶۔ جس جانور کے کچلی اور دانت ہوں، ان کا کھانا درست ہے۔

۱۰۔ آپ نے خواب میں فرمایا: اے فرزند! درمخاطبہ دنیا اوقات عمر چرا صرف نے تمہاری بغیر علم لدنی ہمہ بے جا است

ونصیب شما از خدمت جمال الدین سلیمان از حضرت حدیث مقرر است و در قصبہ کوٹھوال سکونت دار تہذیب برو خدمت

ایشان عرفانی دار۔ ہر چہ نصیب است بتو خواہد رسید (مکاتیب شیخ حسن ویسا پوری قلمی ص ۲۵)

۱۱۔ شیخ احمد غوث بقیہ عمر درویشی گزارید (منبع البرکات حقانی قلمی ص ۲۷)

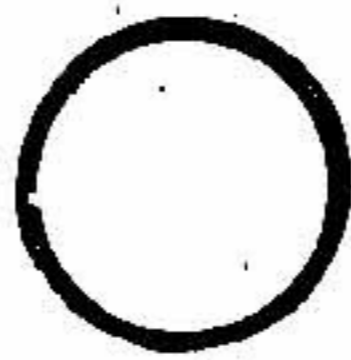
۷۔ جمعہ کی جگہ اتوار یوم التبت ہے۔

اس فرقہ نے ۲۹ھ میں شام پر ہولناک حملہ کیا۔ ۳۱ھ میں بصرہ اور کوفہ لوٹا اور ابوظہر کو اپنا پیشوا بنا کر ۳۱۹ھ میں مکہ مکرمہ پر قبضہ کر لیا۔ بے شمار مسلمان قتل ہوئے۔ حجر اسود اکھاڑے گئے اور بیس برس تک اُسے اپنے قبضے میں رکھا۔

ابوریحان بیرونی کے بیان کے بموجب قرامطہ گھٹا کی طرح وادی سندھ پر چھا گئے تھے اور انہوں نے ی ملتان پہنچ کر بڑے بُت (سورج مندر) کو توڑا تھا۔

مولانا ذکاء اللہ اس فرقہ کے ناشائستہ اعمال کا ذکر کرنے کے بعد حل کر لکھتے ہیں :

” محمود غزنوی نے اس فرقے کا ملتان سے مُنہ کالا کیا، مگر وہ یہاں سے بالکل خارج نہیں ہوئے تھے۔ دیہات میں ان کا ہمہ گیر اثر موجود تھا۔ جگہ جگہ اُن کے نقیب اور داعی مقرر تھے، جو لوگوں میں کفر اور الحاد کا پرچار کرتے پھرتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ سلاطین غزنوی کمزور ہو چکے تھے اور کوٹ کوٹ کی ریاست بھی اتنی مضبوط نہ تھی کہ وہ اس سیلاب کا مقابلہ کر سکتی۔ مسلمان بالکل اقلیت میں تھے، ان ملحدوں نے اُن پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ وہ بے چارے خانہ بدوشی کی حالت میں مارے مارے پھرتے تھے، لیکن انہیں کہیں امان نہ ملتی تھی۔“





قدرت کا ازل سے یہ اصول چلا آیا ہے کہ جب کوئی چیز منتہائے کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اسی وقت سے اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ کئی بار ہمارے مشاہدے میں آیا ہے کہ جب گرمی شدت اختیار کر لیتی ہے اور جس سے خلقِ خدا کا دم گھٹنے لگتا ہے تو اس وقت رحمتِ کاملہ ایک لکڑی کی صورت میں نمودار ہوتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایسی بارش ہوتی ہے کہ ہر طرف پانی ہی پانی دکھائی دینے لگتا ہے۔ نیز اسی طرح خزاں کے موسم میں جب درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں اور چمن کی سُن و خوبی برباد ہو جاتی ہے تو بادِ بہاری نو جوانانِ چمن کے لیے ”حیاتِ نو“ کا پیغام لے کر آتی ہے۔ نا طورہٴ عالم کے کونے کونے میں زندگی کی ایک نئی رُوح دوڑ جاتی ہے۔ سبزہ ”سطحِ ارضی“ پر از سر نو مخملی فرش بچھا دیتا ہے، کھلائے ہوئے پودے پھر پھر ابھرا لباس پہن لیتے ہیں اور ڈالی ڈالی پر کلیاں رقص کرنے لگتی ہیں۔

ٹھیک اسی طرح جب شمال مغربی ہند کا گوشہ گوشہ کفر و الحاد کی گھٹاؤں سے تیرہ و تار ہو گیا۔ تو قدرت نے مولانا وجیہ الدین محمد غوثؒ کے مشکوئے معلیٰ سے ایک ایسے ”گلِ سرسبز“ کو پیدا کیا جس سے ریح مسکون کا چپہ چپہ معطر ہو گیا۔ اس فردِ کامل نے نصف صدی کے عرصے میں اس سرزمین کو نہ صرف قرامط کے اثرات سے پاک کیا، بلکہ لاکھوں ہرکس اور تند مزاج کافروں کو نورِ ایمان سے مالا مال کر کے مسلمانوں کی ”اقلیت“ کو اکثریت میں بدل دیا اور وہ لاکھوں خون آشام تلواریں جو سالہا سال تک غزنی کے مجاہدوں سے ٹکراتی رہی تھیں، اسلام کی محافظ بن گئیں۔

۱۔ یعنی جن اکثریت کی بنا پر پاکستان معرضِ وجود میں آیا ہے۔ یہ حضرت شیخ الاسلام کی شرمندہ احسان ہے۔

۵۔ اُن دل کہ رم نمودے از خوبر و جواناں

دیرینہ سال پیرے بردش بیک نگاہے

سید جلال بخاری نور اللہ مرقدہ نے حضرت کی ولادت کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے:
 دو مولد شیخنا و مخدومنا شیخ بہاؤ الحق و الشرع و الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ السابع
 و العشرین من شہر رمضان المبارک فی لیلۃ القدر وقت الصبح لیلۃ الجمعہ فی تاریخ الحجریۃ
 المصطفویۃ المکتۃ المدینہ ست و ستین و خمس نائیتہ در خطہ کوٹ کہوڑ و لایت
 دیپال است۔“

یعنی میرے پیر طریقت حضرت بہاؤ الحق و الدین ابو محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ ۲۷ رمضان المبارک
 ۵۶۶ھ کو پیدا ہوئے تھے۔ لیلۃ القدر، شب جمعہ، ماہ صیام اور طلوع سحر کا وقت۔
 سبحان اللہ! مولود مسعود کے وقت تمام برکتیں جمع ہو گئیں۔ ایک مورخ نے حضرت کی ولادت
 باسعادت کی یہ تاریخ لکھی ہے۔

بتاریخ تولد غوث عالم

در از بحر قندم آمد بعالم

۵۶۶ھ

حضرت مادر زاد ولی تھے۔ چونکہ رمضان کے ایام تھے۔ اس لیے جب تک شوال کا چاند نظر
 نہ آیا۔ حضرت نے دودھ نہ پیا۔

”و بعد از ونہ مکید شیر از پستان مادر تا روز عید شد“

(مخدوم بخاری)

مصنفِ علام نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ قرآن مجید پڑھنے بیٹھے
 تو یہ نور مولود دودھ پینا چھوڑ دیتا اور اس طرح سے حضرت کی طرف متوجہ ہو جاتا۔ گویا قرآن سن
 رہا ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر ماں باپ خوشی سے بھولے نہ سماتے تھے۔ ایک ارادت مند نے

۶۔ وہ دل جسے خوبر و جوان اپنی طرف مائل نہ کر سکے تھے، ایک دیرینہ سال پیر مرد نے اسے ایک نظر میں لوٹ لیا۔

اس صورتِ حال کو یوں موزوں کیا ہے ۔

جب کہ قرآن پڑھتے تھے والد تیرے
کان تھے تیرے بھی بس اُس پر لگے

ذوق تھا تجھ کو بہت قرآن کا
شوق تھا تجھ کو بہت رحمان کا

ولادت مخدوم رشید حقانیؒ

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت کو تین سال گزرے تھے کہ اسی خالوادہ کے مطلع پر شریعت و طریقت کے ایک اور آفتاب نے طلوع کیا۔ یعنی شیخ احمد غوثؒ کے مشکوئے معلیٰ میں حضرت مخدوم عبدالرشید تولد ہوئے۔ ان کے بعد رب تعالیٰ نے آپ کو مزید پانچ فرزند ارجمند عطا کئے۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

شیخ عبدالرحمانؒ ، شیخ طاہرؒ ، شیخ سادھنؒ ، شیخ موسیٰ (نواب) شیخ راول دریا اور ایک صاحب زادی رشید خاتونؒ۔

ابھی حضرت بہت چھوٹے ہی تھے کہ شیخ
حضرت شیخ الاسلامؒ کی تعلیم و تربیت | محمد غوثؒ نے آپ کو مولانا نصیر الدین بلخیؒ
کے پاس پڑھنے بٹھایا۔ آپ کی طبع رسا اور ذہانتِ خداداد کا یہ عالم تھا کہ سات سال کی عمر
میں قرآن شریف ہفت قرأت کے ساتھ حفظ کیا۔ اس کے بعد درسی کتب کی طرف متوجہ ہوئے
اور ابھی صرف و نحو کی بحث ہی میں تھے کہ ”النسراج صدر“ ہو گیا۔ ۱۷۵۵ھ میں شیخ محمد غوثؒ نے
سفرِ آخرت اختیار کیا۔ عم بزرگوار شیخ احمد غوثؒ نے دستار سر پر بندھوا آپ کو آباء و اجداد کی

۱۷ حضرت شیخ الاسلامؒ کے والد ماجد حضرت مولانا وجیہ الدین محمد غوثؒ اور جد بزرگوار حضرت مولانا کمال الدین ابوبکر کے
(باقی صفحہ ۴۲ پر)

مسند پر لا بٹھایا۔ علماء، مشائخ اور زمینداران نے حاضر ہو کر مراسم تعزیت ادا کیں۔ خدمِ چشم نوکر چاکر سلام کو حاضر ہوئے۔ خزانہ کے محافظ نے موجودات کا جائزہ لینے کی درخواست کی۔ آپ نے ابدیدہ ہو کر بچا جان سے عرض کی :

(بقیہ حاشیہ) مزارات ملتان میں بیان کئے جاتے ہیں۔ مفتی غلام سرور صاحب خزینۃ الاصفیاء میں لکھتے ہیں :

» مزارات پدر و جد بزرگوار شیخ الاسلام صم درملتان در مزارات پیران تتری واقع اند و نیز بہال مقام دلازم مزار پُرانوار بی بی راستی والدہ ماجدہ شیخ رکن الدین الباقی واقع است از مقام سینہ مزار جد بزرگوار شیخ الاسلام درختے پیدا شدہ بود ہر برگ آں درخت اسم مبارک اللہ از غیب نوسختہ بود۔ تا مدت مدید خلق خدا ازاں درخت فائدہ بے انتہا برداشت۔ بہر بہادے و مجونے کہ برگ ہائے آں درخت سے خواہند شفا یافت۔ آخر روزے شخصے بحالت جنابت یاں درخت رسید و برگ درخت جدا کرد و بخورد۔ ازاں روز درخت خشک شد و باز برگ نیاورد۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۳۵)

مولانا جمالی رحمۃ اللہ علیہ کا مشاہدہ | یہ بزرگ شیخ سہاء الحق سہروردی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ حج پر جا رہے تھے، دادا پیر کے مزار نورباہ پر حاضری دینے کے لیے ملتان رک گئے۔ ان دنوں شیخ صدر الدین شہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین تھے۔ وہ جب دہلی تشریف لے گئے تھے تو مولانا جمالی سے بڑا ارتباط اور میل جول رہا۔ اس لیے جب یہ حاضر ہوئے تو حضرت بہت خوش ہوئے اور اسی حجرہ خاص میں کہ جہاں حضرت شیخ الاسلام معروف عبادت دہا کرتے تھے، انہیں رہنے کی اجازت دی اور یہیں کھانا منگو کر بیجا تناول کرتے تھے۔ مولانا جمالی لکھتے ہیں کہ میں نے اس حجرہ پاک میں چلم پورا کیا اور زیارت شیخ الاسلام سے مستفیض ہوا۔ اس کے بعد روضہ مبارکہ حضرت رکن العالم پر اقامت اختیار کی۔ حضرت سجادہ نشین ازراہ درویش نوازی یہاں بھی تشریف لاتے تھے۔ اس جگہ ایک باخدا درویش سے تعارف ہوا۔ یہ عولم میں کمال الدین اچھی کے نام سے مشہور تھے۔ بڑی عمر کے تھے اور اسی خاندان سے نسبت رکھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا :

» مزار جد بزرگوار حضرت سلطان المشائخ بہاؤ اللہ والدین زکریا قدس سرہ در مزارات پیران تریست کہ درملتان واقع است و خطیرہ بی بی راستی ہمدراں مزار است و در ایجا گورے است کہنہ و بر سینہ آں درخت برگد واقع است و بر شاخ اولفظ اللہ برآمدہ است۔ چنانچہ این حقیرانہ پیر دستگیر استماع داشت کہ در مزارات پیران تتری بر سر مزار سے درخت برگد است کہ برتنا و شاخہ اولفظ (باقی صفحہ ۴۳ پر)

”و آپ بمنزلہ والد کے ہیں، یہ تمام کارخانہ آپ سنبھالیں، میرے پڑھنے کے دن ہیں مجھے اطمینان سے تحصیل علم کا موقع عنایت فرمائیں۔“

حضرت احمد غوثؒ کی تو خواہش ہی یہی تھی۔ انہوں نے بڑے بڑے متورع اور منہتی علماء کوٹ کر وٹ میں جمع کر دیئے۔ جن سے آپ اکتساب فیض کرتے رہے۔ کچھ عرصہ آپ نے ملتان میں گزارا اور یہاں کے علماء اور مشائخ کے آگے زانوئے تلمذتہ کیا۔ مرور زمانہ نے ان حضرات کا کوئی نشان باقی نہ رکھا۔ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ خوش نصیب اساتذہ کون تھے؟ اور کہاں جا کر پیوندِ خاک بنے؟

محلہ کٹہہ (ملتان) کے اندر ایک مسجد کے جنوبی حجرہ میں مولانا عبدالرشید کرمائی رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ زیارت گہ خلایق ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ بزرگوار حضرت شیخ الاسلامؒ کے استاد تھے۔

طلب علم میں بخارا کا سفر | بہر حال جب یہاں کے علماء سے استفادہ کر لیا تو پھر خراسان کا رخ کیا۔ کیونکہ ان دنوں وہاں کی درس گاہوں کا بڑا چرچا تھا۔ ایک قافلے کے ہمراہ وہاں پہنچے اور سات برس تک علماء اور مشائخ سے علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کرتے رہے۔ یہاں سے بخارا آئے اور کئی سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ آپ کے اکتساب علم کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے ایک استاد کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کے سینہ میں جس قدر علم ہوتا، دو تین دن میں اس کا مکاشفہ کر لیتے۔ پھر دوسرے استاد کے ہاں پہنچتے اور جس قدر علم ان کی وسعت امکان میں ہوتا، اس کا کشف کر لیتے۔ اسی طرح ایسے چار سو چوالیس (۴۴۳) بالکمال اساتذہ کے آگے زانوئے تلمذتہ کر کے سندِ فضیلت حاصل کی۔ جو علم و فضل اور زہد و ورع

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲ سے) ”اللہ“ برآمدہ است۔“

آگے چل کر لکھتے ہیں :-

”و چون این حقیر در ملتان رسید۔ از مردمان حالات آن درخت بر پرسید۔ و معائنہ نمود۔ فی الواقع ہچنان بود“

حضرت مولانا کمال الدین اُچیؒ لکھتے کہ ”آن مزار جد بزرگوار حضرت شیخ الاسلام بہاء الملتہ والدین است کہ در

سینہ او این درخت برآمدہ است۔ (سیر العارفین تلمی از مولانا جامی، ص ۲۱)

کے لحاظ سے یگانہ روزگار تھے۔

صاحب خلاصۃ العارفین لکھتے ہیں :

دو علم ظاہر بخدمت چندیں اساتذہ باین طریق خواندہ اند کہ یک استاذ را ہر قدرے علم کہ در سینہ او بودے یک یا دو سہ روز بتائید الہی مکاشفہ کردے باز پیش دیگرے خواندے و ہر قدرے علم کہ در وسع امکان او بودے۔ در دو سہ روز در کس نے کردے۔ وہمہ علم را کشف مے نمودے۔ تاہم چنین بخدمت چہار صد و چہار و چہل اساتذہ ذالوئے تلمذتہ کردہ سند فضیلت حاصل کردند۔“

تحصیل علم کے دوران میں آپ کے پاس دو ہزار سے زیادہ علمی کتب جمع ہو گئی تھیں۔ اس زمانہ میں جبکہ طباعت کا یہ انتظام نہیں تھا، دو ہزار کتب کو ایک بہت بڑا علمی خزانہ کہا جا سکتا ہے۔ مؤلف تذکرہ اولیائے کرام، کا بیان ہے کہ حضرت نے بخارا میں آٹھ برس قیام فرمایا اور یہاں کے لوگ آپ کے خصائل حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ آپ کو ”بہاء الدین فرشتہ“ کہنے لگے۔ صاحب خزینۃ الاسرار کے الفاظ یہ ہیں :-

”در خراسان و بخارا شہرے عظیم یافتند کہ اہل آسجا ایشاں را بہاء الدین فرشتہ می گفتند۔“

حضرت شیخ الاسلام خراسان اور بخارا کی تمام درس گاہوں سے عبادت و ریاضت استفادہ کرنے کے بعد تزکیہ نفس میں معروف ہوئے اور بیس سال تک لگاتار اس قدر سخت مجاہدہ کیا کہ اس کی تفصیلات پڑھنے سے حیرت ہوتی ہے۔ صاحب خلاصۃ العارفین لکھتے ہیں :

”و ایک مرتبہ کسی نے حضرت شیخ الاسلام رحمت اللہ علیہ سے عرض کی کہ اپنے مجاہدہ کا کوئی واقعہ بیان فرمائیے۔ آپ نے فرمایا : اپنے مجاہدہ اور ریاضت کی کیفیت بیان کرنا مناسب نہیں کہ اس سے غرور کا اظہار ہوتا ہے اور طالب کو خوف ہوتا ہے کہ کہیں اس کی محنت برباد نہ ہو جائے۔ مگر پھر بھی آپ کی خاطر اتنا ظاہر کرنے میں تامل نہیں کرتا کہ یہ فقیر بیس سال تک ایک چھٹانک پانی اور ایک چھٹانک طعام پر

روزہ افطار کرتا رہا ہے اور یہ ایک ایسا ادنیٰ مجاہدہ ہے کہ جسے ہر مبتدی طبیعت پر غلبہ پانے کے لیے
بآسانی کھوسکتا ہے۔ اس کے بعد حج کی نیت سے ارض پاک کو روانہ ہوا۔

حال ہی میں خلاصۃ العارفین کا ایک نسخہ تصحیح کر وہ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی صاحبہ سامنے آیا، جس
میں مجاہدہ کی عبارت حسب ذیل ہے :-

دو بعد ازاں وہ سال مجاہدہ مروانہ کشیدم کہ ہر شیشی یک یا دو گاؤ فرہ بہ بجز پوست
اور سخوان و خون سرگین و یک غرور میدہ و یک من روغن درون کردہ و خوردم و وہ
سال حاجت انسانی تقاضا نہ بردم۔ ہر چہ خوردم ہمہ در تنوز کردم، ہمہ سوختہ شد چنانکہ در
تنور ہمیزم سوختہ خاکستر شود و هیچ اثر نماند، پچتاں بودم ہر کہ با آتش محبت سوختہ باشد
پیدا نگرود اورا، مگر استعانت عبادت، اول مجاہدہ خوردنی نوراست و آن نور از حضور
است کہ نہ از پیش و نہ از پس تقاضا افتد۔ وضو احتیاطی می کردم، لازم حاجت انسانی
نداشتم۔ و این مجاہدہ کینہ پیش شام بیان کردم و بزرگ از آن دیگر اند کہ از گفتن آن
شنوندگان را حیرت آید۔ بعد از آن مسافر شدم بہ نیت زیارت کعبۃ اللہ و پھر گامے کہ
شکرانہ گزار وہ دیگر گام طاہر نہادم ۱۱

مجاہدہ کی یہ عبارت درج ذیل وجوہ کی بناء پر ناقابل اعتبار ہے :

۱۔ سر شیشی یک یا دو گاؤ فرہ بہ بجز پوست و اسخوان و خون سرگین۔ خوردم

۲۔ دو کی جگہ اگر ایک گائے ہی فرض کر لی جائے تو دس سال میں :

گائیں ۶۰۰۰ میدہ ۶۰۰۰ غرور (ڈبیر) گھی ۶۰۰۰ من

۱۱ مجاہدہ خود بزبان خود بیان کردن نشاید اما مجاہدہ کیتہ مبتدیانہ پیش تو بیان کنم کہ این فقیر بیست
سال تمام بہ یک درم آب و بہ یک درم طعام روزہ افطار کرد۔ بعد ازاں مسافر شدم بہ نیت زیارت کعبۃ اللہ
روانہ شدم (خلاصۃ العارفین ص ۳۰)

۱۲ خلاصۃ العارفین قلمی بخط مولانا ضیاء الدین محرزہ ۹ ذی الحج ۱۳۰۳ھ ص ۳۱۔

اور اگر من سے مراد آدھ سیر لی جائے تو دس سال میں شیخ الاسلامؒ نے ۵۴ من خالص گھی کھایا۔ چونکہ یہ انتہائی مبالغہ آرائی ہے اور صوفیائے کرام کے مجاہدات و ریاضت کے خلاف ہے۔ اس لیے ہم اس مجاہدہ کی نفی کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ ہمارے پاس خلاصۃ العارفين کا جو نسخہ ہے اس میں یہ سطور نہیں ہیں۔

اس کے بعد دوسرا مجاہدہ ہر قدم پر دو گانہ ادا کرتا ہے۔ ذرا غور تو فرمائیے یہ کیسے واجب العمل ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص ملتان سے ارض پاک کی طرف اس ہیئت سے روانہ ہو، ایک دن میں ایک میل بمشکل سفر کر سکے گا۔ پھر راستے میں ندی تالے اور دریا بھی آتے ہیں۔ باغات اور محلات بھی۔ کوچے تنگ اور غلیظ بھی ہو سکتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ایسا پروگرام بنا کر گھر سے چلے تو ایک دنیا تماشاً دیکھنے کے لیے جمع ہو جائے۔ اگر حضرت شیخ الاسلامؒ اس ہیئت سے ارض پاک کے سفر پر روانہ ہوتے تو ہزاروں مرید آپ کے ساتھ چل پڑتے اور سب آپ کی اقتداء میں قدم قدم پر سجدہ کرتے اور ایک شہر سے گزرتے، گزرتے کئی دن لگ جاتے۔

خلفائے راشدین، ائمہ معصومین اور اولیائے کاملین نے مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کا جو سفر کیا ہے، اس میں انہوں نے یہ التزام رکھا کہ جہاں حضرت رسالتؐ قیام فرمایا کرتے تھے، وہیں انہوں نے شب بسر کی اور جہاں آنحضرتؐ نے نمازیں ادا کی تھیں، وہیں نمازیں پڑھیں۔ مگر کسی تاریخ میں یہ نظر سے نہیں گزرا کہ کسی بزرگ نے قدم قدم پر دو گانہ ادا کرنے کا پروگرام بنایا ہو۔ البتہ قدم قدم پر دل نے سجدہ کیا ہو تو اور بات ہے۔

ایک موقع پر حضرت شیخ الاسلامؒ نے مجاہدات کی جو تعریف کی ہے۔ اس سے مجاہدہ کی تعریف صاف پتہ چلتا ہے کہ ہر شب دو گاو خوردن و یک خوردن دروں کردن کی

گپ بے اصل ہے۔

کسی موقع پر ایک مقرب نے دست بستہ عرض کی، حضور مجاہدہ کی تعریف کیا ہے؟

فرمایا:

”مجاہدہ اس است کہ ہر چہ نفس آرزو کند تا بسیت سال آن آرزو بدو نرساند“
یعنی نفس جس چیز کی آرزو کرے، بیس سال تک وہ خواہش پوری نہ کی جائے۔
اس کے بعد فرمایا :-

”میں نے جو ابتدائی مجاہدے کا ذکر کیا ہے یہ میرے نزدیک کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ یہ تو محض ابتدائی صورت ہے ورنہ مردانِ خدا تو ستر سال تک نفس کو آب و طعام کے نزدیک نہیں پھٹکنے دیتے اور اسے شبانہ روز عبادت و اطاعتِ الہی میں مقید رکھتے ہیں۔ البتہ یہ مجاہدہ کی صحیح تعریف ہو سکتی ہے“

بیز فرمایا :-

”میں نے یہ مشقت اور ریاضت ربّ کعبہ کی محبت اور رضا جوئی کے لیے کی۔ یہاں تک کہ ارضِ مقدس میں جا پہنچا۔ حج کیا اور عرفات کی پہاڑی پر حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ نے تین سال کامل اپنی خدمت میں رہنے کا شرف بخشا۔ خداوند کریم کے فضل و احسان سے اس دوران ہی میں نے بڑا فیضان حاصل کیا۔ اس کے بعد جدید احرام باندھ کر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضر ہوا پانچ سال یہاں رہ کر حضرت کے قدموں کی خاک پاک کی برکت سے انوارِ الہی کا ظاہری اور باطنی مشاہدہ کیا۔

مولانا جامی کا بیان | مولانا جامی لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام نے پانچ سال کامل جواری رسول میں بسر کئے۔ ان دنوں مولانا کمال الدین محمد یمنی جو اپنے عہد کے بہت بڑے محدث تھے، حرمِ نبوی میں حدیث شریف کا درس دیا کرتے تھے، حضرت ان کے حلقہ درس میں شریک ہو گئے اور ان کے زانو سے زانو جوڑ کر حدیث کا درس لیتے رہے۔ ہر سال حج کے موقع پر مولانا کے ہمراہ مکہ مکرمہ تشریف لے جاتے اور حج کے بعد واپس لوٹ آتے۔ جب حضرت شیخ الاسلام نے حدیث شریف کا تمام علم ازبر کر لیا تو زمانے کی رسم کے مطابق مولانا سے حدیث پڑھانے کی سند حاصل

کی اور ان سے مرخص ہو کر بیت المقدس کو روانہ ہوئے۔

مدینہ منورہ کے قیام کے دوران حضرت شیخ الاسلام حرم شریف میں قبہ مبارک کے دائیں جانب ایک خاص مقام پر معتکف رہا کرتے تھے جو بعد میں آپ سے منسوب ہو کر رہ گیا۔ چنانچہ مولانا جمالیؒ جب مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو انہوں نے بھی اسی مقام کو عبادت و اطاعت کے لیے پسند کیا۔ فرماتے ہیں :-

”و این احقر الانام کہ در ایں ایام در حرم رسول صلی اللہ علیہ وسلم بود۔ بدان موضع مشغول شدے، دے ماندے و فیض بردے“

اردھاء سے مقابلہ تمام مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مدینہ منورہ سے شیخ الاسلام بیت المقدس تشریف لے گئے۔ یہاں کچھ عرصہ رہ کر انبیاء علیہم السلام کے مقابر کی زیارت کی۔ اس کے بعد دمشق پہنچے۔ یہاں شہر کے باہر ایک ٹوٹ ناک اردھاء ہوتا تھا جو بے شمار آدمیوں کو ہلاک کر چکا تھا۔ ایک مرتبہ آپ بھی وہاں سے گزرے۔ اردھاء آپ کو دیکھ کر بھینکا دیا، ہوا باہر نکلا۔ جب قریب آیا، حضرت نے اپنی چادر اُس پر دے ماری۔ اردھاء مر گیا اور حضور آگے بڑھ گئے۔ اس افعی نے بے شمار آدمیوں کی جان لے لی تھی۔ جب یہ خبر شہر میں پہنچی تو لوگ جو ق در جو ق زیارت کو حاضر ہوئے۔ پانچ سال تک دمشق کے علماء اور مشائخ آپ کے آگے زانوئے ادب تہ کر کے استغاثہ کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ نے سمرقند کا رخ کیا۔

ایک خدا یاد درویش سے ملاقات یہاں ایک باخدا درویش کا بڑا چرچا ہو رہا تھا، آپ مرشد کی تلاش میں ملک ملک کا دورہ

کرتے پھرتے تھے۔ جب لوگوں سے اُس کی شہرت سُنی تو طویل سفر طے کرنے کے بعد اس خدا دوست بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان پر استغراق کا عالم طاری تھا۔ آپ ایک عرصے تک لگاتار اُن کے پاس جاتے رہے۔ لیکن وہ متوجہ نہ ہوئے۔ دو برس کے بعد وہ بزرگ ہوش میں آئے۔ آپ پر نظر ڈالی۔ حضرت شیخ الاسلام اسی ساعت کے منتظر تھے۔ بڑھ کر قدم بوس ہوئے۔ فرمایا :

۱۔ سیر العارفین، قلمی - ص ۲۳ ۲۔ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی، احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، ص ۱۵۳

”آپ کا آنا مبارک ہو، آپ نے بڑی تکلیف اٹھائی، مگر ہاں! درویشوں کی خدمت سے دونوں جہان کی مُرادیں ملتی ہیں۔“

”بہاء الدین، سُن! تیس سال ہو چکے ہیں کہ یہ فقیر بحر تجلیات میں مستغرق ہے اور آنے جانے والوں سے بے خبر۔ آج دوست کا حکم ہوا ہے کہ آپ سے ہم کلام ہو کہ اپنی حالت سے آگاہ کروں۔“

اے عزیز! درویش کے لیے مخلوق کی صحبت سے بڑھ کر اور کوئی چیز زیادہ مُضر نہیں

کیونکہ وہ جس قدر خلقت سے نزدیک ہوتا ہے، اسی قدر خالق سے دُور ہو جاتا ہے۔“

یہ کہہ کر اپنا مصلیٰ اور مٹھی بھر اشرافیاں حضرت کو عنایت کیں اور فرمایا:

”یہ آپ کا زادراہ ہے۔ آپ کو بہت دُور جانا ہے۔ اب تشریف لے جائیے۔“

ابھی یہ فقرہ پوری طرح سے ادا بھی نہ ہوا تھا کہ وہ طالبِ صادق آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

حضرت شیخ الاسلام کے لیے یہ بڑے اضطراب کا زمانہ تھا۔ ساہا سال سے

مُرشد کے حضور میں

مُرشد کی تلاش میں صحرا لوردی کرتے پھرتے تھے۔ دو برس جس امید اور

آرزو میں بسر ہوئے تھے۔ آج اس پر بھی پانی پھر چکا تھا۔ نئی اُمنگ اور نئے ولولوں کے ساتھ ایک

نامعلوم سمت کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ ذوق و شوق کی بے تابی اور نورِ وحدت کی کرنوں کی گدگدی

نے آپ کو کسی ایک مقام پر ٹھہرنے نہ دیا۔

سچے جو یائے حقیقت کی طرح کئی دن اور کئی راتیں لگاتار سرگرم سفر رہے۔ یہاں تک کہ

بخت کی بیداری نے ایک دن آپ کو ادب اور ”ہدیتِ حق“ کے ایسے متبرک مقام پر لاکھڑا

کیا، جہاں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ خالق کونین کی بھولی

بھسکی مخلوق کو نیکی کا راستہ دکھانے میں مصروف تھے۔

حضرت شیخ الاسلام کی محبتس نگاہوں کو شیخ الشیوخ کی ذات میں کچھ ایسے کمالات اور

مکاشفات نظر آئے کہ انہوں نے پہلی ہی نظر میں تاڑ لیا کہ یہی کعبہ مقصود ہے۔ انتہائی ادب و

احترام سے قدموں میں جھک گئے۔ گلوگیر ہو کر عرض کی سے

ما بعشق نونہ امروز گرفتار شدیم

کہ گرفتاری ما با تو ز روز انزل است

شیخ الشیوخ نے حضرت کو اپنے گلے سے لگا لیا۔ شیخ الاسلام دیر تک اس سینہ بے کینہ سے جو انوار الہی کا معدن اور سرچشمہ تھا، چمٹے رہے۔ جب طبیعت کو ذرا سکون ہوا تو ارادت و عقیدت کے ساتھ ہوشمند طالب علم کی طرح روزانو ہویٹھے۔

ہمیں تاریخی طور پر پتہ نہیں چل سکا کہ حضرت شیخ الشیوخ نے حضرت شیخ الاسلام کو حلقہ ارادت میں شامل کرنے کی رسم کیونکر ادا فرمائی؟ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ شیخ نے بغیر کسی مجاہدہ نفس اور عبادت و

۱۔ شجرہ طریقت: کتاب ہذا کے صفحہ ۲ پر سلسلہ سہروردیہ کا شجرہ دیا گیا ہے، یہاں ہم اس کی کچھ وضاحت

کرتے ہیں۔ شیخ سعد الدین الفرغانی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ الاسلام کے پیر بھائی شیخ نجیب الدین علی برغش شیرازی کے نامور مرید ہیں۔ اپنی کتاب "مناہج العباد الی المعاد" میں لکھتے ہیں کہ مریدوں کا مشائخ کی طرف منسوب ہونا تین

طریقوں سے ہوتا ہے۔ ایک تو خرقہ سے، دوم تلقین ذکر سے، سوم صحبت، خدمت اور ادب سیکھنے سے۔ خرقہ

دو ہیں۔ ایک تو خرقہ ارادت ہے اور اس کو سوائے ایک شیخ کے دوسرے سے لینا جائز نہیں۔ دوم خرقہ تبرک ہے اور

اسے تمام مشائخ سے تبرک کے طور پر لینا جائز ہے۔ انہی ارادت کے خرقہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

”میں نے شیخ نجیب الدین علی برغش شیرازی قدس سرہ سے لیا ہے۔ انہوں نے شیخ الشیوخ شہاب الدین سے

سہروردی سے اور انہوں نے اپنے چچا شیخ نجیب الدین سہروردی سے اور انہوں نے اپنے چچا قاضی وجیہ الدین

سے، انہوں نے اپنے باپ ابو محمد عمویہ اور اخی فرج زنجانی سے دو دونوں کا ہاتھ خرقہ پہنانے میں شریک

ہے، ابو محمد عمویہ نے احمد اسود نیوری سے خرقہ پہنا۔ انہوں نے تمشاد نیوری سے، انہوں نے ابو القاسم

جنید سے۔ اخی فرج زنجانی نے ابو عباس ہناوند سے، انہوں نے عبداللہ خلیف شیرازی سے، انہوں نے

شیخ احمد ربیع بغدادی سے انہوں نے جنید سے“

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ علیہ نے خرقہ کی نسبت کو ابو القاسم جنید سے بڑھ کر

آگے ثابت نہیں کیا اور حضرت جنید سے سہرا درو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک کے سلسلہ کو صحبت سے نسبت دی ہے، خرقہ

(باقی صفحہ ۵۱ پر)

ریاضت کے حضور کو مرید کہہ لیا تھا۔ ایک ہی توجہ سے سارے حجاب نظر کے سامنے سے ہٹا دیئے اور ایک ہی آن میں وہ جلوہ نظر آگیا جو ہزاروں برس کی عبادت سے بھی نصیب نہیں ہو سکتا۔ اٹھارہ ہزار عالم بے حجاب دکھائی دینے لگے۔

(لیقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰ سے) سے نہیں۔ لیکن شیخ محمد الدین بغدادی قدس سرہ اپنی کتاب "تحفۃ البرہ" میں لکھتے ہیں :-

وخرقوں کی نسبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تک صحیح حدیث متصل معنی کے ساتھ ثابت ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کو خرقہ پہنایا ہے اور انہوں نے حسن بصریؒ کو، انہوں نے کیس بن زیاد کو، انہوں نے عبدالواحد بن زید کو، انہوں نے ابو یعقوب نمر جوڑیؒ کو، انہوں نے عمرو بن عثمانؒ کی کو، انہوں نے ابو یعقوب طبریؒ کو، انہوں نے ابوالقاسم رمضانؒ کو، انہوں نے ابوالعباس بن ادریسؒ کو، انہوں نے داؤد خادمؒ کو، انہوں نے محمد بن اسماعیلؒ کو، انہوں نے شیخ اسماعیل قمریؒ کو، انہوں نے شیخ نجم الدین کبریؒ کو انہوں نے مزین فقیر یعنی محمد الدین بغدادی کو، بنا بریں خرقوں کی نسبت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر اس کے آگے تلقین کی نسبت کو زیر بحث لاتے ہیں۔ چونکہ شیخ سعد الدین شیخ الشیوخ کے مرید ہیں، اس لیے تلقین

کی کہ اس تفصیل کا اطلاق حضرت شیخ الاسلام پر بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ خود سعد الدین الفرغانی فرماتے ہیں:

و شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی نے اپنے شیخ خرقہ ابو نجیب سہروردی سے ذکر کی تلقین حاصل کی انہوں

نے ابو بکر نساج سے، انہوں نے شیخ ابوالقاسم گرگانی سے، انہوں نے ابو عثمان معرینی سے، انہوں نے ابو علی کاتب

سے، انہوں نے ابو علی زود باری سے، انہوں نے سید الطائفہ جنید قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم سے۔

صاحب خلاصۃ التارخین نے بیعت کی نسبت کو سید الطائفہ جنید بغدادی سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک اس

طرح پہنچایا ہے۔ شیخ جنید بغدادی۔ شیخ سہری سقطی۔

شیخ سہری سقطی نے دو جگہ بیعت کی۔

اول:

” شیخ سہری سقطی، شیخ معرووف کرفی، امام علی موسیٰ رضا، امام موسیٰ کاظم، امام محمد جعفر صادق، امام

محمد باقر، امام زین العابدین، امام حسین، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔

دوم:

شیخ سہری سقطی، شیخ داؤد طائی، شیخ حبیب عمی، شیخ بصری، امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ، (باقی صفحہ ۵۲ پر)

حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ اس وقت شیخ الیون نے جو فرقہ زیب تن کر رکھا تھا، اپنے بدن مبارک سے اتار کر میرے سر پر رکھ دیا۔ اپنا مصلیٰ جس پر حضور عمر بھر مصروف عبادت رہے تھے اور وہ فرقہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضرت شیخ الیون کو اپنے مشائخ کے توسط سے پہنچا تھا، دونوں اس خاکسار کے سپرد فرمائے۔

شیخ کے مُرید جو معرفتِ الہی میں خاص مقام رکھتے تھے اور وہ سب کے عارف اور حسن ازل کے سچے پرستار تھے، شیخ کی اس کرم بخشی پر سخت حیران ہوئے اور کہا:

» بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس سندھی درویش نے ایک رات دن میں تمام دولت و نعمت سمیٹ لی، لیکن ہم لوگ جو سالہا سال سے اس دروازے پر پڑے ریاضت و مجاہدہ کر رہے ہیں، ہم میں سے کسی پر ایسی توجہ نہیں ہوئی۔“

آپ کو جب اس ماجرے کی اطلاع ہوئی تو سب کو بلا کر ایک ایک کبوتر دیا اور فرمایا کہ ”اسے ایسی جگہ ذبح کرو، جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو۔“

سب مرید کبوتر لے کر چلے گئے اور پیرِ طریقت کی ہدایت کے مطابق مقام تلاش کرنے لگے۔ انجام کار کبوتروں کو اپنے اپنے حجروں میں گھس کر ذبح کر لائے، مگر شیخ الاسلام نے ذبح نہ کیا اور اسی طرح زندہ واپس لے آئے۔ سب درویشوں نے کہا کہ یہ سندھی تو کوئی نادان آدمی ہے کہ کبوتر کو بغیر ذبح کے واپس لے آیا ہے۔ آج پیرِ طریقت اس پر ضرور ناراض ہوں گے اور جو نعمت و دولت حاصل کر چکا ہے، سب سلب ہو جائے گی۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵ سے) جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم۔

نسبتِ موروثی: محولہ بالا سلسلوں کے علاوہ حضرت شیخ الاسلام کا آبائی شجرہ طریقت حسبِ ذیل ہے:

حضرت شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین ابو محمد زکریا، آپ نے فرقہ پہن کر سجادہ نشینی اپنے والد بزرگوار مولانا وجیہ الدین محمد عوث سے حاصل کی اور انہی کے مُرید ہوئے، مولانا وجیہ الدین محمد عوث، کمال الدین ابوبکر، جلال الدین علی قاضی، شمس الدین

حسین، عبداللہ، حسین، مطرف، حذیمہ، حازم، تاج الدین المطرف، عبدالرحیم، عبدالرحمان، صبار، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۵ خلاصۃ العارفین ص ۱۳۔ مطبوعہ قومی تاجران کتب، لاہور۔

الغرض سب شیخ الشیوخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا :

» اے بہاء الدین! تو نے کبوتر ذبح کیوں نہیں کیا؟

آپ نے دست بستہ عرض کی :

» قبلہ عالم! حضور نے فرمایا تھا، ایسے مقام پر ذبح کرو، جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو، میں جہاں

گیا، وہیں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر پایا، اس لیے کبوتر کو زندہ واپس لے آیا۔“

شیخ دوسرے درویشوں کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور حضرت شیخ الاسلام کو شاباش دی۔

درویشوں کے شک کو رفع کرنے کی غرض سے معایہ حکم دیا کہ سب چلے جاؤ اور گھاس کا ایک

ایک پشتارہ لے آؤ، تاکہ خانقاہ کے صحن میں بچھایا جائے۔ سب درویش جنگل سے نرم نرم سبز گھاس

کاٹ کر لے آئے۔ لیکن حضرت شیخ الاسلام سوکھی گھاس اٹھالائے۔ حضرت شیخ الشیوخ نے آپ

سے پوچھا :

» تم ہری گھاس کیوں نہیں لاتے؟

آپ نے عرض کی :

» غریب نواز! جنگل میں ہری گھاس کی تو کمی نہیں تھی، لیکن میں جہاں گیا، اُسے

یادِ الہی میں مصروف پایا۔ اس لیے مجھے مناسب معلوم نہ ہوا کہ اسے یادِ الہی سے محروم کر

دوں اور چونکہ خشک گھاس ذکر اللہ سے فارغ تھی، اس لیے اسے کاٹ لایا ہوں۔“

سے اگر چہ آوردند دیگر گاہ تر

یافتند ایشان نہ ہرگز این خبر!

گاہ ترخواست در یادِ خدا

مے کند تسبیح ہر صبح و مسا

یہ جواب سن کر سب درویش شرمندہ ہوئے اور حضرت شیخ الشیوخ نے فرمایا :

» اے دوستو! تم گیلی لکڑی کے مانند تھے، جس پر آگ جلدی اثر نہیں کرتی، لیکن

شیخ بہاء الدین، سوکھی لکڑی کی طرح ہیں کہ عشقِ الہی کی آگ نے انہیں فوراً اپنی

لپیٹ میں لے لیا۔ یعنی سے

ابن سعادت بزورِ بازو نیست تمانہ بخشہ خدائے بخشندہ

دین و دنیا پر قبضہ حضرت شیخ الشیوخ کی خدمت میں آئے چند ہی دن گزرے تھے کہ ایک دن حضرت نے طلب فرمایا۔ ایک کٹا ہوا اناہ حضرت کے ہاتھ میں تھا، دیکر

فرمایا کہ کھا لیجئے۔ جب شیخ الاسلام نے وہ اناہ لیا، تو اس میں سے ایک دانہ گریڑا۔ آپ نے فوراً اٹھا کر منہ میں ڈال لیا۔

شیخ الشیوخ نے فرمایا:

”وہا والدین! یہ دانہ دراصل دنیا تھی۔ میں نے چاہا کہ تم اس کے بھیلے میں نہ پڑو۔ اس لیے عمدًا گرا دیا تھا۔ لیکن تو اٹھا کر کھا گیا۔ اب دین و دنیا دونوں تیرے قبضے میں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اب تم ملتان میں جا کر سکونت اختیار کرو کہ اس ملک کے باشندوں کی ہدایت تمہارے سپرد کی گئی ہے۔“

شیخ جلال تبریزی سید جلال تبریزی کے نام سے ایک بزرگ حضرت شیخ الشیوخ

کے اہستوں پر رہتے تھے۔ عین چار ملاقاتوں میں ارتباط اس

قدر بڑھا کہ وہ بھی آپ کے ہمراہ چلنے کو تیار ہو گئے اور حضرت شیخ الشیوخ سے عرض کی کہ مجھے شیخ بہاء الدین زکریا سے بڑی محبت ہے۔ اگر ارشادِ عالی ہو تو میں بھی ان کے ہمراہ چلا جاؤں۔ حضرت شیخ الشیوخ نے اجازت دے دی اور دنیا ٹے تصوف کے یہ شمس و قمر بغداد سے ملتان کو روانہ ہو گئے۔

عظمت مرشد ان دنوں بخارا کے راستے سے ملتان آنا پڑتا تھا۔ جب یہ بزرگوار سفر طے کر کے نیشاپور پہنچے، تو شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ علماء

و مشائخ سے ملنے کے لیے شہر میں تشریف لے گئے۔ اور حضرت شیخ الاسلام اپنی منزل گاہ میں ہی مصروفِ عبادت رہے۔ ملاقات کے بعد واپس آئے تو حضرت شیخ الاسلام نے ان سے پوچھا کہ آج کی سیر میں کس درویش کو سب سے بہتر پایا؟

فرمایا: ”شیخ فرید الدین عطار کو۔“

پوچھا: ”کیا کیا باتیں ہوئیں؟“

یہ سب کچھ ہے جو کہ
میں نے اپنے دل سے لکھا ہے
میں نے اپنے دل سے لکھا ہے
میں نے اپنے دل سے لکھا ہے

میں نے اپنے دل سے لکھا ہے
میں نے اپنے دل سے لکھا ہے

میں نے اپنے دل سے لکھا ہے
میں نے اپنے دل سے لکھا ہے

میں نے اپنے دل سے لکھا ہے

میں نے اپنے دل سے لکھا ہے

میں نے اپنے دل سے لکھا ہے
میں نے اپنے دل سے لکھا ہے

میں نے اپنے دل سے لکھا ہے

میں نے اپنے دل سے لکھا ہے
میں نے اپنے دل سے لکھا ہے

میں نے اپنے دل سے لکھا ہے
میں نے اپنے دل سے لکھا ہے

میں نے اپنے دل سے لکھا ہے



عرس البلاد ملتان

شیخ الاسلام کی زندگی کا تبلیغی دور

حضرت شیخ الاسلام کی غیر حاضری میں عروس البلاد ملتان اور کوٹ کر وڑنے جو جو انقلابات دیکھے، وہ بجائے خود ایک لمبی داستان ہے۔ ہم تفصیل میں نہیں جاتے۔ مختصر یہ ہے کہ ملتان کے قرامطہ کے اقتدار پر ۱۱۵۶ھ میں محمد غوری کے ہاتھوں کاری ضرب لگ چکی تھی۔ اگر انہیں لاہور کے حاکم خسر و ملک کی حمایت حاصل نہ ہوتی، تو کبھی کے ختم ہو چکے ہوتے۔ لیکن چونکہ ادھر سے برابر شہ مل رہی تھی، اس لیے دیہات میں اُن کا پورا اثر موجود تھا۔ سلطان نے ۱۱۸۰ھ میں لاہور پر بلخاہ کی۔ لیکن خسر و ملک قلعہ بند ہو گیا اور افواج سلطانی ناکام واپس لوٹ گئیں۔

۱۱۸۵ھ میں سلطان پھر پنجاب پر حملہ آور ہوا اور سیالکوٹ پر قبضہ کر کے اس کے قلعہ کی مرمت کرائی۔ ۱۱۸۶ھ میں لاہور پر آخری حملہ ہوا اور سلطان خسر و ملک کو گرفتار کر کے ہمراہ لے گیا۔ ۱۱۸۷ھ میں خسر و اور اس کے تمام خاندان کو سلطان عیاش الدین کے پاس بھیجا دیا۔ اس نے انہیں جرجستان کے قلعہ میں قید کیا اور خوارزم شاہ کے حملے میں سب کو ٹھکانے لگا دیا۔ خسر و آل سبکنگین کا آخری چشم و چراغ تھا۔ دستور کے مطابق اس خاندان کا ستارہ اقبال بھی دو سو سال میں اپنا دورہ پورا کر کے ایسا غروب ہوا کہ پھر نہ ابھرا۔

۱۱۹۹ھ تک سلطان ہندوستان کے راجوں مہاراجوں سے سرگرم پیکار رہا۔ ۱۲۰۰ھ میں خوارزم شاہ پر حملہ کیا، مگر شکست کھائی اور خراسان کی طرف بھاگ نکلا۔ اس کا ایک غلام ایک نامی ہمراہ تھا۔ اس نے سمجھا کہ سلطان مارا گیا۔ اُسے سندھ کی حکومت کا خیال پیدا ہوا۔ اُس نے بادشاہ کے مرنے کی افواہ ہر طرف پھیلا دی اور خود بگولہ بن کر ملتان پہنچا۔ یہاں سلطان کی طرف سے امیر حسن حکومت کرتا تھا۔ اُسے دربار میں جا کر ملا اور کہا کہ مجھے آپ کو بادشاہ کا پیغام دینا ہے۔ اور آج کل جو حادثات گزر رہے ہیں، اُن کی بابت کچھ بیان کرنا ہے، خلوت میں چلئے۔

امیر حسن بلاتامل اس کے ہمراہ محل میں چلا آیا۔ یہاں ایک ترک غلام تباک میں بیٹھا تھا۔ اس نے فوراً گمرون اڑادی۔ پھر دربار میں آیا اور ایک جعلی فرمان دکھا کر اعلان کیا کہ امیر حسن سلطان کے حکم سے کیفر کردار کو پہنچا، آج سے میں اس ولایت کا حاکم ہوں۔ امرائے بلاتامل اطاعت کر لی، لیکن جیب لگھڑوں کو یہ خبر پہنچی، تو وہ لاہور پر قبضہ کرنے کے ارادے سے نکل پڑے اور جہلم و سوہدرہ میں سخت ہنگامہ برپا کر دیا۔ سلطان شہاب الدین غوری تازہ دم ہو کر غزنی پہنچا۔ یہاں یلدوز بگڑا بیٹھا تھا۔ اس نے شہر میں نہ گھسنے دیا۔ یہاں سے ملتان پہنچا۔ ایک مقابلے میں نکلا۔ ایک معمولی جھڑپ کے بعد سلطان نے اُسے گرفتار کر لیا۔ پنجاب سے سپاہ جمع کر کے غزنی کی طرف متوجہ ہوا اور یلدوز کو مطیع کیا۔ انہی ایام میں خوارزم شاہ کا ایلچی آیا اور صلح ہو گئی۔

۶۰۱ء آزمائش اور ابتلاء کا سال تھا۔ تمام سرداروں نے سلطان کی اطاعت کا جوا کندھے سے اتار پھینکا تھا۔ صرف قطب الدین ایک ہی وفادار رہا۔ ۶۰۲ء میں سلطان نے لگھڑوں سے لڑنے کا ارادہ کیا۔ قطب الدین ایک بھی دلی سے سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دونوں نے مل کر لگھڑوں کی خوب گوشمالی کی۔

لگھڑوں کا مذہب لگھڑوں کا کوئی مذہب نہ تھا۔ جس کے ہاں لڑکی ہوتی، وہ دروازے پر لے کر کھڑا ہو جاتا اور پکارتا کہ کوئی اسے اپنی زوجیت میں لینے کو تیار ہے؟ اگر کوئی قبول کرتا تو اُس کے حوالے کر دیتا، ورنہ جان سے مار ڈالتا۔ ایک ایک عورت کئی کئی خاوند کرتی تھی۔ مسلمانوں کو تکلیف پہنچانا بڑا ثواب سمجھتے تھے۔ اگرچہ شاہی فوج نے اُن کا کچھ نکل دیا تھا، مگر پھر بھی یہ اپنی ہٹ سے باز نہ آئے۔ سلطان یہاں سے لاہور چلا گیا تھا، جتنے دن وہاں قیام رہا لگھڑ مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے رہے۔ لاہور اور غزنی کی سڑک ان کے علاقے سے ہو کر گزرتی تھی۔ یہ راستہ مسلمانوں پر بند ہو گیا۔

لگھڑوں کا قبول اسلام انہی ایام میں ایک مسلمان لگھڑوں کے ہاں قید ہو کر آیا۔ اس نے لگھڑوں کے سردار کے سامنے اسلام کی خوبیاں اس طرح سے بیان کیں کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو گیا۔ اُس نے کہا کہ اگر میں سلطان کے پاس جا کر اسلام قبول کر لوں، تو وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟

قیدی مسلمان نے جواب دیا کہ میں اس امر کا ذمہ دار ہوں کہ وہ تیرے سامنے شاہانہ سلوک کرے گا اور اس پہاڑی علاقے کی حکومت سچھے دے دیگا۔

لکھڑوں کا رئیس اس بیان پر مسلمان ہونے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ قیدی مسلمان نے یہ صورتحال سلطان کی خدمت میں لکھ بھیجی۔ سلطان نے فوراً خلعتِ فاخرہ اور مرقع کمر بند سردار کے لیے ارسال کئے۔ اس پر وہ بے جھجک سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔

سلطان نے قیدی مسلمان کے وعدے کو ایفاء کرتے ہوئے کوہستانی علاقے کی حکومت اس لکھڑے سپرد کی۔ وہ فرمان لے کر اپنے وطن میں واپس آیا اور اپنی قوم کے بہت سے آدمیوں کو مسلمان بنایا۔ انہی دنوں میں دریائے سندھ اور غزنی کے درمیانی علاقے کے پہاڑی باشندے بھی مسلمان ہو گئے۔

سلطان لاہور سے ملتان پہنچا۔ یہاں ابھی تک قرامطہ غالب تعداد میں موجود تھے۔ چُن چُن کر ان کا خاتمہ کر آیا اور ملتان کی سرزمین کو کفر و الحاد

قرامطہ کی تباہی

کی اس لعنت سے ہمیشہ کے لیے پاک کر دیا۔ جب سارے ملک میں امن ہو گیا، تو سلطان نے غزنی جانے کا ارادہ کیا اور والی بامیاں کے نام حکم ہوا کہ دریائے جیحون کے کنارے پر لشکر جمع کرے اور پل تیار رہے، کیونکہ ہم ترکستان کے کافروں سے جہاد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

غرض کو کتبہ اجمالی حرکت میں آیا اور ۲ شعبان کو سرپردہ شاہی دریائے سندھ کے ایک پُرفضلاء مقام پر نصب ہوا۔ ایک رات قرامطی لکھڑوں کے چند بد معاش نوجوان جن کے اعزاز و اقارب لشکر شاہی کے ہاتھوں مارے گئے تھے، دریا کو عبور کر کے اُدھی رات کے وقت خمیہ میں گھس گئے اور سلطان کو خنجروں سے شہید کر ڈالا۔

بادشاہ کا جنازہ بڑے جاہ و جلال اور شان و شوکت سے غزنی کو روانہ ہوا۔ بڑے بڑے رئیس اور امیر ہمراہ تھے اور آہ و بکا کرتے تھے، جب جنازہ غزنی کے قریب پہنچا، تو حاکم غزنی تاج الدین یلدوز استقبال کو آیا۔ اس نے دفورہ رخ سے زرہ بکتر پھینک دیا، بالوں کو بکھیرا اور سر میں خاک دھول ڈال لی۔ کم و بیش یہی کیفیت باقی امراء کی تھی۔

مخدوم عبدالرشید کی ہجرت

مخدوم عبدالرشید حضرت شیخ الاسلام کے چچا زاد بھائی تھے۔ چچا بزرگوار کے انتقال پر وہی گھر کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ آپ کی غیر حاضری میں کافی عرصہ تک کوٹ کروڑ میں رہے اور حضرت شیخ الاسلام کی ہمیشہ بی بی کمال خاتون سے شادی کی۔ جس کے بطن عفت سے شیخ ابوبکر اور شیخ محمد تولد ہوئے۔ اور ابھی شیخ الاسلام سفر میں ہی تھے کہ خصوصی حالات کی بناء پر آپ کوٹ کروڑ سے ملتان ہجرت کر آئے اور قلعہ قدیم میں اس مقام پر قیام فرمایا، جہاں اس وقت حضرت شیخ الاسلام کا دروضہ مبارک ہے۔ پہلے یہاں نرسنگ سپر ایسیر دیو کا اسمتھان تھا۔ تھوڑے سے عرصہ میں حضرت مخدوم عبدالرشید کے علم و دانش اور فقر و ولایت کا چرچا ہر طرف پھیل گیا۔ اکناف عالم سے سعید روہیں کھچ کھچ کر یہاں جمع ہونے لگیں اور قال اللہ وقال الرسول سے ملتان کے درو دیوار گونج اٹھے۔

خواب بشارت

ایک دن حضرت مخدوم عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں علماء و مشائخ کا اجتماع تھا۔ بحث و مناظرہ میں تین پہر گزر گئے۔ اجلاس برخاست ہونے پر دفعتاً آپ پر عنودگی طاری ہوئی اور عالم رویا میں کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت احمد غوث تشریف لے آئے ہیں اور فرماتے ہیں :

دو بیٹا! چوتھے دن پیرے چچا زاد بھائی حضرت شیخ بہار الدین نہ کہہ یا دین و دنیا کی سعادتوں سے مالا مال ہو کر ملتان میں داخل ہوں گے۔ تمہیں لازم ہے کہ اپنی ہمیشہ کو ان کے نکاح میں دے دو اور خود حرمین شریفین کو روانہ ہو جاؤ۔

مخدوم عبدالرشید خواب سے بیدار ہوئے، برادر بزرگوار کے آنے کی بشارت سے شادماں ہوئے اور بڑی بے تابی سے انتظار کرنے لگے۔

شیخ الاسلام کی آمد

حضرت شیخ الاسلام سکون و اطمینان سے ملتان کو چلے آ رہے تھے۔ جب غزنی کے مصافحات میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ ملتان کے فرمانروا سلطان ناصر الدین قباچہ اور غزنی کے خلیوں کے ماہین لڑائی چھڑ چکی ہے۔ اس لیے آگے جانے کا کوئی راستہ

محفوظ نہیں ہے۔ خلیجوں کے بے شمار قبائل جنوب مشرقی افغانستان میں آباد تھے اور کافی منظم تھے۔ روزانہ ہزاروں مردان کار آمد مابھرتی کر کے محاذ جنگ پر بھیجے جا رہے تھے۔ حضرت چپ چاپ یہ کیفیت دیکھتے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ایک دن آپ کا ورد ایسے گاؤں میں ہوا جہاں سے قباچہ کی سرحد شروع ہوتی تھی۔ یہ پرفضا اور کوہستانی مقام تھا۔ آپ چند ایام کے لیے یہیں رہ پڑے اور حالات کا جائزہ لینے لگے۔ اس نواح میں آپ کی تشریف آوری کا چرچا ہوا تو لوگ جوق در جوق رشد و ہدایت کے اس سمر چشمہ پر جمع ہو گئے۔ ہزاروں فاسق و بدکار آپ کی توجہ سے صراط المستقیم پر گامزن ہو گئے۔ سینکڑوں نے جنید اور بایزید کا مرتبہ پایا۔

کچھ عرصہ بعد معلوم ہوا کہ خلیجیوں کو اس جنگ میں سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے اور اب وہ دہلی کے تاجدار سلطان شمس الدین التمش کے پاس امداد کے لیے اڑے چلے جا رہے ہیں۔ لوگوں نے سلطان کی بڑی تعریف کی اور بتایا کہ اس کی عسکری طاقت بہت مضبوط ہے۔ دو سال پہلے غزنی کے حاکم تاج الدین یلدوز نے جب اس سے ٹکر لگائی تھی تو اسے منہ کی کھانا پڑی تھی۔ ناصر الدین قباچہ سے بھی اس کے تعلقات اچھے نہیں، یقیناً گھمسان کارن پڑے گا اور اس سے ملتان کا متاثر ہونا لازمی ہے۔

چند ماہ بعد اطلاع ملی کہ سلطان خلیجیوں کی مدد کو بڑھا چلا آتا ہے۔ حضرت ملتان کو روانہ ہونے والے تھے کہ یہ خبر سن کر رگ گئے۔ اگرچہ یہ انتشار کارمانہ تھا اور عوام سیاسی پیچیدگیوں کے سبب پریشان سے ہو رہے تھے۔ اس کے باوجود حضرت کے گرد و پیش ہزاروں سعید و رحیم مور و بلخ کی طرح جمع رہتی تھیں۔ حضرت شیخ الاسلام بہت جلد ملتان پہنچنے کے ارزومند تھے، اس لیے روز پتہ کرتے تھے کہ ملتان کا رستہ کھلا ہے یا نہیں؟

ایک دن خبر ملی کہ دریائے چناب کے کنارے دونوں بادشاہوں کا سخت مقابلہ ہوا ہے اور قباچہ شکست کھا کر سندھ کو بھاگا چلا جاتا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اب ملتان کی خیر نہیں۔ دوسرا معرکہ یقیناً اس شہر میں ہو گا۔ لیکن حضور نے اس خیال کی تردید فرمائی کہ التمش دین دار بادشاہ ہے اور وہ ناحق بندگان خدا کا خون نہیں گرانے گا۔ چنانچہ تیسرے دن حضرت کے ارشاد گرامی کی تعمیق بھی ہو گئی۔ محاذ جنگ سے آنے والوں نے بتایا کہ سلطان دہلی کو واپس لوٹ گیا ہے اور انہوں نے کوئٹہ شاہی

کو اپنی آنکھوں سے واپس جاتے دیکھا ہے۔

یہ سنتے ہی حضرت شیخ الاسلام اپنی مسند پر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ میں اب یہاں اور قیام نہیں کر سکتا۔ مجھے بہت جلد ملتان پہنچنا ہے۔ یہ کہہ کر سب سے رخصت ہوئے اور تن تنہا ملتان کو چل دیئے۔ صاحب انوار غوثیہ کے بیان کے بموجب حضرت ۶۱۴ھ میں بغداد سے روانہ ہوئے تھے اور گمانِ اغلب یہی ہے کہ حضرت نے ۶۱۵ھ کے آغاز میں ہی اس مینوسواد خطہ سے ملتان کا رخ کیا ہوگا۔ یہ مقام آپ کے نام کی رعایت سے شیخ بہاء الدین مشہور ہو گیا تھا۔ آج کل شیخ بدین کہلاتا ہے اور صوبہ سرحد کا صحت افزاء مقام ہے۔

قرآن السعدین | شیخ شرف الدین قریشی لکھتے ہیں کہ حضرت مخدوم عبدالرشید کو کشف کے ذریعے آپ کی آمد کا علم ہو گیا تھا۔ جو منی آپ ملتان میں داخل ہو گئے، شیخ عبدالرشید فوراً دیول دروازے پر پہنچے اور شیخ الاسلام سے بغلیگر ہو کر ملے۔ اس کے بعد دونوں بھائی ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے دولت خانہ کو روانہ ہوئے۔ آگے نوکر چاکر اور اعزاء و اقارب انتظار میں تھے۔ سب سے مصافحہ و معانقہ کرنے کے بعد خلوت میں تشریف لے گئے اور والدہ ماجدہ کو یاد کر کے بہت روتے۔

کاشمیر | صاحب خزینۃ الاصفیاء اس خبر کا ذمہ دار ہے کہ جب حضرت ملتان میں تشریف لے آئے اور طالبانِ حق فوج در فوج حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے لگے تو اکابر ملتان کو آپ کی عالم گیر شہرت پر حسد ہوا اور دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ خدمتِ اقدس میں ارسال کیا۔ اس سے اشارہ یہ تھا کہ ”ملتان اس پیالہ کی طرح مشائخ اور علماء سے بھرا پڑا ہے آپ کی یہاں گنجائش کہاں؟“

حضرت کے آگے اس وقت گلاب کے پھول رکھے تھے۔ آپ نے ایک پھول اس پیالے میں ڈال کر واپس بھجوا دیا۔ گویا جواب یہ تھا کہ ”اس پھول کی طرح ہم نہ صرف یہاں سما سکتے ہیں، بلکہ ہماری شہرت اور نیک نامی یہاں کے جملہ باخدا درویشوں پر غالب آئے گی۔“

۱۔ جلٹے من دریں شہر بطوریکہ گل بالائے شیر است خواہ بود (خزینۃ الاصفیاء ص ۲۱)

مخدوم عبدالرشید کا عزم سفر | جب سفر کی کوفت دور ہو گئی تو مخدوم عبدالرشید نے والد بزرگوار کی وصیت کے مطابق اپنی ہمیشہ رشید خاتون

کی شادی حضرت شیخ الاسلام سے کر دی اور اموال و خزانہ جن کی سالہا سال تک آپ نے بحیثیت امین کے نگہداشت فرمائی تھی۔ آخری کوڑھی تک حضرت شیخ الاسلام کو سنبھال دی اور رخصتی پا کر کو جانے کے لیے اجازت طلب کی۔ حضرت نے سینے پر ہتھکڑی لگا رکھی اور دعا کی اور مخدوم عبدالرشید اپنے سات فداکاروں کے ہمراہ دیارِ حرم کو روانہ ہو گئے۔

حضرت شیخ الاسلام اب متاہل ہو چکے تھے۔ مخدوم عبدالرشید کے اہل و عیال اور ان کے نامور بھائی بھی آپ کے دامن سے وابستہ تھے۔

ایک بڑا خزانہ جو اسلاف سے ترکہ میں ملا تھا، تن آسانی اور عیش کوشی کی دعوت دینے کو موجود تھا، لیکن وہ پیکرِ نور جسے عنقوانِ شباب میں دنیا کے رنگ و روغن کی ملمح کاری دھوکہ نہیں دے سکتی تھی، اب اس کے فریب میں کیسے آسکتا تھا۔ قلعہ قدیم پر محل تعمیر ہوا، لیکن فقر اور مشائخ کے لیے۔ مگر اہل و عیال کے لیے حجرے اور نہر آہیں معرض وجود میں آئیں۔

حضرت کی اپنی حالت یہ تھی کہ لاکھوں اشرفیاں قدموں میں پڑی چمکا کر تیں، لیکن حضور ان سے بے پرواہ ہو کر ”جہین نیاز“ خاکِ عبودیت پر رکھے اپنے عجز و انکسار کا اعتراف کرتے دکھائی دیتے تھے۔ سنہری روپہلی سکوں کے اس بڑے خزانے کو اس ذاتِ مقدس کی نگاہوں میں کبھی نرفند ریزوں کے ڈھیر سے زیادہ مقام حاصل نہ ہوا۔ گویا

چھیت دُنیا از خدا غافل بود
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

ایک مصنف کی شیخ الاسلام کی ملتان میں آمد کے بارے میں درج ذیل رائے ہے :-
”جب آپ بغداد سے اس ملک میں آئے تو باعث دوستی مخدوم شیخ یحییٰ گریزی سجادہ نشین، حضرت شاہ گریزی اس شہر میں سکونت اختیار کی“

۱۰ مصنف تذکرہ ملتان :-

ہمیں مذکورہ آقباس سے یکسر اختلاف ہے۔ کیونکہ حضرت شیخ الاسلام مرشد کے حکم سے ملتان تشریف لائے تھے اور مرشد طریقت کی طرف سے ہی اس شہر کے عوام کی روحانی تربیت پر مامور ہوئے تھے۔ کسی دوست کی کشش انہیں یہاں لے آنے کا موجب نہیں ہوئی تھی۔ حضور اس شہر کے باطنی حاکم تھے، جس کا علم تمام اولیائے کاملین کو ہو چکا تھا۔ چنانچہ جب حضرت قطب الدین بختیار کاکی دہلی جاتے ہوئے یہاں سے گزرے اور سلطان ناصر الدین قباچہ نے انہیں ملتان میں قیام کرنے کی درخواست کی تو آپ نے واشکات الفاظ میں فرمایا:

«ملتان برادر مہاء الدین کی تحویل میں دیا جا چکا ہے۔ ہم یہاں کیسے رہ سکتے ہیں؟»
یہ کہہ کر دہلی کو روانہ ہو گئے۔

اسی طرح مولف "مذکرۃ الملکان" کو مخدوم شاہ یوسف گردیزی کے معاملے میں بھی غلط فہمی ہوئی۔ انہوں نے بڑی بے تکلفی سے حضرت شیخ الاسلام محمد یوسف گردیزی کو جو روحانی اعتبار سے شہنشاہ دنیا و دین تھے، انہیں فقر و ولایت کی تاجداری سے ہٹا کر اس شہر کا صوبے دار بنا ڈالا۔ یعنی وہ قطب دوراں غوث زمان حضرت مخدوم علی قسور گردیزی کی طرف سے اہل ملتان کی اصلاح احوال پر مامور ہو کر نہیں آئے تھے، بلکہ ابراہیم شاہ غزنوی کی طرف سے ملتان کے صوبہ دار بن کر آئے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

«حضرت مخدوم یوسف گردیزی کے جد بزرگوار نے حسب استخارہ منجانب اللہ انہیں اس ملک میں آنے اور اسے آباد کرنے کی رخصت عطا کی اور فرمایا:

تمہیں ملتان کی اصلاح پر مامور کیا گیا ہے، وہاں جا کر سکونت اختیار کرو، تم اور تمہاری

لے رہا» بہاء الدین زکریا بعد عطاءئے خرقہ خلافت حسب الارشاد پیر روشن ضمیر ملتان آمد و سکونت و زریہ۔

(خزینۃ الاصفیاء ص ۲)

لے رہا» خرقہ خلافت کے بعد حضرت بہاء الدین زکریا علیہ السلام کو مرشد کی طرف سے حکم ملا کہ ملتان واپس جا کر

(بزم صوفیہ ص ۹۱)

قیام کرے اور وہاں کے باشندوں کو فیض پہنچاؤ۔

۵۲ سیر العارفين ص ۵۸

اولاد وہاں ہمیشہ عزت و ابرو سے رہے گی۔
یہاں تک تو صحیح ہے، لیکن اگے جو کچھ لکھا ہے اُس کا حقائق سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

درد نیر بادشاہ وقت نے جو اُن کے معتقدوں میں سے تھا، اس خبر کے سنتے ہی فرمان معافی ملک ملتان بطور نیاز قدیمی اُن کے نام لکھ دیا اور حضرت مخدوم نے بھی اپنی طرف سے کچھ وجہ پیشکش سالانہ دینا منظور کی۔ الغرض جد کے انتقال پر باجارت والد نامدار بہت سے اسباب و سامان ظاہری کے ساتھ اس ملک میں رونق بخشی۔ اس شہر کو جو راجگان کے وقت سے ویران پڑا ہوا تھا، آباد کیا۔ ان کے عدل و انصاف کا شہرہ سن کر دُور دُور سے لوگ آکر اس شہر میں آباد ہوئے۔ حضرت مخدوم موصوف تو عبادت الہی میں مشغول رہتے تھے اور انتظام ملک کا پر دازوں کے سپرد تھا۔

اندازہ فرمائیے! اس کا ملخص یہ ہے کہ :

- ۱۔ بادشاہ نے اس ملک کا پروانہ آپ کو مرحمت کیا۔
- ۲۔ آپ بادشاہ کو سالانہ خراج ادا کرتے تھے۔
- ۳۔ دادا کی وفات پر والد بزرگوار کی اجازت سے بڑے مٹھاٹ باٹ کے ساتھ گھر کا جملہ مال و اسباب لا کر ملتان تشریف لائے۔

۴۔ یہ شہر راجوں کے وقت سے ویران پڑا تھا۔

۵۔ خود عبادت میں مصروف رہتے تھے اور ملک کا انتظام کارندے چلاتے تھے۔

نمبر ۱، ۲ میں حضرت کو بادشاہ کا ماتحت صوبے دار ثابت کیا گیا ہے۔

نمبر ۳۔ امر واقعہ کے خلاف ہے، آپ کے والد سید ابو بکر مخدوم سید علی قسور کی زندگی میں

فوت ہو گئے تھے۔ حضور اپنے ہمراہ کوئی چیز نہیں لائے تھے۔ شیر پر سوار تھے اور سانپ ہاتھ میں تھا۔ یہی کچھ آپ کی کائنات تھی۔ اللہ والے ظاہری اسباب کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ

اُن کے لیے زمین اپنے خزانے اُگل دیتی ہے۔
 نمبر ۴۔ یہ قطعاً غلط ہے کہ ملتان شہر راہوں کے وقت سے ویران چلا آتا تھا، بلکہ صحیح یہ ہے

کہ اسلامی دور میں اسے جو فروغ نصیب ہوا، راہوں کے زمانے میں یہ بات کہاں تھی۔

نمبر ۵۔ یہ ارشاد کہ خود تو مصلیٰ نشین تھے، مگر امور مملکت کا بندے چلاتے تھے، یہ اصول
 جہاں بنانی کے خلاف ہے۔ آج تک کوئی فرمانروا حکومت کے کاروبار کا بندوں کے سپرد کر کے
 مصلیٰ نشین نہیں ہوا، البتہ تخت و تاج اکثر بادشاہوں نے درویشی قبول کرنے پر از خود دوسروں
 کے حوالے کیا ہے۔ جیسے سلطان حمید الدین حاکم اور حضرت ابراہیم ادھم کے بلکے میں مشہور ہے۔
 اب شیخ الاسلام کو حضرت مخدوم سیدی سیدی کا دوست قرار دیکر اپنی گدی کا طفلی بنانا مقصود ہے جسکی تاہم کسی تذکرے سے نہیں ہوتی۔

سید جلال تبریزی شیخ الشیوخ کی طرف سے کسی ملک کی ہدایت پر مامور نہیں تھے

”احوال و آثار“ کے مقالہ نگار نے سید جلال تبریزی کے بارے میں درج ذیل رائے کا

اظہار کیا ہے :-

”اس سلسلہ رونق پیدا نہ کر دتا اینکہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و شیخ جلال الدینی سے

تبریزی بہ شبہ قادہ آمدند و بوسیله اینہا بود کہ اس سلسلہ آسجاد و اج پیدا کر دے“

یعنی حضرت شیخ الاسلام اور حضرت تبریزی نے مل کر اس سلسلہ کو فروغ دیا۔

مزید رقمطرازہ ہیں :

”در بنگال شیخ جلال الدین تبریزی اس سلسلہ را رواج داد“

پھر لکھتی ہیں :

”بوسیله مریدان اس دو بزرگ اس سلسلہ ہما کشمیر و گجرات و حتی تا افغانستان

نقوذ پیدا کر دے“

۱۔ مقالہ احوال و آثار، شیخ بہاء الدین زکریا، ص ۱۳

۲۔ احوال و آثار شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا، ص ۱۳

ایک اور مقام پر محترمہ نے اشاعتِ اسلام کا نہ تین تاج سید جلال سلہٹی کے سر سے اتار کر حضرت تبریزیؒ کی کونوازش کیا ہے، فرماتی ہیں :

« شیخ جلال الدین تبریزیؒ بود کہ علم سطوت اسلام را در پاکستان شرقی برافراشت^۱ »
 مولفہ نے اپنی ان تحریروں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کشمیر سے سماٹرا اور بورنیو تک سروروی درویشوں نے اسلام کی جو شمعیں روشن کی ہیں، یہ صرف حضرت شیخ الاسلامؒ بہاء الدین زکریا کی سعی جمیل کا ہی ثمرہ نہیں، بلکہ ان عظیم الشان تبلیغی کامیابیوں میں سید جلال تبریزیؒ برابر کے شریک ہیں۔

حالانکہ محترمہ نے ایک جگہ تسلیم کیا ہے کہ جب حضرت شیخ الشیوخ نے شیخ الاسلام کو ملتان کی روحانی تربیت پر مامور کیا، تو جلال تبریزیؒ نے بحیثیت ایک دوست کے ان کی صحبت میں رہنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اگرچہ تبریزی صاحب کی دل جوئی کی خاطر شیخ الشیوخ نے اجازت دے دی مگر یہ بات نبھ نہ سکی اور نیشاپور میں ان کی دوستی کا رشتہ ٹوٹ گیا اور دونوں وہاں سے مخالف سمتوں میں روانہ ہو گئے۔

مزید ملاحظہ ہو۔

« شیخ الشیوخؒ گفت حالا وقت آن رسیدہ کہ عزیمت سفر کنی و بہ ملتان برگردی
 چوں مردمان آسنا بتوا احتیاج دلہند »

یعنی اب ملتان روانہ ہو جاؤ کہ وہاں کے عوام کو تیری ضرورت ہے۔
 مزید لکھتی ہیں :

« وقتے بنا بہ دستور اور یعنی شیخ بہاء الدین زکریا (یا) می خواست از بغداد بہ ملتان بہرود
 یکے از مریدان شیخ شہاب الدین باسم شیخ جلال الدین تبریزی (۵۳۶ - ۶۳۳) کہ بہ
 شیخ بہاء الدین زکریا یا انس گرفتہ بود از مرشد اجازتہ خواست کہ با او ہمراہی کند۔ شیخ

۱ « احوال و آثار » ص ۳۵

۲ « مقالہ احوال و آثار » الخ ص ۳۶

الشیوخ اجازہ داد

یعنی بوجہ دوستی شیخ الاسلام کے ساتھ جانے کی اجازت طلب کی۔ بحیثیت رفیق کے نہ بحیثیت مامور کے، مگر وہ رفاقت ختم ہو گئی۔

مقالہ نگار مزید تحریر کرتی ہیں :-

» شیخ بہاء الدین آمدنہ خاطر شد و بہ ہمین جہت بود کہ ہما سجا از جلال الدین تبریزی جدا شد و ہر دو در دو مختلف براہ افتادند۔ و شیخ بہاء الدین نہ گریا ملتا فی راہ ملتان و شیخ جلال الدین تبریزی راہ خراسان را در پیش گرفت

مقالہ نگار نے حضرت شیخ الاسلام کی اشاعت اسلام کی مساعی کو چھپانے کی کوشش کی، مگر تفاد بیانی کے سبب اسے کامیابی نہ ہوئی۔

شیخ جلال تبریزی کی بزرگی مسلم ہے، مگر موصوف ابو سعید ترمذی کے مرید تھے۔ حضرت شیخ الشیوخ ان کے پیر صحبت تھے۔ ظاہر ہے کہ پیر صحبت اپنے ایسے مرید کو کسی علاقے کی اصلاح پر مامور نہیں کر سکتا اور نہ شیخ الشیوخ نے انہیں کہیں بیٹھ کر کام کرنے کی اجازت فرمائی۔ یہ آزاد مرد درویش تھے۔ دو دن کہیں، چار دن کہیں۔ ان سے نہ سلسلہ چلا ہے اور نہ ہی انہوں نے اپنی طرف سے کسی کو کہیں کام کرنے کا حکم دیا ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ آپ مرید کرنے سے بھی گریز کرتے تھے۔

یہ کسی ایسی ویسی کتاب کی روایت نہیں۔ حضرت محبوب الہی دہلوی راوی اور حضرت امیر حسن علی سجری رحمۃ اللہ علیہ ناقل ہیں۔ فوائد الفواد کا حوالہ ہے جو صوفیاء میں بالاجماع ثقہ تصور کی جاتی ہے۔

» سوموار کے دن ۲۳ ذیقعدہ ۷۸۵ھ کو (حضرت نظام الدین اولیاء قدس سترہ) کی قدم بوسی کا ثمر حاصل ہوا۔ ایک جوان آیا، تو خواجہ صاحب نے اس سے پوچھا کہ تیرے جد بزرگوار کس پیر کے مرید تھے؟ جواب دیا کہ شیخ جلال الدین تبریزی کے مرید تھے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ شیخ جلال الدین کسی کو بہت کم مرید کیا کرتے

تھے۔ قاضی عمید الدین ناگوری، مولانا برہان الدین غریب حاضر تھے۔ پوچھا کہ ایسے بزرگ اور شیخ ہو کر کیوں لوگوں کو مرید نہیں کرتے تھے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا: خواہ مرید کریں یا نہ کریں۔ ان کی بزرگی اور شیوخت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے دو آدمی ہوں اور دونوں میں قوتِ رجولیت ہو۔ ایک کے ہاں تو اولاد پیدا ہو اور دوسرے کے ہاں نہ ہو، تو اس سے یہ تو لازم نہیں لاتا کہ اس کے مرد ہونے میں کچھ شبہ ہے۔ لیکن ایسا بہت دیکھا گیا ہے۔ انبیاء بھی اسی طرح گزرے ہیں۔ چنانچہ قیامت کے دن ہر ایک پیغمبر اپنی اُمت کو ہمراہ لائے گا۔ کسی کے ساتھ کم ہوگی، کسی کے ساتھ زیادہ۔ ایک پیغمبر ایسا آئے گا کہ اس کے ہمراہ صرف ایک آدمی ہوگا۔ لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ اس کی نبوت کا تصور ہے۔ اسی طرح سے شیخ اور مرید کا معاملہ ہے۔“

حضرت محبوب الہی تو فرماتے ہیں کہ حضرت تبریزی مرید نہیں کرتے تھے، مگر مقالہ نگار بڑے وثوق سے فرماتی ہیں :-

» در بنگال شیخ جلال الدین تبریزیؒ این سلسلہ را رواج داد بوسیله مریدان این دو بزرگ این سلسلہ تاشمیر و گجرات وحی تا افغانستان نفوذ پیدا کرد۔ اور پھر شیخ جلال الدین تبریزیؒ بود کہ علم سلطوت اسلام را در پاکستان شرقی برافراشت۔“

معلوم ہوتا ہے کہ محترمہ نے سید جلال سلہٹی اور سید جلال تبریزیؒ کو فردِ واحد سمجھ لیا ہے۔ یہ سید جلال سلہٹی ہی ہیں جو حضرت شیخ الاسلامؒ کے مرید در مرید اور سید جلال بخاریؒ کے نواسے ہیں۔ چھ سو درویشوں کے ہمراہ آپ سے چلے اور بنگال پہنچ کر راجہ گوٹہ گوہند کو شکست دی اور اس ملک میں علم اسلام بلند کیا۔ ان کا تفصیلی ذکر اپنے مقام پر آئے گا۔

حضرت شیخ الاسلامؒ نے جب یہ دیکھا کہ حاکم سست اور بے پرواہ ہے اور قرامطہ کی لحدانہ تعلیم غیر شعوری طور پر عوام کے قلب و دماغ پر چھا رہی ہے، تو حضور نے قرامطہ کے اثر و نفوذ

کو مٹانے اور نوع انسانی کو اسلام سے متعارف کرانے کا ایک منصوبہ تیار کر لیا۔

آپ نے دیکھا کہ اس ملک کے تمام ہندو پر ہلا دجی کے مندر میں حاضری دینا اپنا مذہبی فریضہ جانتے ہیں، تو آپ نے اس عظیم تاجی مندر کے سامنے اپنی مسند قائم کی، جو ہندو یا تری پوجا کر کے مندر سے نکلتا، آپ کے نورانی چہرے کو دیکھتے ہی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا اور کہتا کہ آپ منس نہیں ہیں، بلکہ بھگوان کے اوتار ہیں۔ جو دھرم آپ کا وہی ہمارا۔

آج سے سات صدی پیشتر کے زمانے کا تصور کر کے اندازہ لگائیے جبکہ پرہلا دجی کا مندر بڑے صغیر پاک و ہند کے کروڑوں ہندوؤں کا مرکز توجہ تھا۔ ہزاروں ہندو، مرد اور عورتیں صبح و شام اس مندر کے درشنوں کو حاضر ہوتی تھیں۔ سالانہ میلوں ٹھیلوں پر لاکھوں یا تری کالے کوسوں کا سفر طے کر کے یہاں پہنچتے تھے۔ شیخ الاسلام نے اس عظیم ہندو معبد کے سائے میں بیٹھ کر کیونکر اسلام کی شمعیں روشن کی ہوں گی اور صبح و شام کی گھنٹیوں اور ناقاسوں کے مقابلے میں جب ادھر سے اللہ اکبر کی فلک شکاف آواز بلند ہوتی ہوگی، تو اس کی صدائے بازگشت سے مندر کے پروہتوں اور مہاشوں کے دلوں پر کتنے سانپ لوٹ جاتے ہوں گے؟

آج کا ہندو بے پال، اند پال، بے چند، پر تھوی راج، دانا پر تاپ اور سیوا جی کے مقابلے میں کئی درجے زیادہ روشن خیال اور زودادار ہے اور آپ کروڑوں کی تعداد میں ہیں، کسی کو اپنے مذہب کی طرف بلا کر تو دیکھئے، کیا جواب ملتا ہے؟ یا بھارت جا کر کسی مندر میں تھوڑی دیر سستانے کی کوشش تو فرمائیے اور پھر دیکھئے کہ اس کا ردِ عمل کیا ہوتا ہے؟ اس سے مشائخ اسلام کے بے پناہ اثر و نفوذ کا اندازہ لگائیے کہ وہ نہ صرف مندروں کے پہلوؤں میں آباد ہو گئے، بلکہ انہوں نے مستقل طور پر ان کی دیواروں اور کلیسیوں کے سائے میں اسلام کی اشاعت کے مراکز قائم کئے۔ دنیا میں ہزاروں انقلابات آئے۔ حملہ آوروں کی یلغار سے شہر کے شہر غبار بن گئے۔ ملکوں کے جغرافیے بدل گئے۔ خشکی کی جگہ تری اور تری کی جگہ خشکی نے لے لی، لیکن وہ اللہ والے جو اسلام کی مہر بلندی کے لیے گھروں سے نکلے تھے، خدا نے ان کی عظمت کے میناروں کو حوادثِ دہر سے محفوظ رکھا، بلکہ ان کے طفیل کفر کے آثار کو بھی زمانے کی دستبرد سے بچا لیا گیا۔ تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے محبت قائم رہے اور وہ لوگ جنہوں نے اسلام

کو ورثہ کے طور پر پایا ہے، دیکھیں کہ اکابر اہل اللہ نے ان کے آباء و اجداد کو اسلام کی آغوش میں لانے کے لیے کتنا بڑا خطرہ قبول کر لیا تھا۔

حضرت شیخ الحدیث امیر رحمۃ اللہ علیہ کی آخری آرام گاہ اور پھر ان کے گمہ دوپیش کے مندروں پر نظر دوڑائیے۔ سید جلال تبریزی، سید جلال سلہٹی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکلی کے مزارات کے پہلو پہلو اب بھی شکست خوردہ مندر نظر آتے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام کی خانقاہ عالیہ کے عین بالمقابل پرہلاد کا عظیم مندر آپ کی روحانی عظمت و شوکت کا اعتراف کرنے کو سر جھکائے کھڑا ہے۔ آپ نے اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء نے کشمیر سے گجرات کا ٹھیا واڑ تک ہر جگہ تبلیغی مرکز قائم کئے اور اشاعتِ اسلام کا گر انقدر کام کیا۔

میر سیحان نے ہرات میں اور عراقی نے مہر و شام میں فقر و ولایت کے جھنڈے گاڑے۔ ایران، افغانستان، بلخ بخارا اور نیشاپور تک ہر جگہ سہروردی ہی سہروردی نظر آنے لگے تھے۔ شیخ الاسلام کے بعد ان کے فرزند جگر حضرت الشیخ العارف صدر الدین محمد اور ان کے بعد ان کے پوتے حضرت شاہ رکن عالم رحمہم اللہ علیہم نے ملتان کی سرزمین کو مطلع النوار بناٹے رکھا اور مکران سے سلہٹ تک برصغیر قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں سے گونج اٹھا۔

تبلیغی سرگرمیاں | حضرت شیخ الاسلام نے اپنی خانقاہ عالیہ کے پہلو میں ایک علمی، دینی اور صوفیانہ درس گاہ کی بنیاد رکھی۔ جس کے دو شعبے تھے،

ایک علماء پیدا کرتا تھا اور دوسرا مبلغین۔

مبلغین کے لیے ضروری تھا کہ جس ملک میں انہیں بھیجا جائے، انہیں وہاں کی زبان اور ثقافت سے پوری واقفیت ہو، تاکہ وہ وہاں پہنچ کر اپنے آپ کو اجنبی محسوس نہ کریں۔ اس لیے آپ نے ہر ملک سے ایک ایک فاضل عالم طلب کر کے اپنی درس گاہ میں ملازم رکھا۔ اسے معقول تنخواہ اور رہائش کا تسلی بخش انتظام فرمایا۔

جب علماء فارغ التحصیل ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ایک ایک کو الگ الگ بلا کر پوچھتے کہ کیا تم فی سبیل اللہ تبلیغ کرنے کو تیار ہو؟ اس طرح کافی نوجوان از خود اپنے آپ کو اس مقصد کے لیے پیش کرتے تھے۔ جو جس ملک میں جانا چاہتا، وہ اسی کمرے میں اس

علاقے کی زبان اور ثقافت کی تعلیم حاصل کرتا۔ دو سال کے بعد شیخ الاسلام اس مبلغ کے استاد محترم کو پانچ ہزار اشرافی عنایت کرتے کہ شہر سے اس ملک کے لیے مفید اور ضروری سامان خرید کر کے ایک کشتی میں ترتیب دو اور پھر یہ جہاز اپنی دُعاؤں کے سایہ میں منزل مقصود کو روانہ فرماتے۔ چلتے وقت مبلغ کو ہدایت فرماتے :-

• سامان کم منافع پر فروخت کرنا۔

• لین دین میں اسلامی تعلیمات کو سامنے رکھنا۔

• ناقص چیزوں کو فروخت نہ کرنا، بلکہ فقرا اور مساکین کو مفت دے دینا۔

• خریداروں سے خذہ پیشانی سے پیش آنا۔

• جب تک لوگوں کا اعتماد حاصل نہ ہو، ان پر اسلام پیش نہ کرنا۔

• اس طرح یہ علمائے ربانی بنیں سوداگروں کے لباس میں کشتیوں پر سامان تجارت لا کر

روانہ ہوتے اور جاوا، سماٹرا، فلپائن اور چین تک پہنچ کر دوکانیں کھولتے اور دیانتداری

سے لین دین کرتے اور ساتھ ہی لوگوں پر اسلام پیش کرتے۔ جس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلتا اور

لوگ ان کے حسن اخلاق، ان کی خدا ترسی، دینداری، دیانت داری اور معاملات میں

صفائی ستھرائی دیکھ کر گرویدہ ہو جاتے اور بالآخر اسلام قبول کر لیتے۔ آج مشرق بعید کے

چھوٹے چھوٹے جزیروں میں جو کروڑوں مسلمان نظر آتے ہیں یہ امنی تاجر مبلغین کی سعی

مشکور کا نتیجہ ہیں۔

یہ تو خارجی جہد مسلسل کی کیفیت تھی۔ اس کے علاوہ ایک داخلی تبلیغ کا شعبہ تھا، جس کی نگرانی

شیخ الاسلام خود فرماتے تھے۔ واعظین اور مبلغین کرام کی متعدد جماعتیں کشمیر سے اس کماری اور

گوادر سے بنگال تک مصروف عمل تھیں۔ حضرت شیخ الاسلام کی آمد سے پہلے حضرت سلطان غنی سرور

رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی جماعتیں موجود تھیں۔ مگر صحیح قیادت میسر نہ ہونے کے سبب ان میں سستی اور

بے راہروی سی پیدا ہو گئی تھی۔ حضرت نے ان کی بھی سرپرستی فرمائی۔ دس دس میلوں کے فاصلے

پر ان کی قیام گاہیں مقرر ہوئیں۔ جہاں سرسبز اور گھنے درختوں کے سایہ تلے کئی کئی دنوں تک

وعظ و نصیحت کی مجالس گرم رہتیں۔ سال کے خاتمے پر مبلغین کے یہ گروہ جو آج کل "سنگ" اور

”جماعت“ سے موسوم ہیں، پانچ پانچ سو کی تعداد میں قال اللہ وقال الرسول سے لوگوں کے دلوں کو گماتے ملتان حاضر ہوتے اور اپنی کارگزاری تفصیل سے بیان کرتے۔ ان گروہوں کا قائد خلیفہ کہلاتا تھا۔ ان اہل اللہ کی تبلیغی سرگرمیوں کو دیکھ کر عیسائی مشنریوں نے بھی اپنے پادری دیہاتوں میں روانہ کئے۔ یہ لوگ عیسائیت کی تبلیغ کے لیے جنوبی ایشیا کے طول و عرض میں طوفانی دورے کرتے رہے اور مسلمان درویشوں کی طرح صوفیانہ انداز میں تبلیغ کرنے کی کوشش کی۔

برصغیر کے ہر ضلعی صدر مقام پر مشن کی طرف سے عالی شان گرجے اور ان کے پہلوؤں میں تبلیغی مراکز قائم کئے۔ عوام میں لاکھوں روپے کی ادویات مفت تقسیم کیں۔ غرباء کو پارچا اور خوردنی اجناس سے نوازا۔ تالیفِ قلوبی کے لیے بہت کچھ کہا، مگر انہیں وہ ہر دل عزیز حاصل نہ ہو سکی جو حضرت شیخ الاسلام اور ان کے خلفاء کے مبلغین کو حاصل ہوئی تھی۔

حضرت کے خدام کو نہ روپے پیسے کی ضرورت تھی اور نہ مکانوں اور سواروں کی۔ وہ آبادی، جنگل اور کوہ و صحرا میں ہر جگہ کندھے پر چادر رکھے پہنچ جاتے تھے اور اپنی سادہ معاشرت اور زاہدانہ عادت کے سبب سفر و حضر میں بلا تکلف گزارہ کر سکتے تھے۔ اپنی غیر پولیٹیکل اور خالص مذہبی زندگی کے سبب کوئی بھی حکومت انہیں قوم و ملک کے لیے چنداں خطرناک تصور نہیں کرتی تھی۔ اس لیے ان صوفیاء کو تمام اقوام میں اشاعتِ اسلام کے کافی اور عمدہ مواقع ملتے رہے اور یہی طریقہ اس قدر موثر ثابت ہوا کہ جہاں جہاں ان درویشوں کے قدم پہنچے، وہاں دینِ اسلام کے چراغ جگمگا اٹھے۔

اس دور کے ہندو استدراک پر یقین رکھتے تھے اور ان کے جوگی، پنڈت اور برہمن روحانی شکتی کے لیے جنگوں اور غاروں میں سخت مجاہدے کرتے تھے۔ بایں ہمہ وہ ان روحانی قوتوں کے مالک نہ بن سکے جو صوفیاء کو اسلام کے فیضان سے حاصل تھیں۔ اس لیے وہ معمولی

۱۰ آگرہ، دہلی، لاہور اور ملتان وغیرہ مرکزی مقامات پر عیسائیت کی اشاعت کے لیے عالی شان عمارتیں تعمیر کی گئیں جو اب تک قائم ہیں۔

۱۱ لاہور میں عبدالجلیل اور جوگی جے پال کا مقابلہ (اذا کار قلند ص ۱۳۱) اجودھن میں حضرت شیخ العالم فرید الدین مسعود گج شکر (باقی صفحہ ۷۳ پر)

جرح قدح کے بعد اسلام کی بے پناہ روحانی قوت کے اُگے جھک جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت کے خدام نے تبلیغ کی جدوجہد کو زیادہ موثر بنانے کے لیے ہر قریہ اور آبادی میں علم الہیات کے مدارس قائم کئے۔ جنہیں خانقاہوں سے موسوم کیا جاتا تھا۔ انہیں ملتان کے مرکزی تبلیغی یونیورسٹی کے نصاب کے مطابق انسانی کمال اور روحانی جلال کے حصول و عروج کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ ایسے روحانی سنٹر پنجاب اور سندھ کے چپے چپے پر قائم تھے اور جب یہ اللہ والے رشد و ہدایت کا علم لہرا کر امر بالمعروف اور منہ عن المنکر کی بجا آوری کے لیے روانہ ہوتے، تو ان کے آنے کی پہلے سے لوگوں کو اطلاع ہو جاتی تھی اور وہ تمام کام نپٹا کر ان خدا شناسوں کے انتظار میں دیدہ و دل فریبی راہ کر دیتے تھے۔ سہروردی فقراء ہر منزل پر ایک دو یوم ضرورت کے مطابق قیام کر کے تبلیغی مجالس ترتیب دیتے۔ صاحبِ حال صوفی اور نامور مشائخ اثر میں ڈوبی ہوئی تقریریں کرتے، جس سے سامعین کے قلوب لرز جاتے۔ فولادی طبائع نرم ہو کر موم بن جاتی تھیں۔ خشونت آمیز نگاہوں سے خشیتِ الہی کی دھاریں مچھوٹ پڑتیں۔ بڑے بڑے سنگدل انسان خدا کے قہر و غضب اور اس کی بے پناہ گرفت سے کانپ اُٹھتے اور بچوں کی طرح ہلک ہلک کر روتے لگتے۔ ایک ہی نشست میں ہزاروں فاسق و بدکار تائب ہو کر قطب و ابدال بن جاتے تھے۔

ان کے علاوہ تبلیغی جماعتیں جو اس مقصد کے لیے روانہ کی جاتی تھیں، وہ اپنے نان نفقہ کا بوجھ کسی پر نہیں ڈالتی تھیں، بلکہ حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ علیہ کی طرف سے اُن کو لاکھوں روپے کا سامان تجارت خرید کر دیا جاتا تھا۔ ہر پڑاؤ پر دوکانیں کھل جاتیں۔ نانباتی کھانا تیا کرتے، بزاز کپڑوں کی دوکانیں سجاتے اور بخارے قسم قسم کا سامان لے بیٹھتے۔ محافظ دستہ جنگی مظاہرے کر کے نوجوانوں کو جہاد کے لیے اُبھارتا۔ زور آزمائی ہوتی، گھوڑ دوڑ، نیزہ بازی اور شمشیر افگنی کے کمالات سے مردہ دلوں میں زندگی کی ایک نئی روح دوڑنے لگتی۔ حضرات علماء ایک جانب لاکھوں کے ہجوم میں قرآن و حدیث کے واعظ کرتے نظر آتے۔ دوسری طرف گچھے دار جھاڑیوں میں

۱۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۳ سے) سے ہندو جوگی بشمبر ناتھ نے مقابلہ کیا اور منہ کی کھائی۔ "تذکرہ بابا فرید گنج شکر"

عارفانِ حق اگاہ کا حلقہ نظر آتا تھا۔ جس میں زندگی اور قلوب نہ صرف صیقل ہوتے، بلکہ تزکیہ نفس، استغراق مراقبہ اور عبادتِ شریعہ کے لیے آمین تیار کیا جاتا تھا۔

سید صباح الدین عبدالرحمان ایم اے لکھتے ہیں :-

”ملتان کی مدتِ قیام میں نہ صرف ملتان بلکہ سارا ہندوستان حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات کے انوار سے منور ہو گیا تھا اور ان کا عمد خیر الاعمال کہا جاتا ہے۔“

شیخ محمد نور بخش سلسلہ الذہب میں ارشاد فرماتے ہیں :-

”حضرت بہاء الدین زکریا ملتان قدس سرہ ہندوستان میں رئیس الاولیاء تھے۔ علوم ظاہری کے عالم اور مکاشفات و مشاہدات کے مقامات و احوال میں کامل تھے۔ ان سے اکثر اولیاء اللہ کے سلسلے منتسب ہوئے۔ لوگوں کو رشد و ہدایت کی تلقین فرماتے اور انہیں کفر سے ایمان کی طرف، معصیت سے اطاعت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لے آئے اور ان کی شان بڑھی تھی۔“

صاحبِ سفینۃ الاولیاء کے الفاظ یہ ہیں :-

”حضرت بہاء الدین زکریا شیخ الشیوخ سے رخصت ہو کر ملتان آئے اور یہیں توطن اختیار کیا۔ رشد و ہدایت میں مشغول ہوئے، تو بہت سے لوگوں نے ان کی ہدایت کی برکت پائی۔ اس دیار کے تمام لوگ ان کے ہی مرید اور معتقد ہیں۔“

حضرت شیخ الاسلام جب اپنے مرشد سے رخصت ہونے لگے تھے، تو انہوں نے آپ کے لیے دین و دنیا کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہونے کی دعا کی تھی اور فرمایا تھا کہ دولت کے انبار قدموں میں پڑے چمکا کریں گے۔ بہت جلد دنیائے

۱۔ بزم صوفیاء، ص ۹۲

۲۔ اخبار الاخیار، ص ۲۶

۳۔ سفینۃ الاولیاء، ص ۱۹۶

دیکھ لیا کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کو رپ جلیں نے دین اور دنیا دونوں کی سر بلندی عطا کی تھی۔ آپ کو ابائے کرام کی طرف سے بہت بڑا خزانہ ترکہ میں ملا تھا، جسے آپ نے درویشوں کے لیے حجرے اور مسافروں کے لیے سرائیں تعمیر کرنے اور زکریا یونیورسٹی کے ابتدائی انتظامات پر خرچ کر دیا تھا۔ بایں ہمہ فتوحاتِ غیبی کا یہ عالم تھا کہ روزانہ لاکھوں آتے اور لاکھوں خرچ ہوتے۔

اس زمانے میں دریائے راوی قلعہ سے ٹکرا کر گزرتا تھا۔ اس کے ذریعے حضور کا سامان تجارت سکھر، بھکر، مٹھ، منصورہ اور پھر وہاں سے عراق، عرب اور مصر تک جاتا تھا۔ خشکی کے راستے کابل، ایران، دہلی اور لاہور سے تجارت ہوتی تھی۔ حضرت اپنی اراضیات کی پیداوار ملک کی خام اجناس اور مصنوعات معتمد خدام کی معرفت دس اور کو بھجواتے تھے۔ مبلغین کی طرح ان کو بھی ہدایت ہوتی تھی کہ کم نفع پر بیچو اور دیانت داری سے معاملہ کرو۔ حضرت کے کارندے جن میں اکثر اہل اللہ اور خدایاں بزرگ تھے، نہایت دیانت داری سے معاملات طے کرتے تھے، جس سے آپ کو بیش از بیش نفع ہوتا تھا۔

اس کے علاوہ کوٹ کروڑ میں حضرت کی جو ذاتی جائیداد تھی، اس سے بھی بڑی آمدن ہوتی تھی۔ تحصیل لوہراں میں واہی غوث الملک اور قلعہ پیر کے نام سے سرسبز اور زرخیز اراضیات سونا اگل رہی تھیں۔ حضرت کے زمانے میں دریائے گھاگرا انہیں سیراب کرتا تھا اور ان کے پاس سے ہو کر گزرتا تھا۔ اس وقت ان اراضیات کا پانی بھی میٹھا تھا۔ بعد میں دریا کے رخ بدلنے سے ان علاقوں کا پانی کڑوا ہو گیا۔ یہ نہایت سیر حاصل رہے تھے۔ لاکھوں روپے کی ان سے سالانہ یافت ہوتی تھی۔

حضرت اپنے زمانے کے بہت بڑے عابد تھے، کلام پاک کی تلاوت سے

نظامِ اوقات | آپ کو بڑا شغف تھا۔ آپ نے ۹۶ سال عمر پائی تھی۔ ہوش سنبھالتے ہی آپ نے یہ معمول بنا لیا تھا کہ ہر رات کو قرآن شریف کا ایک ختم کرتے تھے۔ ایک بار اپنے خلفاء کی کسی مجلس میں تشریف فرما تھے، ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

وتم میں سے کوئی شخص ایسا بھی ہے جو دو رکعت نماز کی نیت باندھے اور ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دے۔ حاضرین میں سے کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی، آخر آپ نماز

کے لیے کھڑے ہوئے اور پہلی رکعت میں قرآن شریف ختم کر کے دوسری میں چوتھائی حصہ

پڑھ کر سلام پھیر دیا۔“

حضرت شیخ الاسلام کی صحت آخر عمر تک قابل رشک رہی۔ چھیانوے برس کی عمر میں بھی بالافانے سے اتر کر جماعت کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے۔ روزانہ فجر، اشراق اور چاشت کی نمازوں کے بعد دیوان خانہ میں مسند ارشاد پر جلوہ فرما ہوتے۔ اس وقت تمام علماء اور مشائخ بالالتزام حاضر ہوتے اور سلوک و معرفت کے دقائق حل کرتے۔ ملازمین تجارت، زراعت اور لنگر خانہ کے حسابات پیش کرتے۔ آپ ان کی پڑتال کراتے اور مناسب ہدایات فرماتے۔ اس دوران شہر اور مہنقات کے غرباء اور مساکین پیش ہوتے، انہیں درہم و دینار اجناس اور خلعتوں سے نوازا جاتا۔ دوپہر کو دولت خانے میں تشریف لے جا کر غذا تناول فرماتے۔ اور جب روزے رکھتے تو لگاتار رکھتے۔

خانگی امور بھی دوپہر کے وقت پیش ہوتے تھے۔ اس کے بعد تھوڑی دیر قبیلہ فرماتے۔

ظہر کو اذان ہوتی تو حضرت مسجد میں تشریف لاکر باجماعت نماز ادا فرماتے۔

اس کے بعد حجرے میں چلے جاتے اور کافی دیر تک اوراد و اذکار میں مصروف رہتے۔

زاں بعد پھر مجلس منعقد ہوتی۔ اس میں تبلیغی جماعتوں کے وفود سے ملاقات کرتے۔ اور ان کی

کارگزاریوں کو سننے اور ان کی مشکلات کو حل فرماتے۔ طالبان علم بھی بعض اہم معاملات لے کر

پیش ہوتے۔ حضرت انہیں درس دیتے اور زیر بحث مسائل پر تقریر فرماتے تھے۔ اس

وقت کسی کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی۔ ہر شخص سر جھکائے ادب سے سنتا رہتا اور یوں محسوس

کرتا گویا آسمان سے کوئی صحیفہ اتر رہا ہے۔

عصر کی اذان سن کر حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ پھر مسجد میں تشریف لے جاتے

اور عام مسلمانوں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر نماز ادا فرماتے۔ اس کے فوراً بعد منبر پر تشریف

لے جاتے۔ قرآن و حدیث کا وعظ ہوتا۔ سامعین کی تعداد ہزار دو ہزار نہیں بلکہ بعض اوقات

چالیس پچاس ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔ وہ چوترا جس پر حضرت نے بیس سال تک بلا ناغہ وعظ فرمایا ہے، اب تک روضہ مبارک کے مشرق میں موجود ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں مشائخ کرام نے حضرت کا وعظ سُن کر وجد کیا ہے۔ عام مسلمانوں نے ہدایت پائی ہے اور ہزار ہا غیر مسلم دین اسلام سے مُشرّف ہوئے ہیں۔ جن خوش نصیب افراد کو زندگی میں کسی باعمل عالم سے وعظ سُننے کا اتفاق ہوا ہے وہ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے وعظ کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی۔ علمائے ربانیین کی آواز محض حلق سے نہیں نکلتی تھی، بلکہ دل کی عمیق گہرائیوں سے اٹھتی تھی۔ یہی قدسی نفوس علماء مسجدوں کے محرابوں میں کھڑے ہو کر دعوتِ عمل دیتے تو حاضرین میں بجلی کی سی تڑپ پیدا ہو جاتی اور آنکھوں کے ڈھیلے فرطِ جوش سے خونین نظر آنے لگتے۔ بارہا ایسا ہوتا کہ یہی حربِ نا اشنا مٹھی بھر مسلمان خطبہ سُن کر مسجد سے نکلتے اور سیاسیاتِ عالم کا مہرہ پلٹ کے رکھ دیتے۔ انہی تاثرات کے پیش نظر شیخ سعدیؒ نے فرمایا تھا:

صاحبِ دلے بدر کہ آمد ز قانقاہ بشکستِ عہدِ صحبتِ اہلِ طریقِ را

گفتم میانِ عابد و عالم چہ فرق بود تا اختیار کردی ازاں دینِ طریقِ را

گفت اں گلیمِ خویش سے برد ز موج

دینِ حمد سے کند کہ بگیرد غریقِ را

لیکن یہ حضرت شیخ الاسلامؒ کا ہی مقام تھا کہ آپ اپنے عہد کے بہت بڑے عابد بھی تھے اور بے پناہ عالم بھی۔ حجرے میں بیٹھ کر ارادت مندوں کو تزکیہٴ نفس کی تعلیم بھی دیتے تھے اور مسجد و محراب کی نہایت بن کر لوگوں کے دلوں کو گرماتے بھی تھے۔ بسا اوقات ایک ہی نشست میں ہزار ہا غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے تھے اور یہ تو روز کا مشاہدہ تھا کہ کوئی نہ کوئی دنیا دارِ فاسق، وعظ سُن کر چیخ اٹھتا اور اپنا مال و اسبابِ خدا کی راہ میں لٹا کر حضرت کے خدام میں شامل ہو جاتا۔

غروبِ آفتاب سے پہلے مضافات میں ہوا خوری کے لیے تشریف لے جاتے۔ کبھی سواری

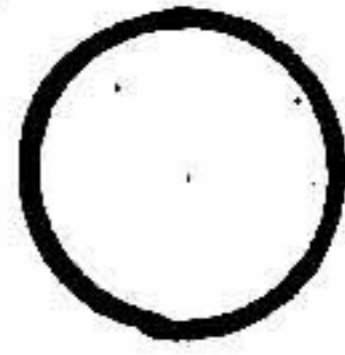
پر، کبھی پیادہ اور کبھی ہوادار میں۔

خاص خاص خدام اور ارادت مند ہمراہ ہوتے۔ مغرب کو واپسی ہوتی اور باجماعت نماز

ادا کرنے کے بعد تخلیہ میں چلے جاتے اور دیر تک اور اذکار میں مصروف رہتے۔
 عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے پھر مسجد میں تشریف لے آتے اور نماز پڑھ کر ڈیڑھ پہر رات تک
 عبادت میں مصروف رہتے۔ اور اذکار سے فارغ ہو کر دولت خانہ میں تشریف لے جاتے
 اور غذا تناول فرما کر کچھ دیر استراحت کرتے۔

ایک تہائی رات لے کر پھر بیدار ہوتے، اس وقت تمجد ادا فرماتے۔ علاوہ ازیں خلوتی
 اور اذکار بھی ختم کئے جاتے۔ اس کے بعد صبح کی نماز تک حجرہ شریف سے قرآن مجید تلاوت
 کرنے کی آواز آتی اور کسی کسی وقت ایک آہ جگر دوز! جس کا اظہار ذیل کی رباعی سے ہوتا ہے۔
 جو اکثر اوقات صغور کی زبان مبارک سے سننے میں آتی تھی۔

دریاد تو اے دوست چنناں مدہوشم
 صد تیغ اگر بزنی سحر مخروشم
 آہے کہ بزغم بیاد تو وقت سحر
 گمہ ہر دو جہاں دہند واللہ! نفروشم



سہ روزیوں پر تیرا اور چھٹیوں
 پر تنگدستی کا الزام

بعض مصنفین نے سہروردیوں پر تمول اور چشتیوں پر تنگ دست ہونے کا الزام لگایا ہے۔ چنانچہ شمیم محمود زیدی صاحبہ لکھتی ہیں :-

در بخلاف پیروان مسلک چشتیہ، سہروردیہ مردمان پولدار و متمول بودند، در حالیکہ صوفیان چشت امتثال قطب الدین بختیار کاکی المتوفی ۶۳۳ھ۔ بابا قرین الدین گنج شکر المتوفی ۶۶۴ھ وغیرہ گامی برای سیر کردن شکم و سائل کافی در دسترس نداشتند و علاقہ ای چندان بہ پول و مال و منال نشان نمی دادند^۱۔

حالا تکہ اپنے گھوڑوں کو سونے کی میخوں سے چشتیوں نے باندھا ہے، سہروردیوں نے نہیں۔^۲ زیدی صاحبہ کا یہ الزام قطعاً غلط ہے کہ مشائخ چشت اسباب زلیت کے لیے تنگ رہتے تھے، یہ صورت حال ان کی خود اختیاری تھی، مجبوری کی نہ تھی۔

ایک دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ ایک درویش کو اس بات کا اختیار دیا گیا کہ خواہ تو دنیا و مافیہا کو پسند کر، خواہ عاقبت کو۔ درویش نے کہا جو کچھ میرے لیے آخرت میں تیار کیا گیا ہے میں اُسے پسند کرتا ہوں۔ جب حضور نے ارشاد گرامی ختم کیا تو امیر المؤمنین ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رونا شروع کیا۔ صحابہ نے پوچھا، کیا معاملہ ہے؟ فرمایا کہ جس درویش کا ذکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔^۳

۱۔ "احوال و آثار" ص ۱۳

۲۔ سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے حضرت محبوب الہی قدس سرہ کو طعنہ دیا تھا کہ دعویٰ درویشی کا کرتے ہو، مگر تمہاری دنیا داری کا یہ عالم ہے کہ آپ کے گھوڑے سونے کی میخوں سے باندھے جاتے ہیں۔ (چشتی اولیاء نامہ ص ۲۳۲) (خواجہ حسن نظامی ہلوی)

۳۔ فوائد الغرادر ص ۶۶

حضرت محبوب الہی نے فرمایا کہ ایک درویش نے خضر علیہ السلام سے کہا کہ اگر ساری دنیا بھی مجھے دے دیں اور کہیں کہ قبول کر لے، تجھ سے حساب نہیں لیا جائے گا اور ساتھ ہی یہ بھی کہیں کہ اگر قبول نہیں کرے گا تو تجھے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، تو میں دوزخ قبول کر لوں گا، لیکن دنیا قبول نہیں کروں گا۔

خضر علیہ السلام نے پوچھا کیوں؟
 کہا اس واسطے کہ دنیا پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔ پس جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہے، اسے قبول کرنے کی نسبت میں دوزخ کو قبول کر لینا بہتر خیال کرتا ہوں۔“

جب حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ نے حضرت شیخ الحداد امیری رحمۃ اللہ علیہ کو ترقہ خلافت مرحمت کیا، تو فرمایا کہ فقر، فاقہ، لہج و محنت، شادی و غم کا برابر جانا، مصیبت پر صبر کرنا، غرباء اور فقراء کے ساتھ محبت رکھنا، مسکینوں اور درویشوں کے ساتھ محبت رکھنا، اہل دنیا سے بچنا۔“

گویا یہ چشتیوں کا ضابطہ حیات ہے۔ اُن کے پاس فقراء اور مساکین کے لیے سب کچھ ہوتا ہے۔ وہ روزانہ مسکینوں اور درویشوں پر ہزاروں روپے خرچ کرتے تھے، مگر خود روزہ سے رہتے تھے۔

حضرت شیخ الحداد خواجہ معین الدین چشتی جو بڑے صغیر پاک و ہند میں تمام چشتیوں کے شیخ الکل ہیں، انہوں نے ترکہ میں انگوروں میں باغ پایا تھا۔ مگر آپ نے نہ صرف باغ بلکہ مکانات وغیرہ بھی فروخت کر دیئے اور تمام قیمت فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دی اور خود طلب الہی میں سمرقند کو چلے گئے۔

اجمیر میں آپ دن کو روزے سے رہتے اور رات قیام میں گزرتی تھی۔ تین دنوں کے بعد روٹی کے خشک ٹکڑوں سے افطار کرتے۔ کپڑا نیا ہوتا یا پُرانا، اس میں پیوند ضرور لگاتے تھے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ نے ستر برس تک شب کو خواب استراحت نہیں فرمائی۔ نیز فرماتے ہیں کہ میں بیس سال تک حضرت کی خدمت میں رہا ہوں میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے اشارۃً بھی کسی کے سامنے کچھ احتیاج ظاہر کی ہو۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی کا استغناء | ایک مصنف نے حضرت کاکی علیہ الرحمۃ کی تنگ دستی کا ذکر خصوصیت سے

کیا ہے۔ ان کے استغناء کا ذکر حضرت شیخ کبیر فرید الدین شکر گنج علیہ الرحمۃ کی زبان سے سنئے، فرماتے ہیں :-

» ایک مرتبہ میں شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی کی خدمت میں حاضر تھا کہ سلطان شمس الدین التمش کا وزیر اعظم مع لشکر شاہی کے حاضر ہوا اور عرض کی کہ بادشاہ نے چھ گاؤں کی ملکیت اور کچھ چیز بطور نذر بھیجی ہے۔ آپ نے مسکرا کے فرمایا کہ اگر ہمارے خواجگان قبول کرتے، تو ہم بھی کر لیتے۔ اگر آج ہم ان کی متابعت نہ کریں تو قیامت کے دن انہیں کیا منہ دکھائیں گے؟ یہ پروانہ اور نذر نذور لے جاؤ، کیونکہ اس کے طالب اور بہت ہیں جو کلاہ پوش ہیں۔“

حضرت محبوب الہی نظام الدین اولیاء راحت القلوب میں لکھتے ہیں کہ ابجدھن کے حاکم نے اپنے ملازم کے ہاتھوں دو گاؤں کا حکمانہ اور بائیس بوریاں نقدی کی حضرت شیخ کبیر فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ کی خدمت میں بھجوائیں۔ جب یہ لوگ پہنچے تو آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گئے اور وہ مال وغیرہ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا :-

» میں نے شروع سے اب تک اس قسم کا مال کسی سے قبول نہیں کیا اور نہ ہی ہمارے خواجگان کی یہ رسم ہے۔ اسے واپس لے جاؤ۔ کیونکہ اس کے طالب اور بہت ہیں انہیں دیدو۔“

۱۰ دلیل العارین ص ۱۰۰ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی صاحبہ

۱۱ ، ۱۲ - راحت القلوب اردو ترجمہ ص ۱۰۰

حضرت محبوب الہی دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کے حسب حال یہ حکایت بیان فرمائی :-

ایک مرتبہ سلطان ناصر الدین محمود نے اپنے سپہ سالار غیاث الدین بلبن کے ہاتھ جوہر کی طرف آ رہے تھے، چار گاؤں کی ملکیت کا حکمنامہ اور کچھ نقدی بطور نیا زمیرے پاس بیٹھی۔ جن میں سے چاروں گاؤں میرے لیے اور نقدی درویشوں کے لیے تھی۔

میں نے مسکرا کر کہا کہ اسے لے جاؤ، اس کے طالب اور بہت ہیں، انہیں دو، ہمارے خواجگان اور مشائخ نے اس قسم کی چیزیں قبول نہیں فرمائیں۔

پھر ابدیدہ ہو کر فرمایا کہ اگر ہم اس قسم کی چیزیں لیں، تو ہمیں درویش نہیں کہیں گے، بلکہ مالدار کہیں گے اور کہیں گے کہ یہ گاؤں کا مالک ہے۔ پھر یہ منہ درویشوں کو کس طرح دکھائیں گے اور ان میں کس طرح کھڑے ہوں گے۔ اسے لے جاؤ اور دوسروں کو دے دو۔

حضرت خواجہ قطب الدین گنج شکرؒ فرماتے تھے کہ آدمی کی کمالیت، کم کھانے کم سونے، کم بولنے اور خلقت سے کم میل جول رکھنے میں ہے۔

ایک اور موقع پر فرمایا :

• ”جو درویش مخلوق کو دکھانے کے لیے عمدہ لباس پہنتا ہے، وہ درویش نہیں،

بلکہ راہ سلوک کا راہزن ہے۔“

• اور جو درویش نفس کی خواہش کے مطابق عمدہ کھانا پیٹ بھر کر کھائے، وہ راہ سلوک میں دروغ گو، بھوٹا مدعی اور خود پرست ہے۔

• جو درویش دولت مندوں کی ہم نشینی کرتا ہے، وہ طریقت کا مرتد ہے۔

• اور جو درویش نفسانی خواہش کے مطابق خوب جی بھر کر سوتا ہے جان لو کہ نعمت ہر مدی سے محروم ہے۔

۱۔ راحت القلوب اردو ترجمہ ص ۲۰۰ فائدہ السالکین، ص ۲

۲۔ فائدہ السالکین ص ۳

ہمہ پیشینوں کا بڑے پیمانے پر لنگر خانے جاری تھے

بلاشبہ چشتی حضرات خود تو روزہ سے رہتے اور اپنے لیے کسی سے کچھ قبول نہ کرتے تھے، مگر درویشوں اور مسکینوں کے لیے اُن کے ہاں وسیع پیمانے پر لنگر جاری تھے۔ حضرت شیخ المذعلیہ رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین حضرت خواجہ قطب الدین علیہ الرحمۃ کا بیان ہے :-

حضرت خواجہ غریب نواز کا باورچی خانہ جب سرد ہوتا اور خادم اُکڑ کر عرض کرتا تو آپ جاننا کہ الٹ دیتے اور خادم سے فرماتے جس قدر آج اور کل کے لیے کفایت کرے لے لے، وہ اُسی قدر اُٹھالیتا۔

اور جب کوئی حاجت مند یا غریب آتا تو جاننا کہ نیچے سے اپنی مراد حاصل کرتا تھا۔ حضرت خواجہ قطب الاسلام شہنشاہ ہند سلطان شمس الدین التمش کے مرشدِ طریقت تھے۔ انہیں کس بات کی پرواہ تھی۔ سینکڑوں امراء، وزراء اور رؤساء حاضر ہو کر نذرین پیش کرتے۔ اس طرح ہزاروں درہم و دینار جمع ہو جاتے، مگر حضور ایک ہی نشست میں مساکین اور فقراء میں بانٹ دیتے۔

اس داد و دہش کے علاوہ آپ کا عظیم الشان لنگر خانہ تھا۔ جس سے دہلی کے فقراء اور مساکین قوتِ لامیوت حاصل کرتے تھے۔ حضرت شیخ کبیر فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ وہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمومی لنگر کے علاوہ حضور کے ذاتی دسترخوان سے بھی اکابر علماء اور مشائخ کی ایک جماعت استفادہ کرتی تھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

» ایک دفعہ مجلس گرم تھی اور حضرت قطب الاسلام خواجہ حمید الدین بہورنی کا ذکر کر رہے تھے کہ طعام لایا گیا۔ حضرت خواجہ صاحب اور تمام درویش کھانے میں مشغول ہو گئے۔ کھانا کھانے کے بعد حضرت نے شیخ نظام الدین ابوالموئید سے فرمایا کہ درویش لوگ جو کھانا کھاتے ہیں تو صرف اس

غرض سے کھاتے ہیں کہ ان میں عبادت کرنے کی طاقت پیدا ہو جائے، اس لیے ان کا کھانا، کھانا بھی داخل عبادت ہے۔“

ابودھن کا مہمان خانہ

حضرت شیخ کبیر الدین محمود گنج شکر قدس سرہ کے لنگر خانے کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ آپ نے اپنے بھانجے

مخدوم علی احمد صابر کو لنگر خانے کا ہتم بنایا تھا، لیکن خود روزے سے نہ پا کرتے تھے اور مخدوم صابر بھی دُبلے اور کمزور ہوتے جا رہے تھے۔ جب حضرت مخدوم کی والدہ ماجدہ ہرات کے سفر سے واپس آئیں اور انہوں نے اپنے نور العین کو اس قدر لاغر پایا، تو حیران رہ گئیں۔ حضرت شیخ کبیر سے عرض کیا، میرے بیٹے کا یہ کیا حال ہو گیا ہے؟ کیا تیرے ہاں اس یتیم کے لیے دوپٹے بھی نہیں تھے؟ حضرت شیخ کبیر نے فرمایا کہ میں نے تو بر خور دار کو لنگر خانے کا ہتم بنا رکھا ہے۔ تمام مسافروں، مسکینوں اور درویشوں کو یہی کھانا تقسیم کرتا ہے۔ حضرت مخدوم صابر رحمۃ اللہ علیہ فوراً عرض گزار ہوئے:

”قبلہ عالم! آپ نے لنگر تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ کھانے کا، میں نے تو اس سے آج تک ایک فلچہ بھی لے کر نہیں کھایا۔“

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت کے ہاں بڑے پیمانے پر لنگر جاری تھا۔ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا قدس سرہ کے تذکرہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب آپ حضرت شیخ کبیر علیہ الرحمۃ سے ملنے ابودھن جاتے تھے، تو آپ کے آرام و آسائش کا انتظام شیخ جمال ہانسوی کے ذمہ ہوتا تھا۔ حضرت شیخ کبیر قدس سرہ کا یہ ارشاد مطالعہ کرنے کے بعد کوئی شخص آپ پر فقر و تنگ دستی کا حکم لگا سکتا ہے۔ راحت القلوب کے صفحہ ۷۴ پر حضرت محبوب الہی نظام الدین اولیاء لکھتے ہیں: ایک دفعہ سرکار نے فرمایا کہ میرے پاس اس قدر فتوح آتی ہیں کہ اگر انہیں جمع کر دوں تو نزلانے بھر جائیں، لیکن جو کچھ آتا ہے، راہِ خدا میں صرف کر دیتا ہوں۔

۱۰ فوائد البکین ص ۲۰

۱۱ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی: احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، ص ۲۱۲، بحوالہ خلاصۃ العارفين

حضرت محبوب الہی کا مشہور عالم لنگر

ایک مرتبہ حضرت محبوب الہی کی کسی خدمت سے خوش ہو کر حضرت شیخ کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے دعا کی تھی :

”اگر خدا خواہد در مطبخ شامہ فادمن نک خواهد بخت !

قادی کا من آدھے سیر کے برابر ہوتا ہے، اس لیے حضور کے فرمان کا ترجمہ یہ ہوگا :

”اگر خدا نے چاہا، تیرے مطبخ میں ۳۵ سیر تک روزانہ خرچ ہوگا“

اور دنیائے دیکھا کہ بدایون کا یتیم جو دہلی میں ایک طالب علم کی حیثیت سے وارد ہوا تھا سندھ شاد پر فائز ہونے کے بعد اس قدر مرجع خلائق بنا کہ ہزاروں امراء اور رؤسا اس کے دروں میں پڑے بہتے تھے۔ آپ کے دسترخوان پر اتنے اعلیٰ کھانے چنے جاتے تھے کہ بادشاہوں کو نصیب نہیں ہوتے تھے۔ امراء کے سلطنت، بلکہ سلطان محمد تغلق بھی حضرت کے آستان پر حاضر ہو کر اس دسترخوان سے بہرہ مند ہوتا تھا۔

قطب الدین مبارک شاہ کے زمانے میں آپ کی داد و پیش اس قدر بڑھی کہ وہ آپ سے نظر محسوس کرنے لگا۔ ایک دفعہ لکھا کہ شیخ تارک دنیا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر معلوم ہوا ہے کہ ان کے گھوڑے سونے کی میخوں سے باندھے جاتے ہیں، اس کا معقول جواب دیں ورنہ دہلی سے چلے جائیں۔

آپ نے اس خط کی پیشانی پر لکھوایا :

کجا انداختم در دل مگر انداختم در گل
کہ اسپان ما براد قادر رہے کنند

یعنی میں نے سونے کی میخیں دل میں تو نہیں گاڑیں، مٹی میں گاڑی ہیں اور میرے گھوڑے اس پر

پیشاب کرتے ہیں۔“

یہ صحیح ہے کہ جس جو ادا اعظم کے دسترخوان پر سلاطین سے مساکین تک ہزاروں کی تعداد میں روزانہ قسم قسم کے لذیذ کھانے کھاتے تھے۔ خود روزہ سے رہتا اور شام کو ایک کلمے سے افطار کرتا تھا، لیکن اگر کوئی مہمان عزیز آجاتا، تو اس کے ساتھ مکلف طعام بھی کھا لیتے تھے۔ ایک دفعہ جب حضرت قطب الاقطاب شاہ رکن عالم قدس سترہ آپسے ملنے آئے تو حضرت نے اپنے خادم خاص خواجہ اقبال کو اشارہ کیا، کھانا لائے اور نذر پیش کرو۔ اقبال فوراً لنگر خانے میں چلے گئے اور کھانے کا خوان لے آئے اور حضرت قطب الاقطاب کے سامنے کھانا چٹا گیا اور انہوں نے اپنے رفیقوں کے ساتھ کچھ تناول فرمایا۔ اس کے بعد خواجہ اقبال نے ایک باریک کپڑے میں سو اشرفیاں باندھ کر حضرت محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ نے قطب الاقطاب کے آگے رکھ دیں۔

اس موقع پر عجیب لطیف ہواہ اشرفیوں کی نردمی اور چمک کپڑے سے باہر نظر آ رہی تھی حضرت قطب الاقطاب نے اس کو دیکھ کر تبسم فرمایا اور ارشاد کیا:

يَا مَوْلَانَا اسْتَرْزُهْبِكَ (اپنی دولت کو چھپاؤ)

جواب میں حضرت محبوب الہی نے فرمایا:

بَلْ مَذْهَبُكَ وَذِهَابُكَ (بلکہ اپنے رستے اور سفر کو بھی چھپاؤ)

اگر چستی حضرات کی گذراوقات تنگ دستی سے ہوتی تھی، تو پھر اتنا وسیع لنگر اور اشرفیوں کی نذر کیا معنی رکھتی ہے؟

اور سنئے:

حضرت محبوب الہی نے وفات سے کچھ دیر پہلے جو کچھ لنگر میں تھا، وہ سب غریبوں اور مسکینوں کو تقسیم کر دیا۔ دوسرے دن خواجہ اقبال سے فرمایا کہ کوئی چیز باقی نہ رکھو، سب لٹا دو۔ ورنہ سب ذمہ داری تم پر عائد ہوگی۔“

پھر سید حسین کہ مانی سے ارشاد کیا، تم جاؤ اور جا کر دیکھو کہ اقبال نے سب کچھ لٹا دیا ہے یا کچھ باقی ہے؟ سید حسین کہ مانی نے عرض کیا۔ اقبال نے حضرت کے حکم کی پوری تعمیل کی ہے، صرف انبار خانوں میں غلہ باقی ہے، جو درویشوں کی خوراک کے لیے بچا کر رکھا ہے۔ یہ جواب سُن کر حضرت

برہم ہوئے اور فرمایا، ابارہ خانوں کے دروازے توڑ ڈالو اور زمین کی اس ریت (غلتے) کو لٹا دو۔ چنانچہ اطراف کے فقراء اور مسکینوں کو خبر دی گئی اور وہ بکثرت جمع ہو گئے۔ کوٹانی صاحب نے ابارہ خانوں کے دروازے کھول دیئے۔ فقیروں نے سب کچھ لوٹ لیا۔

مذکورہ بالا اقتباسات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت محبوب الہی کے ہاں درویشوں، مسکینوں اور مہمانوں کے لیے شاہانہ انتظام تھا۔ لنگر خانے میں ایسے عمدہ اور اعلیٰ کھانے پکاتے تھے کہ سلاطین اور امراء کو بھی نصیب نہیں ہوتے تھے۔ لنگر کے لیے اجناس کے ذخائر، ابارہ خانوں میں مقفل تھے چار پائیوں، بستروں اور برتنوں کا معقول انتظام تھا۔ اس کے باوجود لاکھوں کا ان داتا خود روزہ سے رہتا تھا۔ اس کیفیت کو فقر و فاقہ اور تنگ دستی کا نام دینا کہاں مناسب ہے؟

مولانا فخر الدین دہلوی، قبلہ عالم خواجہ نور محمد مبارہوی، حافظ محمد جمال اللہ، قاضی محمد عاقل، اور خواجہ محمد سلیمان تونسوی (رحمہم اللہ علیہم) ان سب کے ہاں دونوں وقت مسکینوں اور درویشوں کو کھانا ملتا تھا اور خود علماء اور مشائخ کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر ماہر تناول کرتے تھے۔ حضرت خواجہ غلام فرید (چاچڑاں شریف) کے مطبخ میں روزانہ ۱۲ من آٹا پکاتا تھا اور حضرت نے اپنی زندگی میں اسی لاکھ روپے فقراء اور مساکین میں تقسیم کئے تھے۔ خدام کو ہدایت تھی کہ نذر و نیاز کی رقمیں صبح کو پیش کی جایا کریں تاکہ ظہر تک تمام رقم ٹھکانے لگ جائے اور ہم دامن جھاڑ کر نماز کے لیے مسجد میں جائیں۔ کیا ایسے گنج بخش اولیائے کاملین کے بارے میں یہ کہنا موزوں ہے کہ:-

”گاھی برای سیر کردن شکم و سائل کافی در دسترس نداشتند“،



۱۔ ”تذکرہ شاہ دکن عالم رحمۃ اللہ علیہ“ ص ۱۸۳

۲۔ ملفوظ حضرت نازک کریم، ص ۷

۳۔ ”احوال و آثار“ شیخ بہاء الدین نیکریا رحمۃ اللہ علیہ، ص ۱۲

سہروردیوں کا جُود و سخا

سہروردیوں کے شیخ الکل حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی علیہ الرحمۃ ہیں ان کو احوال و آثار کے مصنف کے نزدیک سب سے زیادہ مالدار ہونا چاہیے۔ ان کی بابت حضرت شیخ العالم فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ کا مشاہدہ ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد ہوتا ہے :

”اس دعا گو نے شیخ شہاب الدین سہروردی کی زیارت کی ہے اور چند روز آپ کی خدمت میں بسر کئے ہیں۔ اس عرصے میں تقریباً چھ ہزار دینار ہر روز آپ کی خانقاہ میں بطور نذر آتے اور سب راہِ خدا میں صرف کئے جاتے اور رات کو ایک پیسہ بھی نہ بچاتے۔ ساتھ ہی یہ فرماتے تھے کہ اگر میں کچھ بچاؤں تو لوگ مجھے درویش نہیں کہیں گے بلکہ کہیں گے کہ یہ درویش مالدار ہے۔“

خدا کی شان! باوجود اس احتیاط کے لوگوں نے آپ کو ”مردمان پولدار“ و ”متمول“ میں شامل کر ہی دیا۔

شیخ الشیوخ کے مریدوں میں حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ خصوصی شہرت کے مالک ہیں، سیدانی بزرگ تھے۔ ساری عمر ”سیر فی الارض“ کی نذر ہوئی۔ ایک جگہ میربان نے کھانے میں جو ذرا تکلف برتا، تو آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا ”ہائے دعوتِ شیراز“

آپ ہی گلستان میں لکھتے ہیں :

جوئی پھٹ گئی تھی، نئی جوئی خریدنے کے لیے پیسہ پیسہ جمع کیا اور جوتا خریدنے کے لیے روانہ ہوئے، مگر جب ایک مسجد سے نماز پڑھ کر نکلا تو اچانک ایسا درویش نظر پڑا، جس کے پاؤں ہی نہیں تھے، میں نے وہ رقم اسکے حوالے کر دی کہ جوئی نہیں تو کیا ہوا، پاؤں تو ہیں۔“

ترک دنیا کے بارے میں حضرت محبوب الہی کا نظر یہ ہے

ترک دنیا کے بارے میں اولیائے کرام کے نظریات ملاحظہ ہوں۔ حضرت نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

”د ترک دنیا سے یہ مراد نہیں کہ انسان اپنے تئیں سنگار کھے اور لنگوٹا باندھ کر بیٹھ جائے بلکہ ترک دنیا کا مفہوم یہ ہے کہ انسان لباس بھی پہنے اور کھائے بھی، لیکن جو کچھ اُسے ملے، اس کی طرف راغب نہ ہو اور نہ اس سے دل لگائے۔“

جو لوگ حضرت شیخ الاسلام کے متول پر طنز کرتے ہیں، وہ آپ کے منصب سے واقف نہیں۔ حضور اپنے دور کے شیخ کامل تھے اور شیخ کامل کا ہر فعل شریعت کے تابع ہوتا ہے۔ اس لیے تاریخ شریعت کے تقاضے کو پورا کیا اور روپے پیسے کو صحیح معنی پر خرچ کیا۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، دارالعلوم کے ساتھ ایک دارالاقامہ طلباء کے لیے تھا، ایک علماء اور مشائخ کے لیے۔ ان کے علاوہ ایک سمرائے تھی۔ جس میں آکر مسافر ٹھہرتے تھے۔ ان سب کو ان کی حیثیت کے مطابق کھانا دیا جاتا تھا۔ صبح سویرے حضرت سمرائے میں تشریف لے جاتے اور مسافروں سے تبادلہ خیال فرماتے۔ اسی تاریخ سمرائے میں قلندروں کے ہمراہ مولانا عراقی آئے۔ اسی سمرائے میں حضرت کی پکار گوبھی۔ میر حسین کیست، اسی طرح ہرزورسا لکین کی جماعت ملتان پہنچی اور سمرائے میں قیام کر کے حضرت کے فیضان سے بہرہ ور ہوتی۔

سمرائے کے پہلو میں ایک محتاج خانہ تھا، جس میں لوٹھے، لنگڑے اور آنکھوں سے معذور لوگ رہتے تھے۔ ان کی غور و پرواخت پر حضور سب سے زیادہ توجہ دیتے تھے۔ حضرت سید جلال بخاری کی روایت کے بموجب حضور کے ملازمین، طلباء اور حجرہ نشینوں کے علاوہ جو لوگ آکر حضرت کے ہاں قیام کرتے تھے، ان کی تعداد روزانہ سات سو سے ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔

حضور کا شمار اغنیات شاکر میں ہوتا ہے۔ جیسے انبیاء علیہم السلام میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کا مقام ہے اور انہیں بادشاہ کننا سوء ادبی ہے یا جس طرح حضرت یوب علیہ السلام کو اللہ کریم نے دین اور دنیا کی تمام نعمتوں سے نوازا تھا۔ کثیر الاولاد تھے۔ عالی شان محلات میں رہتے تھے، جانوروں کے گلے اور بھیڑ بکریوں کے دیڑیوں کی انتہا نہ تھی۔ ایک روایت کے بموجب ان کے کتوں کو بھی سنہری زنجیروں سے باندھا جاتا تھا، اس کے باوجود کوئی انہیں مالدار نہیں کہتا۔ اسی لیے مرشدِ روئی نے فرمایا ہے، ع

چسیت دنیا از خدا غافل بدن

بایں ہمہ حضرت شیخ الاسلام کے سوا سہروردیوں میں ایسا کون ہے، جس پر پولدار کا اطلاق ہو سکے۔ حضرت شیخ الاسلام صدر الدین عارف کو ترکہ میں ستر ہزار اثرفنی ملی تھی۔ تین دنوں میں محتاجوں اور درویشوں میں بانٹ کر فادغ ہو گئے۔ زندگی بھر مقروض رہے۔ حضرت شاہ رکن عالم کو دہلی جانے پر لاکھوں اثرفنیاں شہنشاہ کی طرف سے نذر کی جاتی تھیں۔ حضور وہ تمام خزانہ دہلی کے محتاجوں اور مسکینوں میں بانٹ کر خالی ہاتھ واپس آتے تھے۔

سلطان محمد تغلق ملتان آیا، اُس نے آپ کو سو دو پہات نذر کئے۔ لیکن حضور نے یہ تمام اراضی اپنے مریدوں، بویہ اور یوسنوں میں بانٹ دی، ایک مرلہ بھی اپنے پاس نہ رکھا۔ سلطان نے اپنے والد کا تعمیر کردہ مقبرہ نذر کیا، تو آپ نے مدرسہ کو دے دیا۔

سلطان حمید الدین حاکم سہروردی کچھ مکران کے بادشاہ تھے۔ تخت و تاج چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی اور حضرت شاہ رکن عالم کے مرید ہوئے۔ شیخ احمد ملتان کے بہت بڑے سوداگر تھے۔ حضرت عارف باللہ کے مرید ہوئے تو تمام مال و اسباب منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد اللہ کے نام بانٹ دی، حتیٰ کہ لنگوٹی باندھ لی اور کپڑے بھی اتار دیئے۔

مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری قدس سرہ کے ہاں دن کو جو کچھ آتا، سب درویشوں میں بانٹ دیتے۔ رات کو سوتے وقت پانی سے گھڑوں کو بھی خالی کر دیتے۔ تفرید و تجرید کی اس

سے روشن مثال اور کیا ہو سکتی ہے؟

ملک محمد اختیار گجرات کے وزیر اعظم تھے، سہروردی سلسلے میں بیعت ہوئے تو وزارت سے مستعفی ہو گئے اور زندگی بھر کا سرمایہ لٹوا دیا۔ امیرانہ کپڑے اتار پھینکے۔ فقیروں جیسے میلے کچیلے کپڑے پہنے اور ریش و بردت بلکہ سر کے بال بھی منڈوا دیئے کہ یہ وزارت کی دنوں کے پیداوار ہیں اور انہیں بھی نہیں رہنا چاہیے۔

ملک عبداللطیف سلطان محمود مکرہ کے سپہ سالار ایک مہم سے واپس آ رہے تھے، تھکے ہوئے تھے، ایک درخت کے نیچے آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ فوجوں نے گھوڑے کھیت میں پھوڑ دیئے۔ دوسرے گھوڑے چرتے رہے، لیکن ملک عبداللطیف کا گھوڑا خاموش کھڑا دیکھتا رہا۔ آپ جب اٹھے تو انہوں نے چادہ قیمتا خرید کر گھوڑے کو کھلایا۔

خواجہ حسام الدین متقی خود ہل چلا کر روزی پیدا کرتے اور طلباء و درویشوں کو کھلاتے تھے۔ ان سے خدمت لینا گناہ سمجھتے تھے۔ اسی طرح اگر پورے سلسلے کا جائزہ لیا جائے، تو محدودے چند بزرگوں کے سوا باقی سارے حشمتی حضرات کی طرح خالی ہاتھ نظر آتے ہیں۔ یائیں ہمہ خداوندِ عالم نے انہیں تمام خزانوں پر دسترس عنایت کر رکھی تھی (اس لیے) کسی اہل اللہ پر تمول یا تنگدست ہونے کی پھبتی کستا۔ ان کے احوال سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔

شیخ الاسلام کی وحاکام کی معاشرت پر اثر

حضرت شیخ الاسلام کی آمد سے قبل ملتان کی اخلاقی و سماجی حالت انتہائی پست تھی۔ دفتروں میں رشوتیں چلتی تھیں۔ بازار کالین دین صحیح نہیں تھا۔ نہ چیزیں اچھی ملتیں اور نہ نرخ مناسب۔

۱۔ تحفۃ الکرام، جلد اول، ص ۵۸، ص ۵۹۔

۲۔ تذکرہ شاہ رکن عالم ملتان ص ۵۹۲

۳۔ شیخ حسام الدین متقی ص ۲۱۳

ملازم، مزدور بھی مُنہ مانگی مزدوری مانگتے تھے۔ دیانت، رخصت اور خیانت کا بازار گرم تھا۔ راہزنی اور ڈکیتی آئے دن کا معمول بن چکا تھا۔ لوگ قافلوں کی صورتوں میں چلتے، مگر پھر بھی لوٹ لیے جاتے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام نے ان تمام خرابیوں کو دور کرنے کے لیے سب سے پہلے لوگوں کے دلوں میں خدا خوفی کا جذبہ پیدا کیا۔ اس کے بعد ہر شخص کو بیعت کرنے سے پہلے پوچھتے کہ تمہارا ذریعہ معاش کیا ہے؟ حلال کھانے کی ترغیب دیتے اور فرماتے کہ اگر تم اپنے اپنے فرائض کو نیک نیتی اور دیانت داری سے انجام دو گے، تو تمہاری کائی میں برکت ہوگی اور آخرت میں اللہ کریم بہشت عطا کریں گے۔

خاکسار کو ایک قلمی رسالہ ملا ہے جو شیخ الاسلام کے کسی مُرید کا لکھا ہوا ہے۔ اس کا نام کسب نامہ ہے۔ یہ فارسی زبان میں ہے اور اس میں ججام، ترکھان، دھوبی، جولاہوں اور دکاندازوں کے بارے میں ہدایات درج ہیں۔

ججام کا ذکر سب سے پہلے ہے۔ اس میں پہلے ججامت کے اوزاروں کا ذکر درج ہے کہ یہ کیونکر اور کس طرح اتارے گئے۔ پھر ججام کے لیے چند دُعا میں درج ہیں کہ بجائے بے ہودہ باتیں کرتے کے ججامت کے دوران یہ دُعا میں پڑھے۔ اُسترے اٹھانے اور استعمال کرنے کی دُعا اور ہے اور تینچی چلانے کی دُعا اور ہے۔

اسی طرح دھوبی کے لیے کپڑوں کے اٹھانے، لکڑی کے پھٹے پر دھونے، سُکھانے، پینٹنے کی الگ الگ دُعا میں ہیں اور ساتھ ہی یہ دھمکی بھی ہے کہ اگر تم عمداً کپڑا پھاڑو گے یا بے پرواہی کرو گے، تو تمہارا حشر قیامت کے دن یہودیوں کے ہمراہ ہوگا۔ اسی طرح جولاہوں کے لیے جنہیں نوربات کہتے تھے، ہدایات دی گئی ہیں۔

آج عورتیں چکی پسنے بیٹھتی ہیں، تو دُنیا جہان کے تمام بھوٹ ایک دوسری کو سُنا تی ہیں، مگر آپ پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ شیخ الاسلام کی نوکرانیاں چکی پسنے بیٹھتیں تو قرآن ختم کر کے اٹھتی تھیں۔ اسی طرح دوکان داروں نے ٹنڈی مارنی چھوڑ دی تھی۔ مسلمانوں کے سامنے ساتھ ہندوؤں پر بھی شوکش گوارا اثر پڑا۔ انہوں نے لین دین میں فریب اور دھوکے سے کام لینا ترک کر دیا۔ چیزیں اصلی اور عمدہ ملنے لگیں۔ پہلے ملازم چاکرا اپنے مالکوں کی چیزیں اُڑا لیتے تھے۔ کام

نیک نیتی سے نہیں کہتے تھے۔ اب سب ہوشیار ہو گئے اور کیا مجال کہ مالک کا سونا پڑا ہو، تو کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھے۔ راستے محفوظ ہو گئے۔ پوری اور ڈکیتی کی وارداتیں ختم ہو گئیں۔ وہی قزلق اور راہزن جو پہلے مسافروں کو لوٹ لیا کرتے تھے، اب سایہ دار درختوں کے تلے پانی کے ٹکے بھر کر رکھتے تاکہ آنے والے اپنی پیاس بجھائیں۔ اگر کہیں راستے میں دفعاً ڈاکوؤں سے واسطہ پڑ جاتا، تو مسافر حضرت شیخ الاسلام کے نام کی دہائی دیتے، تو ڈاکو بھاگ جاتے۔ مولانا جمالی سیر العارفین میں لکھتے ہیں کہ شیخ عبداللہ قوال ابو دھبن سے ملتان جا رہا تھا۔ راستے میں راہزن ننگی تلواریں ہاتھ میں لیے لگا دتے ہوئے آئے۔ اس نے گھبرا کر شیخ الاسلام کو پکارا۔ راہزن اسی وقت ڈر کر بھاگ گئے اور یہ شخص صحیح سلامت ملتان پہنچ گیا۔ جب حضرت کے قدم بوس ہوا، تو حضرت شیخ الاسلام نے از خود دریافت فرمایا کہ ڈاکوؤں سے کیسے چھٹکارا پایا۔

اسی طرح جب سامان تجارت سے لدا ہوا جہاز غرق ہونے لگا تو خواجہ کمال الدین رئیس التجار نے گھبرا کر کہا:

یا پیر دستگیر المدد! المدد!

اس پر حضرت شیخ الاسلام فوراً تختہ جہاز پر نمودار ہوئے اور اہل جہاز کو تسلی دی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں، خیر ہے۔ چنانچہ جہاز بھنور سے بخیریت نکل گیا۔ چنانچہ اب تک برصغیر کے ملاخوں میں یہ رسم چلی آتی ہے کہ جب کشتی کہیں بھنور میں پھنس جاتی ہے، تو وہ ”مدد! بہاء الحق“ کا نعرہ لگاتے ہیں، خدا کے فضل و کرم سے وہ خطرہ ٹل جاتا ہے۔

اسی طرح ایک دفعہ حضرت کے چند مرید ملتان آ رہے تھے۔ راستے میں ایسے بے آب و گیاہ صحرا میں آ پھنسے، جہاں انہیں پانی کا پونج نہ ملا۔ پیاس سے سخت بدحواس ہوئے، قریب تھا کہ ہلاک ہو جائیں، موت و حیات کی اسی کش مکش کے اندر انہوں نے شیخ الاسلام کا نام لے کر پکارا۔ اسی اثنا میں ایک درویش نمودار ہوا اور انہیں کوزہ سے پانی پلا کر چلا گیا۔ انہیں شیخ الاسلام کی زیارت کا پہلے اتفاق نہ ہوا تھا۔ جب ملتان پہنچے تو دیکھا کہ جس درویش نے

لق و دق صحرا میں پانی پلایا تھا، وہی شیخ الاسلام کے نام سے مسند ارشاد پر بیٹھا، خلقِ خدا کو صراطِ المستقیم پر گامزن کر رہا ہے۔ بے اختیار اپنی ٹوپیاں اُتار کر حضور کے قدموں میں ڈال دیں۔ غرض اس قسم کے روحانی تصرفات دیکھ کر عوامِ حضرت کے گرویدہ ہو گئے تھے اور ان کے دلوں سے نفسانیت کی میل کچیل دھل گئی تھی۔ اُمرار سے غرباء تک حجام، جولاہے، ترکھان، دوکاندار اور ملازمین تک سب اپنے اپنے فرائض کا اچھی طرح سے احساس کرنے لگے تھے اور اخلاقی معاشرتی اور جنسی کمزوریاں ایک ایک کر کے رخصت ہو گئی تھیں اور ملتان خیر و برکت کا شہر بن گیا تھا۔ اسی لیے ایک موقع پر بے اختیار حضرت کی زبان سے نکل گیا:

ملتان ماہِ محنتِ اعلیٰ برابر است

آہستہ پابند کہ ملک سجدہ سے کنند

مکتب سہروردیہ کا تعارف | احوال و آثار کے مقالہ نگار نے فرقہ سہروردیہ کا تعارف اس طرح سے کرایا ہے:

» در قرن ہفتم و ہشتم ہجری دو مکتب بزرگ در تصوف اسلامی ایرانی بوجود آمد، اول مکتب مولوی کہ سراسر وجد و سماع و قول و ترانہ بود و دوم مکتب "سہروردی" کہ سراسر زہد و عبادت و مجاہدہ و مداومت در آداب و سنن و اوراد و اذکارہ و رعایت فرائض بود۔

عبارت بالا میں لفظ تصوف اسلامی ایرانی، مکتب مولوی اور پھر "سراسر" قابلِ غور ہیں۔ پہلے تو ہمیں لفظ "ایرانی" سے تعجب ہوا ہے۔ کیونکہ اس کے مطابق ہر ملک کا تصوف جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اب تک تصوف سلاسل سے پہچانا جاتا تھا۔ یعنی سلسلہ قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ اور سہروردیہ وغیرہ۔ اب مقالہ نگار نے اوطان کی زنجیر بھی ڈال دی ہے۔ یعنی عربی تصوف، ایرانی تصوف، ہندی تصوف، مصری تصوف وغیرہ۔

پھر مکتب مولوی "اور سراسر" سے عجیب نیچے پیدا کئے ہیں۔ یعنی حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ

کا مکتب سراسر وجد و سماع اور مکتب "سہروردی" سراسر زہد و عبادت تھا، مبالغے کی انتہا ہے۔ اس سے زیادہ ایک عالم دین اور ولی اللہ کے مکتب فکر سے کیا زیادتی ہو سکتی ہے کہ اُسے ہمہ وقت ڈھوم ڈھادیوں کی طرح دھنک دھیا میں مصروف دکھایا جائے "مکتب" کی شکایت شیخ المکتب کی شکایت ہے۔ مولانا کے قول و عمل کی سب کی موثق شہادت ان کی ٹٹنوی ہے۔ کیا اس کی کسی حکایت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ آپ ہر وقت وجد و سماع میں غرق رہتے تھے۔

مولانا کے اہل مکتب شمس الدین ایچی، شرف الدین موصلی، شیخ سعید فرغانی، حضرت سلطان ولد، حسام الدین چلبی اور مولانا صدر الدین جیسے فخر روزگار علماء تھے۔ جن کا کوئی قول و فعل شریعت کے خلاف نہیں تھا اور حضرت شیخ صدر الدین کا کہنا یہ تھا:

« اگر بایزید بسطامی اس زمانے میں ہوتے تو وہ حضرت مولانا کی غاشیہ پر داری پر ناز کرتے۔ »

اب آپ کی وصیت پر توجہ فرمائیے، جب آپ دار فانی سے ملک بقار کو تشریف لے جانے کی تیاری میں تھے، تو اپنے ارادت مندوں کو بلا کر فرمایا:

اوصیکم بتقوی اللہ فی السر والعلانیة وبقلة الطعام وقلة المنام
وقلة الكلام وھجریان المعاصی والآثام و مواحب الصیام و دوام
القیام و تزل الشهوات علی الدوام و احتمال الجفام من جمیع الانام و
تزل مجالسة السفہاء والعوام و مصاحبة الصالحین والکرام و
ان خیر الناس من ینفع الناس و خیر الکلام ما قل و دل والحمد
للہ وھدایہ۔

» یعنی اے دوستو! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ خدا سے ظاہر اور باطن میں ڈرتے رہو، تھوڑا کھاؤ، تھوڑی نیند کرو، تھوڑی باتیں کرو، گناہ چھوڑ دو، ہمیشہ روزہ

رکھا کر اور رات کو مصیٰٹی پر قیام میں گزارو۔ جنسی خواہشات کو ذہن سے نکال دو۔
مظالم برداشت کرو اور آفت تک نہ کرو۔ عوام سے بالعموم اور بدکار لوگوں سے
بالخصوص میل جول ترک کر دو۔ نیک بختوں اور بزرگوں سے صحبت رکھو۔ اچھا شخص
وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے اور اچھی بات وہ ہے جو مختصر اور بامعنی ہو اور
تمام تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جو وحدہ لا شریک ہے۔“

اب ناظرین کرام ہی بتائیں کہ کیا حضرت مولانا کے اس آخری وصیت نامے میں جو ان
کے مکتب فکر کے دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے، کہیں طبلے کھڑکانے اور اس کی تھاپ پر رقص
کرنے کا اشارہ ملتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر کسی کو یہ الزام تراشنے کا حق کہاں سے پہنچتا ہے کہ
”مکتب مولوی سراسر وجد و سماع و قول و ترانہ بود“

بلاشبہ حضرت مولانا سماعِ سننے اور عالمِ کیفیت میں رقص بھی فرماتے تھے۔ بالکل اسی طرح
جیسا کہ حضرت شیخ الہند خواجہ عزیز نواز اجمیری، خواجہ قطب الدین بختیار کاکلی، حضرت فرید الدین
مسعود گنج شکر علیہ الرحمۃ اور حضرت محبوب الہی نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کا معمول تھا۔ مولانا کے
بارے میں سراسر وجد و سماع اور قول و ترانہ بود کی بھتی گستاخ نہیں ہے۔

مکتبہ سہروردیہ کا مؤسس | احوال و آثار حضرت شیخ الاسلام کے مقالہ نگار کا یہ
بھی دعوئے ہے کہ ”در بارہ مؤسس مکتب سہروردی

اختلاف رائی ہست“ (دالی آخرہ)

یعنی اس بارہ میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ مکتب سہروردیہ کے مؤسس شیخ ابوالنجیب عبدالقادر
سہروردی تھے یا حضرت شہاب الدین عمر سہروردی۔ یہ ایک نیا نظریہ ہے، اس میں آج تک کسی نے اختلاف
نہیں کیا۔ حضرت شیخ ابوالنجیب عبدالقادر سہروردی، حضرت شیخ الشیوخ کے چچا اور مرشد تھے۔ مکتب سہروردیہ
کی داغ بیل بھی انہوں نے ڈالی۔ پھر اس سلسلہ کو شیخ الشیوخ کی سعی و کوشش سے فروغ نصیب ہوا اور آج تک
کسی نے شیخ ابوالنجیب اور شیخ الشیوخ میں فرق نہ کیا اور نہ ہی اس کی ضرورت تھی۔

مبالغہ آرائی

”احوال و آثار“ کے مقالہ نگار نے سہروردیہ بزرگوں کے لیے ”سراسر زہد و عبادت اور مجاہدہ و مداومت در آداب سنن“ (الی آخرہ) لکھ کر یہ تاثر دیا ہے کہ گو یا یہ حضرات راہبانہ زندگی بسر کرتے تھے اور دنیا سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔ حالانکہ مقالہ نگار نے ایک دوسری جگہ پر انہیں ”مردمان پولدار و متمول بودند“ کا اعزاز بخشا ہے۔ نیز مقالہ نگار نے حضرات چشت اہل بہشت و حضرات سہروردیہ کا ماہ الامتیانہ یہ بتایا ہے :

” سہروردیہ با آن ہمہ تعصب معتقد بودند کہ اگر با ارباب اقتدار رابطہ داشتہ باشند

می توانند کار را بطور احسن انجام بدہند و ہم می توانند از این راہ بہ مردم کمک کردہ

باشند و برای همین منظور برخلاف چشتیہ آنان یا حکمرانان وقت رابطہ نزدیکی استوار

ساختند۔ ولی نفوذ خود را ہمیشہ برای استفادہ رساندن بہ خلق خدا بجا نہ بردند۔“

یعنی سہروردیہ امراء دولت سے رابطہ پیدا کر کے عوام الناس کی مشکلات حل کرتے تھے،

مگر چشتی بزرگ سلاطین سے نزدیک ہونے کے باوجود عوام کی طرف متوجہ رہتے تھے، یعنی امراء سے میل جول نہیں رکھتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ سہروردی اپنے نظام اوقات کے مطابق عبادت کے وقت عبادت کرتے تھے

اور امور دنیاوی کو بھی سراسر انجام دیتے تھے۔ سلاطین اور امراء سے ملاقات، اصلاح احوال کے

لیے دور دراز مقامات کا سفر، ازدواجی زندگی، عوام سے میل ملاقات یہ سب کچھ تھا۔ اس لیے

ان پر سراسر زہد و عبادت کا فتویٰ لگانا مناسب نہیں ہے۔

کہا گیا ہے کہ سہروردیوں میں اہل قلم کی کمی ہی ہے :

سہروردی اہل قلم | ”سلسلہ سہروردیہ مثل چشتیہ قدیمی است و شاید از نظر امور تبلیغاتی“

برسلسلہ چشتیہ برتری ہم داد دے ولی چوں عدو اہل قلم بین انہما کم بود تا حدی خدمات
مذاہبی انہما در پاکستان غزنی و شرقی ثبت نشدہ است“

اس اقتباس کا ملخص یہ ہے کہ سلسلہ سہروردیہ سلسلہ عالیہ چشتیہ کی طرح قدیمی ہے اور تبلیغی
خدمات کے سبب سلسلہ چشتیہ پر برتری رکھتا ہے۔ لیکن چونکہ اس سلسلے میں اہل قلم کم ہوئے ہیں،
اس لیے ان کی تبلیغی خدمات کو جو انہوں نے شرقی اور غزنی پاکستان میں انجام دی ہیں، سپرد قلم
نہیں ہو سکیں۔

ہم ان دونوں سلسلے میں تعابیل کے روادار نہیں۔ تبلیغی خدمات دونوں سلسلے کا اظہار من الشمس
ہیں۔ حضرت خواجہ غلام فرید سلسلہ شریفیت میں حضرت شیخ الہند اجمیری عزیز نواز قدس سرہ سے اس
طرح مخاطب ہوتے ہیں۔

اے تازہ شدہ ایمان ز تو صد ذوق بہر یکجان نہ تو

اسلام بہندوستان ز تو اے شیخ معین الدین مدے

دو اسلام بہندوستان ز تو“ میں سلسلہ چشتیہ کی تمام تبلیغی خدمات سمجھ جاتی ہیں۔ حضرات سہروردیہ
اور چشتیہ نے مل کر تبلیغ دین کی خدمات انجام دی ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین نہ کر یا علیہ الرحمۃ
اور حضرت شیخ العالم فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہ نے اکتھے تبلیغی دورے کئے ہیں۔ تقریباً نصف
پنجاب حضرت گنج شکر کے ہاتھوں حلقہ بگوش اسلام ہوا ہے۔ حضرت محبوب الہی نظام الدین اولیاء
حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی، حضرت گیسو دراند اور ان کے خلفاء نے دہلی سے اس کماری تک
اسلام کی شمعیں روشن کیں۔

یہ دعویٰ بھی بے اصل ہے کہ سہروردیوں میں اہل قلم حضرات کا فقدان تھا۔ سب سے
پہلے تو یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ چشتی حضرات کے جس قدر تذکرے متداول ہیں، سب میں سہروردی حضرات
کا جگہ جگہ ذکر ملتا ہے۔ ان میں مغائرت نہیں تھی۔ انہیں سہروردیوں سے بھی پیار تھا۔ انہوں نے
اپنے تذکروں کو ان کے ایمان افروز حالات سے مزین کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں۔

راحت القلوب، سیر الاولیاء، راحت المجین، افضل الفوائد، فوائد الفواد، مطلوب الطالبین،

جوامع الکلم۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ سہروردیوں نے کسی زمانے میں بھی اہل قلم حضرات کی کمی محسوس نہیں کی۔ حضرت شیخ الشیوخ کی جناب سعدی اور حضرت شیخ الاسلام کی میر حسینی، جلال بخاری اور عراقی جیسے مصنفین کشف راوری پر ناز کرتے تھے۔ حضرت شاہ رکن عالم کے مرید علی بن احمد غوری اور حضرت مخدوم جہانیاں اور سلطان حمید الدین حاکم جیسے فاضل اہل قلم حضرات نے کیا کچھ نہیں لکھا۔ کنز العباد، ملفوظا لمخدوم اور مذکرہ سہروردی جیسی تصنیفات اسی دور میں مدون ہوئیں۔ مشرقی پاکستان میں سہروردیوں نے اشاعت اسلام کا جو کام کیا ہے، اسے سہیل مینی جیسی ملفوظی تصانیف ہی میں نہیں، بلکہ سر جادو نامہ سہروردی ڈاکٹر کالیکارا جن جیسے غیر مسلم مورخین نے بھی اپنی تالیفوں میں تفصیل سے لکھا ہے۔ کشمیر، گجرات اور وسط ہند میں سہروردیوں نے جو تبلیغی خدمات انجام دی ہیں، وہ علی شیر قانع کی تحفۃ الکرام سے ظاہر ہیں۔

مولانا جمالی نے سہروردی مشائخ کا سیر العارفین کے نام سے شاندار تذکرہ مدون کیا ہے۔ خزینۃ الاصفیاء کے مصنف مفتی غلام سہروردی لاہوری حضرت شیخ الاسلام کی اولاد سے ہیں اور سہروردی ہیں، انہوں نے اپنی تصنیف میں ہر چہار سلاسل کے مشائخ کا وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس لیے بڑے اعتماد سے کہا جاسکتا ہے کہ سہروردیوں کی تبلیغی خدمات کا کوئی بھی پسلو تشنہ نہیں ہے۔

سہروردی مرکز کی اُچ میں منتقلی

کہا جاتا ہے کہ چونکہ حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ لاولد تھے۔ اس لیے اُن کے انتقال پر رشد و ہدایت کا مرکز ملتان سے اُچ میں منتقل ہو گیا۔ سب سے پہلے جو بزرگوار تبلیغ کے سلسلے میں اُچ تشریف لائے، وہ مخدوم سید جلال بخاری تھے۔ ان کے پوتوں میں مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور مخدوم راجن قتال زیادہ معروف ہیں۔ مقالہ نگار "احوال و آثار" نے سنیوں کے سلسلے میں احتیاط سے کام نہیں لیا۔ تاریخ ہائے وفات ملاحظہ

ہوں :-

شیخ الاسلام صدرالدین عارف کی تاریخ وفات بالاتفاق ۲۳ رزی الحجہ ۷۰۹ھ ہے، مگر مقالہ نگار نے ۷۸۶ھ درج کیا ہے۔

حضرت شاہ رکن عالم قدس سترہ کی تاریخ ولادت ۹ رمضان ۶۴۹ھ ہے، مگر ۷۵۶ھ درج ہوئی ہے۔

حضرت سید السادات جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات مقالہ میں ۷۶۰ھ درج ہے، جو اس لیے غلط ہے کہ آپ کے پیر دستگیر حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا قدس سترہ ۷۶۱ھ کو فوت ہوئے۔ حضرت جلال بخاری نے آپ کا جنازہ پڑھا اور تدفین میں شریک رہے۔ حضرت مخدوم جہانیاں لکھتے ہیں کہ دادا حضور کو بعد وفات شیخ الاسلام حضرت عارف باللہ نے کچھ عرصہ اپنے پاس رکھا پھر اُچ جانے کی اجازت دی۔

مفتی غلام سرور لاہوری نے آپ کی تاریخ وفات ۷۹۵ھ لکھی ہے۔

مقالہ نگار نے شیخ جمال خذاں رو کو بھی آپ کا پوتا لکھا ہے جو کہ غلط ہے۔ ان کا یہ دعویٰ بھی کہ حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد صوفیانہ تعلیمات کا مرکز ملتان سے اُچ منتقل ہو گیا تھا، اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت شیخ الاسلام کے جانشین حضرت عارف باللہ نے سید السادات جلال بخاری علیہ الرحمۃ کو اُچ تشریف لے جانے کی اجازت دے دی تھی۔ مگر انہوں نے ملتان کے مقابلہ میں اپنی الگ خانقاہ قائم نہیں کی تھی، بلکہ زندگی بھر ان کا مرکز توجہ ملتان ہی رہا۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہان گشت شاہ رکن عالم کے خلیفہ تھے۔ وہ بھی زندگی بھر ملتان کی مسند کا احترام کرتے رہے۔ حضرت شاہ رکن عالم کے بعد شیخ الاسلامی کا منصب حضرت مخدوم

۱۔ ملفوظ المخدوم ص ۷۸

۲۔ مقالہ نگار نے مقالہ کے صفحہ ۱۴ پر ۶۶۰ھ کو ۱۲۹۱ء سے مطابقت دی ہے۔ اس حساب سے حضرت جمال خذاں کی وفات

۱۳۳۱ء کو ہونی چاہیے۔ کیونکہ وفات کا سنہ ۷۰۰ھ ہے۔

صدر الدین محمد کو ملا تھا۔ جو آپ کے بھتیجے تھے۔ شیخ الاسلامی کا عہدہ مملکت اسلامیہ کا سب سے بڑا
 دینی عہدہ تھا۔ شہاب الدین ابوالعباس احمد دمشقی المتوفی سالک الابصار فی مسالک الامصار میں شیخ
 مبارک کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ محمد تعلق کے زمانے میں قاضی القضاة اور شیخ الاسلامی کے دو
 موقر عہدے ہوتے تھے۔ جنہیں دس دس قصبات جاگیر میں ملتے تھے۔ ان کی آمدنی ساٹھ ہزار
 تنکہ سے کم نہ ہوتی تھی۔ قاضی القضاة کا کام مقدمات کی سماعت اور احکام سزا وغیرہ دینا
 تھا۔ شیخ الاسلامی کا کام شرع کے مطابق مسائل عامہ طے کرنا تھا۔ علماء و فقہاء کے جملہ امور
 قاضی القضاة سے اور مشائخ و فقراء کے تمام معاملات شیخ الاسلامی کی وساطت سے طے پاتے
 تھے۔

حضرت شاہ رکن عالم قدس سرہ کے بعد جب حضرت مخدوم صدر الدین مسند نشین ہوئے،
 تو سلطان فیروز شاہ نے سندھ کی مہم سے واپسی پر ملتان پہنچ کر آپ سے ملاقات کی اور عرض
 کیا کہ آپ کے آباء کرام گاہے گاہے دارالسلطنت میں تشریف لاکر سلاطین وقت کی بزرگانہ
 نصائح سے راہنمائی فرمایا کرتے تھے۔ آپ بھی ان کی سنت کو زندہ کرنے کے لیے ضرور
 تشریف لایا کریں۔ شیخ کو سلطان کا یہ نیاز و انکسار بے حد پسند آیا اور وہلی آنے کا وعدہ فرما
 لیا۔ چنانچہ جب سلطان بنگال کی مہم سے فارغ ہو کر وہلی واپس آیا اور جشن استقلال منعقد کیا۔
 تو اس موقع پر حضرت شیخ الاسلام صدر الدین محمد بھی تشریف لے گئے۔ حصار کے شاہی محل میں
 سلطان نے آپ سے شیخ الاسلامی کے منصب کو قبول کرنے کی درخواست کی اور ساتھ ہی گراں بہا
 خلعت، شمشیر مرصع اور زریں ہودج کا ہاتھی نذر کیا۔

اس سے ظاہر ہے کہ شاہ رکن عالم کے بعد نہ صرف مسند درویشی کی نشان قائم رہی، بلکہ صاحب
 سجادہ کو شیخ الاسلامی کا منصب بھی نذر ہوا جو اس دور کا سب سے بڑا دینی منصب تھا۔ حضرت
 مخدوم جہانیاں کی نیاز مندی کا یہ عالم تھا کہ جس کسی کو مرید کرتے، فرماتے کہ تم مرید تو حضرت

شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا قدس سرہ کے ہو، میں تو صرف ان کا وکیل ہوں۔
 پھر فرمایا کہ جس وقت خلیفہ شیخ کی طرف سے وکالت کرتا ہے اور مرید کو اس کے حوالے
 کرتا ہے، تو حق تعالیٰ ایک فرشتے کو حکم کرتے ہیں کہ اس شیخ کی روح کو اطلاع دے کہ
 فلاں بن فلاں نے تیرے خلیفہ سے بیعت کی ہے۔ پس وہ شیخ اس کا مہر ہوتا ہے۔
 حضرت مخدوم جہانیاں کی وفات کے بعد حضرت مخدوم راجن قتال ان کے جانشین قرار پائے۔
 چونکہ حضرت مخدوم کی اہلیہ محترمہ اپنے بیٹے ناصر الدین محمود کو سجادہ نشین دیکھنا چاہتی تھیں۔ اس فیصلہ
 سے وہ ملول خاطر ہوئیں۔ مخدوم راجن قتال اگرچہ بی بی کے دیور تھے، لیکن اس وقت صرف
 ان کے ذہن پر مرشد کا تصور چھا ہا تھا اور وہ اپنے مرشد کی اہلیہ محترمہ کو ناراض دیکھنا نہیں
 چاہتے تھے۔ اس لیے اُچ سے ملتان منتقل ہو گئے۔ زندگی بھر ملتان رہے۔ وفات کے بعد
 انہیں اُچ میں دفن کیا گیا۔ اس لیے یہ دعویٰ کہ شاہ رکن عالم کے بعد ملتان کی مرکزیت ختم ہو گئی
 تھی، صحیح نہیں۔

کشمیر میں اسلام کی اشاعت

مشائخ سہرورد (کشمیر) کے ضمن میں "احوال و آثار" کی معلومات درج ذیل ہیں :-
 " شیخ بزرگ آہناد سہروردیہ، حمزہ کشمیری متوفی ۶۸۴ھ است۔ اور مرید جلال الدین بخاری
 مخدوم جہانیاں جہاں گشت متوفی ۳۸۳ھ میلادی بود۔ مے گوہند شیخ خود بہ کشمیر رفتہ
 بود مدتی اُچ بود و بعداً حمزہ کشمیری را خلیفہ خود تعیین نمود۔ اور ۹۸۴ھ میلادی
 فوت کرد۔ بعد از او سید علی بہدانی این فرقہ را رواج داد۔ "

۱۔ الدر المنظوم، ص ۲۹۵ -

۲۔ احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، ص ۱۴ -

مقالہ نگار کے اس اقتباس سے حسب ذیل نتائج مرتب ہوتے ہیں :-

- حضرت مخدوم جہانیاں کشمیر گئے۔
- مخدوم حمزہ کشمیری کو بیعت کیا اور پھر اپنا خلیفہ مقرر کیا۔
- حضرت حمزہ کشمیری ۶۸۴ھ میں فوت ہوئے۔
- ان کے جانشین سید علی ہمدانی ہوئے اور انہوں نے فرقہ سہروردیہ کے لیے بڑا کام کیا۔

اب ان کے جوابات ملاحظہ فرمائیے :

مخدوم جہانیاں "جہان گشت"، کہلاتے ہیں۔ ممکن ہے وہ کشمیر تشریف لے گئے ہوں، یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ البتہ مخدوم شیخ حمزہ کشمیری قدس سرہ کے متعلق احوال و آثار کی معلومات صحیح نہیں۔ یہ بزرگوار مخدوم جہانیاں کے نہیں، بلکہ سید جمال الدین بخاری کے مرید ہیں۔ سید جمال الدین بخاری، حاجی سید عبدالوہاب بخاری علیہ الرحمہ کے مرید تھے۔ وہ حضرت مخدوم راجن قتال کے اور حضرت راجن مخدوم جہانیاں جہان گشت کے۔ گویا آپ تین واسطوں سے مخدوم جہانیاں کے مرید ہیں۔ آپ کی تاریخ وفات مقالہ نگار نے ۶۸۴ھ غلط لکھی ہے۔ صحیح ۹۸۴ھ ہے، جسے مقالہ نگار نے میلادی بنا دیا ہے۔

مندرجہ بالا اقتباس میں یہ دعویٰ درست نہیں ہے کہ حضرت سیدی ہمدانی نے مخدوم شیخ حمزہ کے بعد سلسلہ سہروردیہ کو فروغ دیا تھا۔ مخدوم حمزہ کے خلفاء میں بابا داؤد خاکی، علامہ فیروز الدین، مفتی کشمیر اور بابا ربی ریشی کا بڑا مقام ہے۔ سلسلہ سہروردیہ کو کشمیر میں ان کے دم قدم سے فروغ نصیب ہوا۔

گجرات کے سہروردی مشائخ | اس کے بعد مقالہ نگار نے گجرات (کامٹیا وارڈ) کے سہروردی مشائخ کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

« از تذکرہ اولیائے گجرات معلوم میشود کہ شیخ حسام الدین ملتانی اصفہانی، گجرات را بہ دین اسلام راغب کرد۔ بعد از او شیخ جمال الدین اچھی در ۳۳۵ھ بہ تین آمد، او مرید مخدوم جہانیاں جہان گشت بود در ۳۳۵ھ فوت شد »

منازل الاولیاء، جس کے مصنف صوفی شیخ جہاں ہیں اور "مرآة احمدی" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اس دیار کو مشرف بہ اسلام کرنے والے شیخ عبداللہ محمد تھے۔ ان کے بعد محمد تعلق کے زمانے میں شیخ حسام الدین ملتانی نے پن میں توحید کے چراغ روشن کئے اور ۷۳۷ھ میں فوت ہوئے۔ ان کے بعد شیخ جمال الدین اُچی تشریف لائے اور آٹھ سال مسندِ رشد و ہدایت کو زینت دینے کے بعد ۷۴۵ھ میں دہلی گئے، لیکن سب سے زیادہ جس بزرگ نے اس ملک میں رشد و ہدایت کا کام کیا ہے، مقالہ نگار نے انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔ وہ حضرت مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے سید برہان الدین قطب عالم بخاری ہیں۔ ان کے خلفاء میں مخدوم سید محمود، سید خوند میر، سید احمد بخاری، سید حامد بخاری، سید صالح بخاری، شیخ عثمان، شیخ عبدالطیف اور حضرت شاہ عالم بخاری جیسے ہزاروں اقطاب و ابدال ہیں جن کی کوششوں سے گجرات کے سرزمین مسبط انوار الہی بن گئی تھی۔

شیخین کے بارے میں احتیاط سے کام نہیں لیا گیا۔ شیخ جمال اُچی کی آمد ۷۳۷ھ اور وفات ۷۳۵ھ لکھی ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔ ان کی تاریخ وفات ۷۴۵ھ ہے۔

افغانستان کے سہروردی مشائخ | احوال و آثار کے مقالہ نگار نے افغانستان کے ضمن میں صرف "آپ کوثر" سے استفادہ

کیا ہے۔ جیسا کہ ان کے ذیلی حوالہ سے ظاہر ہے۔ اور پھر حدت بیان ملاحظہ ہو :

"تذکرہ نویسیا نوشتہ اند"

گویا ان کے نزدیک تذکرہ نویسیوں کے سربراہ "آپ کوثر" کے مولف صاحب ہیں۔

کیونکہ آپ نے اسی کے حوالے پر قناعت کر لی ہے۔ اب متن ملاحظہ ہو :

"بیگی از مریدان شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی بہ اسم حسن افغان فرقة سہروردیہ را

در افغانستان رواج داد"

بلاشبہ حضرت خواجہ حسن افغان حضرت شیخ الاسلام کے محبوب مرید تھے۔ انہوں نے

اپنے قبائل میں کچھ عرصہ اصلاح احوال کا کام کیا تھا، مگر افغانستان میں سہروردی سلسلہ کو رواج دینے والے سید میر حسین ہیں، جنہوں نے ہرات کو سہروردی سلسلے کی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور بڑا کام کیا۔

سہروردی سلسلے کے مفروضہ فرقے

سہروردی سلسلہ کی شریعت کے ساتھ اتنی زبردست وابستگی کے باوجود بعض تذکرہ نگاروں نے متشرفین کے زیر اثر اس سلسلہ عالیہ کو درج ذیل تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے :

۱۔ ملا مٹیہ

۲۔ با شریعت

۳۔ بے شریعت

یہ تقسیم بے اصل ہے، کیونکہ خود ایسے مصنفین نے اعتراف کیا ہے کہ سلسلہ سہروردی نہ ہندو تقویٰ اور سنت و فرائض کا سختی سے پابند تھا۔ ملاحظہ ہو ایک اقتباس :

”مکتب سہروردی سہروردی نہ ہندو عبادت و مجاہدہ و مداومت در آداب و سنن و اوراد و اذکار و رعایت فرائض بود“

سلسلہ عالیہ سہروردی نے اپنے پیروؤں کو شدت سے شریعت مطہرہ پر عمل کرایا ہے اور کسی کو سہروردی اخراجات کرنے کی اجازت نہیں دی۔

حضرت شیخ الاسلام کے عہد کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ خانقاہ کے درویشوں نے حالت بے اختیار میں مولانا عراقی کو اشعار گنگنائے سن لیا۔ بس پھر کیا تھا۔ پوری خانقاہ میں کہرام برپا ہو گیا۔ حضرت کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا :

”صنوبر! ہمارے مسلک میں تو ان چیزوں کی ممانعت ہے، پھر عراقی اس امر کے

مترکب کیوں ہو رہے ہیں؟“

حضرت شیخ الاسلام، عراقی کی قلبی کیفیت اور سکروستی سے واقف تھے، فرمایا :

” شمارا ازین چیزها منع است اورا منع نیست“

یعنی تمہیں ان چیزوں کی اجازت نہیں، مگر وہ مغلوب الحال ہونے کے سبب معذور ہے۔
درویش اس وقت تو ادباً خاموش رہے، مگر جب سرکار کا انتقال ہو گیا، تو انہوں نے
پھر واویلا کیا۔ اگرچہ حضرت مخدوم صدرالدین عارف بالشد کا زمانہ تھا اور حضرت شاہ رکن عالم
رحمۃ اللہ علیہ بھی بھرپور جوان تھے۔ سید جلال بخاری، میر حسین، خواجہ حسن افغان اور سلطان
حمید الدین حاکم جیسے اولیائے کاملین اس خانقاہ کی زینت تھے۔ مگر چونکہ بات سلسلہ کے مسدک
کی تھی۔ اس لیے کوئی انہیں خاموش نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ عراقی خانقاہ کے ماحول سے
دل برداشتہ ہو کر حجاز کو روانہ ہو گئے۔

اس لیے ملائی ہوں یا بے شریعتی، ان فرقوں کا سلسلہ سہروردیہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہمیں
بعض مصنفین سے بجا طور پر یہ شکایت ہے کہ وہ مشائخ کے حالات مدون کرتے وقت افراط
تفریط سے بڑھ جاتے ہیں۔ مثلاً گجرات کے مشہور بخاری بزرگ سید محمد شاہ عالم کے حالات میں
ایک صاحب لکھتے ہیں :

” سید محمد شاہ عالم کے زمانے میں گجرات کے سہروردی سلسلہ کا سیاسی اقتدار اپنے
منہائے عروج پر پہنچ گیا تھا۔ بہت سے امراء اور گورنمنٹ کے حکام ان کے
مرید و معتقد تھے“

احوال و آثار شیخ الاسلام میں اسی اقتباس کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں اس طرح سے
ادا کیا ہے :

” سید محمد شاہ عالم متوفی ۱۲۶۵ھ میلادی معروف ترانہ پدربودہ و درمیان زمان
خود نقش مہمی در زمینہ سیاست و مذہب بازی کرد“

” در زمینہ سیاست و مذہب بازی کرد“ ایسے خدا یاد درویشوں کے بارے میں
لکھنا بہت بڑی بے ادبی ہے۔

کیا یہ حضرات ثابت کر سکتے ہیں کہ حضرت سید محمد شاہ عالم قدس سترہ اپنی پوری زندگی میں کبھی کسی بادشاہ یا امیر کے گھر چل کر گئے۔ یا انہوں نے اپنے کسی فرزند ارجمند یا معتمد خاص کو کسی کام کے لیے کسی حاکم کے ہاں بھیجا یا رقعہ کے ذریعے کسی سے وجہ معاش کے لیے نہ سہی۔ لنگر کے نام پر کچھ مانگا؟ بلکہ دنیا تو یہ سمجھتی تھی کہ غیب سے حضرت کے ہاں درہم و دینار کی بارش ہوتی ہے۔ آپ کے چہرہ اقدس کی نورانیت کا یہ عالم تھا کہ راؤ منڈلیک آپ کو دیکھتے ہی پکار اٹھا:

”جو آپ کا دین ہے، وہی میرا دین ہے“ اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

ایسے قطب زمان کے بارے میں عوام کو یہ تاثر دینا کہ انہوں نے مذہب اور سیاست پر نئے گارے کئے تھے، غضب الہی کو دعوت دینا ہے۔

طرفدارانِ شریعت کا ذکر کرتے کرتے احوال و آثار کے مقالہ نگار نے ایک گروہ کو اٹھا کھڑا کیا ہے، جس نے بھارت کے ایک معروف شہر پنپو گندھ کو اپنا مرکز بنا رکھا ہے۔ اس کی مخصوص عادات میں جن کا سید جلال بخاری کی ذات یا سلسلہ سہروردیہ کے مسلک سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ انتساب تو بالکل ایسا ہی ہے جیسے فقیروں کا ایک گروہ اعلانیہ بھنگ پیتا اور یا علی کے نعرے لگاتا ہے۔ اور اپنے الاؤ کو جو ہر وقت تیار رہتا ہے، اسے یا علی کا پمچ یعنی آتش کہہ کتے ہیں۔ اگر بھنگ، پوس اور افیون پینے پلانے کا تعلق حضرت امیر علیہ السلام کی ذات سے قطعاً نہیں ہے تو کیا پھر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ نشہ کرنے والے فقیر حضرت علی کہم اللہ وجہہ کی ذات پاک سے تعلق رکھتے ہیں۔ استغفر اللہ العظیم۔

گروہ اسماعیل شاہی

مولانا محمد اسماعیل المعروف میاں وڈہ شاہ بہمان کے زمانے میں لنگر مخدوم سے لاہور تشریف لائے اور یہاں درس کی بنیاد رکھی۔ بے شمار عالم اور حافظ پیدا کئے۔ آپ کا مدرسہ سکھوں کے دور تک موجود تھا۔ آپ کی قبر کچھتا ہے کہ وصیت ہی ایسی تھی، آپ نے پوری زندگی قرآن حفظ کرانے اور

حدیث و فقہ کا درس دینے میں بسر فرمائی۔ نہ کسی کے ہاں چل کر گئے اور نہ کوئی جماعت بنائی۔
 ایسے دیندار، زاہد، متقی اور مبلغِ اسلام کو متعصب اور تنگ نظر قرار دینا ان ہی لوگوں
 کا کام ہے جو فتنہ اشتراکیت سے متاثر ہوں۔ جیسا کہ درج ذیل عبارت سے ظاہر ہوتا ہے:
 ”موسس این سلسلہ مرد متعصب و تنگ نظر می بود و اجازت نداد کہ بعد از مرگ او
 مرید آتش بر مقبرہ او گنبدی بنا کنند۔“
 مولانا کی جائے سکونت تل پورہ تھی۔ مقالہ نگار نے اُسے تالپور (TALPUR) لکھا ہے۔

گر وہ شاہِ دولہ

حضرت شاہِ دولہ علیہ الرحمۃ سہروردی سلسلہ کے مشہور بزرگ گزرتے ہیں۔ انہیں قاعی
 کاموں سے بڑی دل چسپی تھی۔ گجرات اور سیالکوٹ میں کئی مساجد اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ راستے
 میں جگہ جگہ ندیوں پر پل بنوائے اور مسافروں کے لیے چاہات امداد کرائے۔ آپ عمر بھر
 مجرور رہے اور عالمِ تجرید میں ہی اپنی ساری زندگی بسر کر دی۔
 آپ سے جو عجیب الخلقیت بچوں کی پیدائش کی داستانیں منسوب ہیں، ان کی کوئی اصل نہیں
 یہ سب ان کے مجاوروں کی کارستانیوں ہیں، جن کا پردہ اب چاک ہو چکا ہے۔
 مناسب ہے کہ مورخین اور تذکرہ نویس بھی تحقیق سے کام لیں۔ احوال و آثار میں عجیب الخلقیت
 بچوں کے سلسلے میں جو لکھا ہے وہ محل نظر ہے۔



۱۔ احوال و آثار، شیخ الاسلام قدس سرہ، ص ۱۵۔

۲۔ احوال و آثار، شیخ الاسلام بہار الدین ذکریا قدس سرہ، ص ۱۵۔

۳۔ احوال و آثار حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین قدس سرہ العزیز، ص ۱۵۔

لعل شہبازیہ

حضرت مخدوم سید عثمان المروندی المعروف بہ لعل شہباز قلندر پابند شریعت بزرگ تھے۔ آپ اگرچہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے مرید اور خلیفہ تھے، لیکن حضور آپ کو دوستوں میں شمار کرتے ہیں۔ صوفیاء میں جو چار یا مشہور ہیں، ان سے حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا علیہ الرحمہ حضرت شیخ العالم فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہ، سید السادات جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مخدوم شیخ عثمان المروندی رحمہم اللہ مراد ہیں۔

شروع شروع میں معراج الولایت کی عبارت سے نیا زمند کو بھی حضرت مخدوم لال شہباز کے بارے میں یہ شبہ ہوا تھا کہ

”چوں جذب و مستی بنایت داشت پابند احکام شرع بنود“

لیکن جب اس قدر نے سہوان شریعت میں چپے چپے پران کی عبادت گاہیں دیکھیں تو مجھے معارج کی صحت پر یقین نہ آیا اور پھر وہ ذات گرامی جو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ جیسی سرکار شریعت کی صحبت میں ایک دو دن نہیں بلکہ کئی سال بسر کر چکی ہو، اس سے متعلق اس قسم کے رائے تہمت نہیں تو کیا ہے؟

اسی بناء پر درج ذیل عبارت سے بھی ہمیں اختلاف ہے :

”و این عارف بزرگ لال شہباز بہ مسلک قلندر یہ متماثل بود و بطوری در عشق خود بہ خدا مستغرق بود کہ از علائق دنیوی و دینی بے پروا شدہ بود و عشق او بہ درجہ ای رسیدہ بود کہ خودش متقاضی اللہ شدہ بود“

یہ بے شریعت اور بے عمل گروہ جو قلندر قلندر کے نعرے لگاتا اور بدستیاں دکھاتا ہے، اس کا حضرت شہباز کی ذات سے کوئی تعلق نہیں۔

گروہِ سہاگیہ

گروہِ سہاگیہ کے بانی حضرت شاہ سہاگ، حضرت سید جلال بخاری کے مرید تھے جو سراپا عمل تھے۔ ان کے برتنوں کے بارے میں بھی لوگوں کا عقیدہ تھا کہ وہ ذکر کرتے ہیں۔ ان کے ایک مرید کے بارے میں یہ رائے ظاہر کرنا کہ وہ طوائفوں اور رقاصوں میں ہر وقت دہن کی طرح بنے ٹھٹھے دہتے تھے۔ نہ نماز پڑھتے، نہ روزہ رکھتے۔ سلسلہ سہروردیہ کو بلاوجہ بدنام کرنا ہے۔

گروہِ رسول شاہی

سلسلہ رسول شاہیہ کے بانی سید رسول شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو بارہ واسطوں سے حضرت مخدوم راجن قتال کے مرید ہیں۔

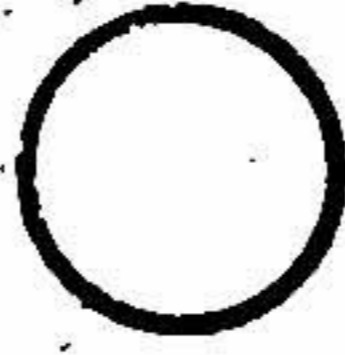
سید رسول شاہ - شاہ نعمت اللہ ولی - شاہ داؤد مہری - شاہ حبیب اللہ - شاہ اسماعیل شاہ - مرتضیٰ آئند - شاہ عبدالرزاق - شاہ اللہ داد - شاہ پیر بندگی شاہ منجن گوشہ نشین - شیخ محمد - خواجہ اسحاق - شیخ داؤد قریشی - مخدوم راجن قتال رحمہم اللہ علیہم اجمعین -

اس فرقے میں بہت سی ہندووانہ باتیں داخل ہو گئیں ہیں۔ شیخ پیرن تک تو یہ سلسلہ متبع شریعت رہا ہے۔ کیونکہ ان کی دوسری شاخ میراں سید احمد سلیم مالک پوری اور ان کے خلفاء دیوان شاہ عبدالرشید جو پوری، سہروردی میں یہ باتیں نہیں ہیں۔ اس سلسلہ کے

۱۔ خزینۃ الاصفیاء، بحوالہ منظر جلال ص ۳۳

۲۔ احوال و آثار، شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی ص ۱۹

ایک بزرگ شاہ جیب ملتان میں دفن ہیں ، وہ بھی اس اعتقاد کے نہیں تھے ۔
 شاہ نعمت اللہ نے حلول کا اعتقاد اپنے مریدوں میں پیدا کیا اور پھر مریدوں نے انہیں
 منظر الہی سمجھ کر پوجنا شروع کر دیا ۔ دائرہ صحنی مونسچہ اور سر کے بال ترشوانا ، شادی نہ کرنا اور نغمہ
 سرائی میں مست رہنا ، یہ سب باتیں انہیں سلسلہ عالیہ سہروردیہ سے الگ کرتی ہیں ۔





سُلطان ناصر الدین قباچہ

(سندھ کا مغرور تاجدار)

جب حضرت شیخ الاسلام کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی، تو سندھ اور ملتان کے تاجدار سلطان ناصر الدین قباچہ کو آپ کے ملنے کا شوق ہوا۔ اُسے فقرار اور مشائخ سے عمقیت نہ تھی، اس لیے ایک دن امتحان کی غرض سے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی :

”ولی کی شناخت کیا ہے؟“

اس وقت اتفاق سے ایک مکھی سلطان کی ناک پر اُبلٹی۔ اُس نے اُڑایا، مگر پھر اُبلٹی۔ الغرض کئی مرتبہ یہ نوبت آئی کہ وہ ناک سے مکھی کو اُڑاتا، مگر وہ پھر اُبلتی۔ حضرت شیخ الاسلام یہ کیفیت ملاحظہ فرما رہے تھے۔ اسی اثنا میں قباچہ نے دوبارہ سوال کیا :

”نشانِ اولیاء چسپت؟“

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ولی کی شناخت یہ ہے کہ اُس پر مکھی نہیں بلیٹتی۔ قباچہ کھڑا ہو گیا اور اُس نے اقرار کیا کہ واقعی آپ ولی ہیں۔ حضرت محبوب الہی نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام کے بدن اور لباس پر کسی نے عمر بھر مکھی کو بلیٹتے نہیں دیکھا۔

فیاضی

قباچہ کے عہدِ حکومت میں ایک بار سخت قحط پڑا۔ حضرت کے لنگر خانہ میں گندم کی کافی مقدار

موجود تھی۔ اس نے آپ سے کچھ گندم طلب کی۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں سٹور کی گندم دے دی جائے، جب سلطان کے نوکر آئے اور سٹور سے گندم اٹھانا شروع کی، تو اُس میں سے تقریباً سکوں کے سات کوڑے برآمد ہوئے۔ سلطان کو اطلاع ہوئی، تو اُس نے حکم دیا کہ یہ کوزے حضرت شیخ الاسلامؒ کی خدمت میں واپس کر دیئے جائیں۔ کیونکہ یہ غلہ سے برآمد ہوئے ہیں، لیکن حضرت نے فرمایا، ہمیں ان کوزوں کا پہلے سے علم تھا اور گندم کے ساتھ ہم نے چاندی کے یہ کوزے بھی بخش دیئے تھے۔

علامہ قطب الدین کاشانیؒ | سلطان ناصر الدین قباچہ حضرت شیخ الاسلامؒ کے بے پناہ اثر و نفوذ کو اپنی حکومت کے لیے مستقل خطرہ خیال کرتا تھا

اُس نے بڑے سوچ بچار کے بعد کاشان کے علامہ قطب الدین کو ملتان آنے کی دعوت دی۔ وہ بھی فقرا اور مشائخ کے چنداں معتقد نہ تھے۔ علامہ بڑی شان سے ملتان میں داخل ہوئے۔ حکومت نے جامع مسجد کے ساتھ بہت بڑا مدرسہ تعمیر کرایا اور مولانا اس کے شیخ الدرس مقرر ہوئے۔

قباچہ ان کا بہت ادب کرتا تھا اور امرائے دربار کو بھی حکم تھا کہ ان کا زیادہ سے زیادہ احترام کریں۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کو سب کچھ معلوم تھا، لیکن اس کے باوجود اپنے محل سے چل کر جامع مسجد میں پہنچتے اور ان کی اقتدا میں صبح کی نماز ادا کرتے تھے۔ ایک دن علامہ نے عرض کی:

”حضور! نماز اپنی مسجد میں ہی ادا فرمالیا کریں، اس قدر تکلیف کی کیا ضرورت ہے؟“

فرمایا:

”میں اس حدیث پاک پر عمل کرتا ہوں“ من صلیٰ خلف عالم فکانما صلیٰ خلف نبی مرسل“ یعنی جس نے کسی باعمل عالم کے پیچھے نماز پڑھ لی، گویا اس نے نبی مرسل کے پیچھے نماز ادا کی۔“

مولانا خاموش ہو گئے۔

ایک مرتبہ جب حضرت شیخ الاسلام صبح کی نماز پڑھنے کے لیے تشریف لائے۔ مولانا ایک رکعت پڑھا چکے تھے۔ حضرت دوسری رکعت میں شریک ہوئے۔ لیکن ابھی علامہ نے پہلا سلام ہی ادا کیا تھا کہ شیخ الاسلام کھڑے ہو گئے۔ نماز کے بعد علامہ کو کسی نے یہ معاملہ بتا دیا۔ انہوں نے حضرت سے سوال کیا کہ آپ نے میرے دوسرے سلام کا انتظار کیوں نہ فرمایا؟ اگر مجھے سہو ہو جاتا، تو پھر آپ کیا کرتے؟

فرمایا کہ اگر کسی کو نورِ باطن سے معلوم ہو جائے کہ امام کو سہو نہیں ہوا، تو وہ پہلے سلام پر ہی کھڑا ہو سکتا ہے۔“

علامہ نے فرمایا:

”ہر وہ نور جو احکامِ شریعہ کے موافق نہیں ہے، ظلمت ہے۔“

حضرت شیخ الاسلام کو یہ جواب شاق گزرا اور پھر کبھی اس مسجد میں تشریف نہ لائے۔ مولانا جمالی لکھتے ہیں کہ انہی ایام میں مولانا کے کسی بے تکلف دوست نے ان سے پوچھا کہ فقراء پر آپ کے اعتقاد نہ رکھنے کی وجہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک درویش ایسا دیکھا ہے کہ کوئی دوسرا اس جیسا نظر نہیں آتا اور پھر اس کا ذکر شروع کیا۔ فرمایا:

”ایک دفعہ میں کاشغر میں مقیم تھا۔ ایک عمدہ اور نفیس چاقو اپنی جیب میں رکھتا تھا، اچانک اس کا ڈنبا ٹوٹ گیا۔ میں اسے بازار میں لے گیا۔ تمام کارنگیروں سے ملا اور انہیں کہا کہ جس طرح یہ پہلے تھا، اسی طرح بنا دیجئے۔ سب نے جواب دیا، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ پہلے سے کچھ نہ کچھ تو ضرور کم ہو گا۔ میں اسی جھیلے میں گوبہ گری کرتا پھرتا تھا کہ ان میں سے ایک شخص نے مجھے بلا کر کہا کہ فلاں دکان پر چلے جائیے، وہاں ایک پیر مرد ملے گا۔ وہ بڑا کارنگیر اور صاحبِ کمال ہے، ممکن ہے کہ اس کے ہاتھوں تیرا چاقو درست ہو جائے۔ میں یہ جواب سن کر اس

دکان پر پہنچا۔ ایک پیر مرد دیکھا، جس کے چہرے سے بزرگی ظاہر تھی اور پیشانی نور سے جگمگا رہی تھی۔ میں نے سلام کے بعد تمام قصہ ان کی خدمت میں عرض کیا۔ اس بزرگوار نے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا، چاقو طلب کیا اور فرمایا:

”تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کر لو“

میں نے ان کے کہنے پر ظاہر آنکھیں بند کر لیں، لیکن گوشہ چشم سے دیکھتا رہا کہ یہ بزرگ کیا کہتے ہیں؟

میں نے دیکھا کہ وہ حضرت چاقو کو ہونٹ تک لے گئے اور زیر لب کوئی دعا پڑھ کر دم کی اور پھر واپس لوٹا دیا۔ میں نے دیکھا کہ اب وہ پہلے سے بھی کٹی درجے بہتر ہو گیا ہے۔ میں ان کے قدموں میں گر گیا۔ ایک روپیہ ان کے آگے رکھا۔ مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ میں نے بڑی منت سماجت کی۔ فرمایا:

”تمہارا چاقو درست ہو چکا ہے، اب مجھے کیوں پریشان کرتے ہو“

جب مولانا نے یہ حکایت ختم کی، ان کے دوست نے کہا:

”اے قطب الدین! وہ گاہ بگر جس نے آپ کا چاقو درست کر دیا تھا، نجم الدین یوسف

ہے اور وہ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا کے ادنیٰ مریدوں میں سے ہے“

مولانا کاشانی یہ سن کر دم بخوردہ گئے۔ حضرت شیخ الاسلام کی بلند شخصیت کا رعب کچھ اس طرح سے اثر انداز ہوا کہ ملتان میں رہنا ان کے لیے از بس مشکل ہو گیا۔ نماز کے سلسلے میں جو گفتگو حضرت سے ہوئی تھی، وہ بار بار ذہن میں آکر کوفت کا موجب بنتی۔ انتشار اور انفعال کی اسی کیفیات میں ملتان چھوڑ کر دہلی روانہ ہو گئے۔

حضرت شیخ الاسلام کی وفات کے بعد علامہ کاشانی پھر ملتان تشریف لائے اور زندگی کے بقیہ ایام یہیں بسر کر کے دارالعلوم کے مشرق میں دفن ہوئے۔ آپ کا مدرسہ آپ کے بعد بھی ساٹھ سال تک قائم رہا۔ چنانچہ دسویں صدی ہجری میں جب مولانا حسین بخش کے مورث اعلیٰ حضرت مولانا وجیہ الدین ملتان تشریف لائے تو آپ اس درس گاہ کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ کافی عرصہ درس و تدریس میں بسر کرنے کے بعد فوت ہوئے اور علامہ کاشانی کے پہلو میں دفن (باقی صفحہ ۱۱۹ پر)

سُلطان جلال الدین خوارزم شاہ

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں خوارزم شاہ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۸ سے) ہوئے۔ مولانا نے جو ملتان کے قاضی القضاہ تھے۔ اپنی منظوم تاریخ کے اندر مولانا

وجیہ الدین کا ذکر اس طرح سے کیا ہے۔

بود آں علامہٗ دورِ زماں، بحر فیضِ علمِ زوگشتہ رواں
درسِ گفت و علمِ شد فیضِ یاب، خود نظرِ خویش بود عالی جناب
بعد ازاں آورد در در مولتان، بود درسِ قاضی قطب الدین رواں
اندرون بہادرخت و شد مقیم، عالمے را داد او فیضِ عظیم!
آخر اندر نہ صد ہفتا دیک، جاں پاکش برد در جنت ملک

سوئے مشرق در مدرسہ جائے او!

متصل قاضی قطب ماوئے او

محولہ بالا اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ ۹۷۱ھ تک علامہ کاشانی کی یونیورسٹی میں کافی رونق تھی۔ حضرت علامہ کو اس درس گاہ سے جو نسبت تھی۔ اس کا تقاضا یہی تھا کہ مرکہ بھی اسی میں دفن ہوں، لیکن ان کے بعد مرکہ مولانا وجیہ الدین کو ہی یہ شرف حاصل ہوا۔ ان کے علاوہ کسی اور مدرس کے یہاں دفن ہونے کا تاریخی طرز پر کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

حسین آگاہی سے کھڑے ہو کر مثالی درس گاہ کی جانب نظر دوڑائیں تو پُرانے قلعہ کے ایک مرتفع چبوترے پر دو سادہ مگر با عظمت مزار نظر آتے ہیں۔ یہی ان بزرگوں کی آخری آرام گاہ ہیں۔

اسلامی دور میں ان پر خوب صورت اور ان کے شایان شان مقبرہ تھا۔ سامنے وسیع و عریض درس گاہ اور پاس ہی عظیم الشان جامع مسجد تھی۔ جس میں حضرت شیخ الاسلام، مولانا کاشانی کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ جہاں ملتان شہر اور قلعہ کی مسلم آبادی آکر جمعہ کی نماز ادا کیا کرتی تھی، جہاں صبح کو روزانہ درس قرآن ہوتا تھا اور (باقی صفحہ ۱۲۰ پر)

تباہی و بربادی کا اجمالاً ذکر ہو چکا ہے۔ اس کا نوجوان اور اولوالعزم ولی عہد سلطان جلال الدین
 آخروم تک مغلوں سے بے جگری اور بہادری سے لڑتا رہا۔ جب اُسے ایران اور افغانستان
 سے کوئی ملک نہ ملی، تو وہ ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا۔

چنگیز خان بھی لاؤشکر سمیت پیچھے چلا آتا تھا۔ سندھ کے قریب پہنچ کر جلال الدین نے
 گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ اور بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتا تھا کہ اگر سخت یاوری کرے، تو
 مغلوں کی فوج پر جا پڑے۔ مغلوں نے اس کے تعاقب میں اپنے گھوڑے دریا میں ڈالنے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۹ سے)

ہزاروں سعید زوہیں قال اللہ وقال الرسول سے دلوں کو گرماتی تھیں۔

سکھوں کے زمانے میں مسجد اور مقبرہ کو بارود سے اڑا دیا گیا۔ مخدوم شیخ سید محمد یوسف صاحب
 سجادہ نشین شاہ گردیزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تاریخ میں اس واقعہ کا ذکر کرتے
 ہوئے لکھتے ہیں :-

”قبر و قبہ اش در قلعہ ارک متصل جامع مسجد بود، در روز انہدام مسجد مذکور از بارودت
 قبر و قبہ اش نیز برباد رفت“

ملانا در کے اشعار سے علامہ کاشانی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ اور مسجد کے محل وقوع کا سراغ
 ملتا ہے۔ یعنی وہ عظیم الشان درس گاہ علامہ کی قبر کے مغرب میں واقع تھی اور جامع مسجد اس
 کے متصل بیان کی جاتی ہے۔

۱۔ تذکرہ ملتان، از مخدوم محمد یوسف گردیزی۔

ترجمہ: فیض الحسن صاحب (گھوڑہ شریف) قلمی

المرقوم: ۱۹۳۸ء

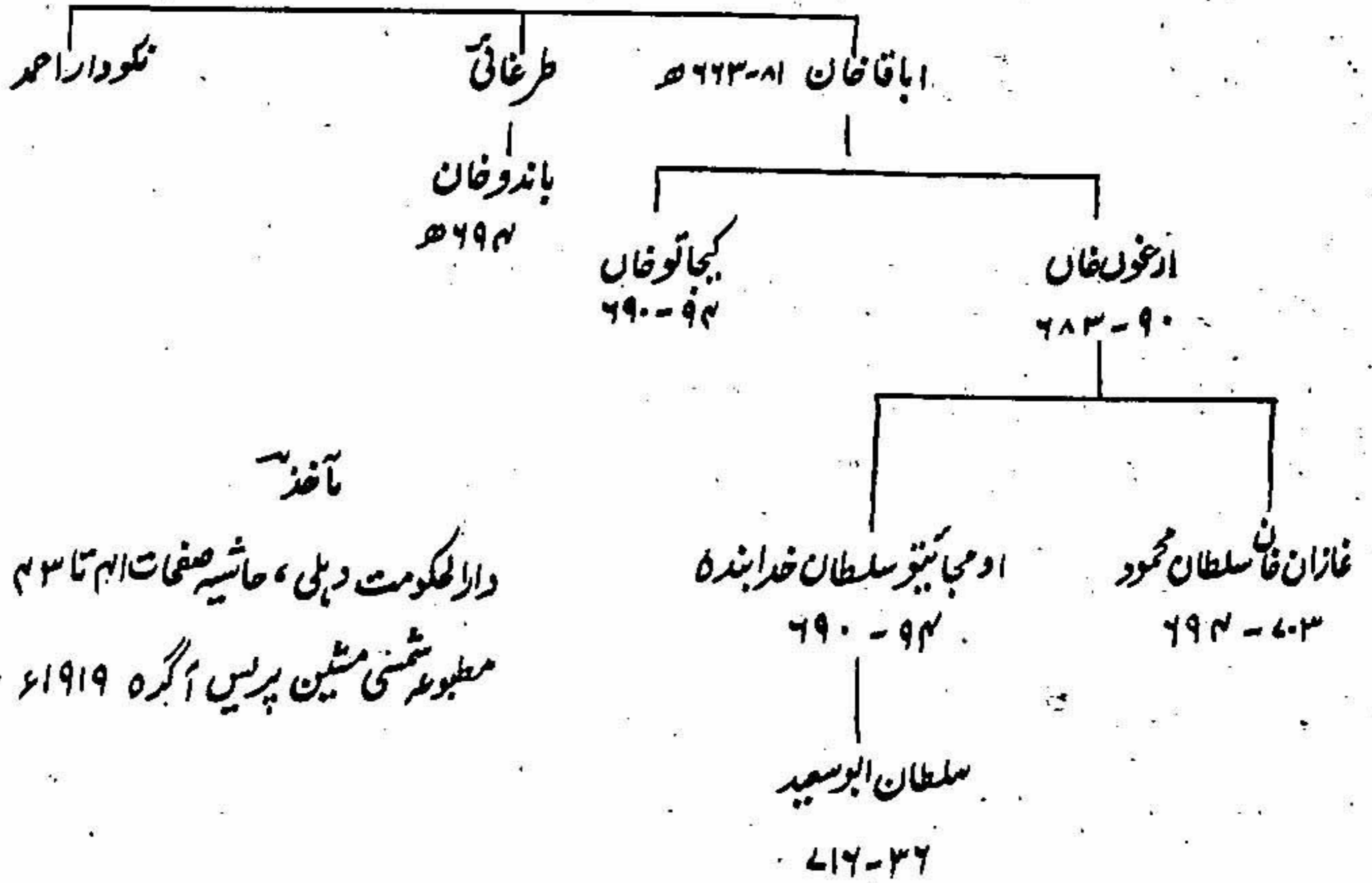
ص: ۲۵، ۲۶، ۲۸۔



چاہے۔ لیکن چنگیز خاں اس کی ہمت و شجاعت کو دیکھ کر ایسا خوش ہو رہا تھا کہ اس نے سواروں کو وہیں روک لیا اور بیٹوں سے مخاطب ہو کر کہا :
 « مادر گیتی ایسے فرزند گاہے گاہے پیدا کرتی ہے۔ اگر قسمت نے اس کا ساتھ دیا، تو یہ

چنگیز خاں از فرقہ کفارتا تار است نام پدرش بسو کی بود۔ در ۵۴۹ھ متولد شدہ در ۶۰۲ھ ببادشاہی سربر آوردہ
 در ۶۱۵ھ بر ملک چین و تاتار مستولی گشتہ و بعد ازاں رخ بطرف ایران نمودہ بر سر محمد خوارزم شاہ کہ سلطان
 غزنہ و خوارزم بود رفت، و بعد محاربه متواتر در ۶۱۸ھ اور امتاصل ساخت چندے باپیش سلطنت ان
 جلال الدین جنگ ہا داشت تا آن کہ اور انیز کشتہ تمامی ملک غزنہ خوارزم، بخارا، سمرقند و غیر انہا در عرصہ
 قلیل بدست آورد پس از سلطنت بست و دو سال بعد بمقتاد و پنج سال روز یک شنبہ ۱۵ رزمقان ۵۶۲۳
 درگذشت (مفتاح التواریخ)

شجرہ چنگیز خاں و اولادش این است :-
 چنگیز خاں وفات ۶۲۴ھ
 تغلق خاں " ۶۲۸ھ
 ہلاکو خاں " ۶۶۳ھ



اپنے باپ دادا کا نام روشن کرنے کا۔

جلال الدین نے لاہور پہنچ کر سلطان شمس الدین التمش اور ناصر الدین قباچہ سے امداد طلب کی۔ مگر وہ چنگیز جیسے سفاک دشمن سے لڑائی مول لینے کو تیار نہ تھے۔ جس کا ایمان ہی یہی تھا کہ جہاں جاتے، وہاں انسان کی نسل مٹائے۔ التمش نے جلال الدین کے نام پیغام بھیجا کہ یہاں کی آب و ہوا آپ کو راس نہ آئے گی۔ جلال الدین اس بات کو سمجھ گیا اور سندھ کی طرف روانہ ہوا۔ ناصر الدین قباچہ کو علم ہوا تو وہ پورے لشکر کے ساتھ مقابلے میں نکلا۔ سلطان کے جرنیل ازبک پائی نے کھوکھروں کی مدد سے اوچ شریف کے مقام پر قباچہ سے ٹکر لگائی۔ جس میں اُسے شکست ہوئی اور وہ بھگڑ کر طرف بھاگ گیا۔ سلطان ملتان کو روانہ ہوا۔ قباچہ یہ خبر سن کر فوراً ملتان آیا اور قلعہ بند ہو بیٹھا۔ ازبک پائی نے ملتان کا بھی محاصرہ کیا۔ لیکن سلطان کی حمیت نے مسلمانوں کی خونریزی کو گوارا نہ کیا اور یہ جنگجو مگر حوصلہ مند نوجوان اپنی قسمت سے ایک بار پھر ٹکرانے کے لیے سیوسمان کی راہ سے اپنے ملک کو واپس لوٹ گیا۔ جہاں وہ آخر دم تک مغلوں سے برسرِ پیکار رہا۔ آج تک نچتے طور پر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس شجاع اور جری سلطان کا کیا حشر ہوا؟ اغلب گمان یہی ہے کہ اُس نے مغلوں کے کسی معرکہ میں بہادری سے لڑتے ہوئے اپنی جان ملک اور ملت پر قربان کر دی ہوگی۔

مغلوں کا ملتان پر حملہ | تمام تارہ سچوں کا اس پر اتفاق ہے کہ چنگیز خاں نے دریائے سندھ کو عبور نہیں کیا تھا۔ لیکن اس کا جرنیل طرطائی سندھ کو عبور کر کے بھیرہ تک پہنچا اور اس شہر کی کل آبادی کو حکم دیا کہ فوج کے لیے کشتیاں تیار کرے۔ چنانچہ تھوڑے سے عرصہ میں کشتیاں تیار ہو گئیں۔ طرطائی نے ان کشتیوں کو دریائے جہلم میں ڈال دیا اور بڑے بڑے پتھراں میں بھروائے تاکہ ان

سے ملتان پر حملہ کر سکے۔ جب یہ فوج ملتان پہنچی تو اُس نے منجلیقوں سے قلعہ پر سنگباری شروع کی۔ فیصل جگہ جگہ سے شکستہ ہو گئی۔ ہاورتھ صاحب کے بیان کے بموجب برطانی کے ساتھ منغل شہزادہ "بیدا"، بھی تھا۔ یہ دونوں جرئیل فوج کو لڑا رہے تھے۔

ان ایام میں شیخ الاسلام شیخ الشیوخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے سخت فکر مند ہو رہے تھے۔ منغلوں کی فوج نیا سلائی

بقاچہ درویشوں کی پناہ میں

ممالک میں جو دھاندلی مچائی تھی۔ طوفانِ نوح کے بعد یہ بہت بڑی مصیبت تھی۔ جو نوعِ انسانی پر نازل ہوئی تھی۔ منگولیا کی اس تند و تیز آندھی نے ہزاروں شہروں کو بے چراغ کر دیا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام پریشانی کے اسی عالم میں بغداد کو روانہ ہوئے۔ ابھی ایک منزل چلے تھے کہ سید جلال الدین تبریزی اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے ملاقات ہوئی جو بغداد سے چلے آتے تھے۔ شیخ جلال الدین تبریزی نے فرمایا :

”شیخ الشیوخ کا فرمان یہی ہے کہ آپ واپس چلے جائیں۔“

مُرشد کی خیر و عافیت سن کر آپ کو اطمینان ہوا اور اپنے باکمال مہمانوں کے ہمراہ ملتان کو واپس لوٹ آئے۔

۱۔ تاریخ جہانکشائے جوینی

۲۔ شیخ جلال الدین تبریزی اگرچہ شیخ ابوسعید کے مُرید تھے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد بغداد میں چلے آئے اور شیخ الشیوخ

شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں رہنے لگے۔ ہر سال ان کے ہمراہ حج کو جاتے اور زیارتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوتے۔ شیخ الشیوخ جب بوڑھے ہو گئے تو توشہ جو ان کے ہمراہ لے کر چلتے تھے،

ٹھنڈا ہو جانے کے سبب ان کے مزاج کے موافق نہ رہتا۔ اس لیے شیخ جلال الدین ہمیشہ شیخ کے محاذ کے ہمراہ

چولہا و دیگ سر پر اٹھائے پیدل چلا کرتے تھے اور جب شیخ کو کھانے کی اشتہا ہوتی، وہیں طعام گرم کر کے

حضرت کے پیش کرتے۔ پہلی مرتبہ شیخ الاسلام کے ہمراہ بغداد سے خراسان آئے تھے۔ لیکن جب شیخ الاسلام انہیں

چھوڑ کر ملتان چلے آئے، تو وہ پھر بغداد میں پہنچے اور شیخ الشیوخ کی خدمت میں رہنے لگے۔ جب قطب الاقطاب

بختیار کاکی بغداد سے ہندوستان کو روانہ ہوئے تو یہ ساتھ ہوئے۔

۳۔ فوائد الفوائد جلد چہارم ص ۱۴۶۔

شیخ فرید الدین مسعود شکر گنج فرماتے ہیں کہ جن دنوں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی شیخ جلال الدین تبریزی و شیخ المسلمین بہاؤ الدین زکریا یکتا ملتان میں مقیم تھے۔ تینوں بزرگوار عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے تھے اور نوافل میں پورا قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ انہی لیل و نہار میں زندگی بسر کر رہے تھے کہ مغلوں نے ملتان پر حملہ کر دیا۔ سنگھاری سے قلعہ کی دیواریں مسمار ہو گئیں۔ قباچہ گھبرا کر شیخ الاسلام کی خانقاہ میں آیا اور عرض کی :

”اے خدایا دور ویشو! کوئی چارہ گری کرو۔ خدا کی قسم! اگر مغل شہر میں گھس آئے تو ایک متنفس بھی زندہ نہ بچے گا۔“

اسی وقت قطب الاقطاب نے ایک تیر منگوایا اور قباچہ کے حوالے کر کے فرمایا :

”یہ تیر لے جاؤ اور رات کے اندھیرے میں اسے برج پر سے دشمنوں کی طرف پھینک دو۔“

حضرت فرید الدین مسعود فرماتے ہیں کہ قباچہ وہ تیر لے کر چلا گیا اور حسب الارشاد رات کو کمان لے کر قلعہ کے ایک برج پر پہنچا اور چلہ پڑھا کر پوری قوت سے مغلوں کی فوج پر دے پھینکا۔ خدا کی شان! کہ رات کی تاریکی میں وہ بے پناہ لشکر اس طرح غمتر بود ہوا کہ صبح کو اس کا نشان تک نہ رہا۔ مولانا جامی اس واقعہ کو اپنے الفاظ میں اس طرح لکھتے ہیں :

”و نقل است از حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین محمد بدایونی قدس سرہ در آنچه حضرت سلطان العاشقین شیخ قطب الدین اوشی و برہان العارفین شیخ جلال الدین تبریزی و شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا قدس سرہم در یکجاے بودند۔ یکا یک ہزار ہا ملاعین از جانب خطا و فتن رسیدند و حسن ملتان زاد و محاصرہ کشیدند چنانچہ خلق ملتان

۱۔ شیخ فرید الدین مسعود فرمود کہ وقتے شیخ قطب الدین بختیار اوشی و شیخ جلال الدین تبریزی و شیخ بہاؤ الدین ایک جا بودند۔ ہر سہ بزرگوار شب نماز ختم قرآن مجید سے کر دند۔ وہمہراں وضو نماز با ملاوے گزار دند۔ (خلاصۃ العارفین)

دست از جان شستند۔ و اُن قباچہ بیگ توجہ بحضرت خواجہ قطب الدین اوشی
 نمود۔ و دعائے از بہر دفع اُن بلا از حضرت ایشان درخواست۔ حضرت خواجہ
 قطب الدین قدس سرہ تیرے طلبیدہ و بدست قباچہ داد و فرمود کہ چوں نماز
 شام در آید۔ بہ بُرج حصار بر آء۔ و بجانب کفار فجار بلنداز۔ قباچہ مذکور اُن
 تیرا گرفت و بہ بُرجے برآمد و اُن تیرا بکمانے در آوردہ بجانب اُن ملاعین
 برتاب داد۔ و بخانہ آمد۔ بفرمان خداوند تعالیٰ شباشب اُن قوم شوم از نواحی
 اُن بوم چناں غائب و نایاب شدند کہ اثرے از ایشان پدید نگشت۔“
 اس واقع کا قباچہ کے معتقدات پر یہ اثر ہوا کہ وہ درویشوں کو ملک کے لیے آیہ رحمت
 سمجھنے لگ گیا۔ چنانچہ چند روز بعد جب حضرت قطب الاقطاب بختیار کاکی دہلی کو اور شیخ
 جلال الدین تبریزی غزنی کو روانہ ہونے لگے تو اس نے بڑی منت خوشامد سے انہیں کچھ
 اور عرصہ ٹھہرانے کی کوشش کی اور عرض کی :

”چند گاہ دیگرے سایہ برکت دریں مقام ارزانی فرمائید۔“
 لیکن حضرت قطب الاقطاب نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم لوگ زیادہ عرصہ
 یہاں نہیں ٹھہر سکتے۔ کیونکہ یہ مقام حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی تحویل میں دیا جا چکا ہے۔
 ہمیشہ اُن کی پناہ میں رہے گا۔ یہ کہہ کر دونوں بزرگ اپنے اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔



۱۔ اس مقام در ذمہ و حوالہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا است و ہمارا در پناہ اور خواہد بود۔

(سیر العارفين، قلمی ص ۱۹)

سوانح

۶۲۱ تا ۶۲۵

۶۲۱ھ میں حضرت شیخ الاسلامؒ کے مشکوٰۃ معلیٰ میں حضرت صدر الدین محمد عارف پیدا ہوئے۔ اس تقریب سعید پر ارادت مندوں نے بڑی خوشیاں منائیں اور حضرت شیخ الاسلامؒ نے اہل ملتان کے غریب و مساکین کے دامن زر و جواہر سے بھر دیئے۔ اس زمانے میں حضرت کا دسترخوان بہت وسیع ہو گیا تھا اور اس پر نہایت پُر تکلف اور مختلف النوع کھانے ترتیب دیئے جاتے تھے۔ اس پر سینکڑوں علماء و مشائخ اور ہزاروں فقراء دونوں وقت کھانا کھاتے تھے۔ حضور مہمانوں کو شریک طعام دیکھ کر نہایت مسرور اور محظوظ ہوتے تھے اور جس قدر لوگ زیادہ آتے تھے۔ اتنی ہی دُرخ اندر پر بشاشت زیادہ نظر آتی تھی۔ چنانچہ ایک روز جبکہ بے شمار درویش حاضر تھے، اسی اثناء میں دسترخوان بچھایا گیا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ بھی کھانے کے دوران میں کسی درویش کے ساتھ شریک طعام ہو گئے۔

اسی دوران میں ایک درویش کو دیکھا کہ نوالہ شوربا میں تر کر کے کھا رہا ہے۔ آپ نے خوش ہو کر فرمایا :

”و سبحان اللہ! اتنے بڑے مجمع میں یہی شخص بہترین کھانا کھا رہا ہے۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شریک کو باقی کھانوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے، جیسے مجھے انبیاء علیہم السلام پر اور عائشہؓ کو مستوراتِ عالم پر۔“

الغرض حضرت شیخ الاسلامؒ ان بزرگوں میں سے تھے جن پر یہ آیت صادق آتی ہے :

كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ط (المؤمنون : ۵۱ -)

”یعنی پاک کھانا کھاؤ اور نیک عمل کرو۔“

آپ کا دسترخوان بھی شاندار تھا اور ذوقِ عبادت بھی۔

لطیفہ | ایک مرتبہ ایک یاوہ گواہی ایسے وقت حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں آیا جبکہ کھانے کی کوئی چیز آپ کے پاس موجود نہ تھی۔ اُس نے کہا حضرت! کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ "مَنْ ذَا رَحِيًّا وَ لَمْ يَذُقْ مِنْهُ شَيْئًا فَكَلَّمَا ذَا رَحِيًّا" یعنی جس نے کسی زندہ کی زیارت کی اور اس کی کوئی شے نہ چکھی، گویا اُس نے مردہ کی زیارت کی۔ حضور نے مسکرا کر فرمایا:

”ہاں! صحیح ہے! مگر عوام اس حدیث کے معنی نہیں جانتے۔ کیونکہ خلق کی دو قسمیں ہیں، عوام و خواص۔ عوام سے مجھے غرض نہیں، خواص جب آتے ہیں، اپنی استعداد کے مطابق فیض پاتے اور ذوق حاصل کرتے ہیں۔ اس حدیث شریف کے یہی معنی ہیں۔“

ایک مقروض کی امداد | حضرت کاغزانہ غرباء اور مستحقین کے لیے ہر وقت کھلا تھا۔ محتاج اور مساکین آتے تھے اور حضرت کے دربار سے

مالا مال ہو کر جاتے تھے۔ بعض اوقات یہ داد و دہش اعجاز کی صورت اختیار کر لیتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ الاسلام حجرہ شریف میں مصروف عبادت تھے۔ چند روپے بھی چپ چاپ پاس بیٹھے تھے۔ دفعتاً حضور دامن سمیٹتے ہوئے مصلیٰ سے اُٹھے اور ایک مٹھی روپوں کی ہاتھ میں لیے باہر نکل گئے۔ درویش بھی حیرانی کے عالم میں لپک کر ساتھ ہو لیے باہر آ کر دیکھا کہ چند آدمی ایک غریب الحال شخص کو اپنے قرضہ کی وصولی کے لیے تنگ کر رہے ہیں۔ حالانکہ اُس آدمی کے پاس ایک مچھوٹی کوڑھی بھی نہ تھی۔ حضرت نے انہیں بلا کر فرمایا۔ ”یہ مٹھی لے لو اور جس قدر روپے اس شخص سے لینے ہیں۔ نکال لو۔“ قرض خواہ نے اپنے قرض سے کچھ روپے زیادہ لینے چاہے۔ فوراً اُس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ چلا کر بولا۔ ”حضور معاف فرمائیے، میری زیادہ لینے سے توبہ ہے۔“

۱۔ مرابعا عوام کا نہایت زیارت ایشاں را اعتبار سے نہ۔ اما چون خواص بر من سے آئند بقدر حال خویش

فیض سے یابند و ذوق سے گیرند معنی حدیث این است۔ (سیر العارفين قلمی ص ۲۱)

معاہدہ درست ہو گیا۔

مفلوک الحال مقروض حضرت کو دعائیں دینے لگا۔ آپ درویشوں کے ہمراہ خلوت خانہ کو واپس تشریف لے آئے اور فرمایا کہ خداوند کریم نے مجھے اس شخص کی امداد کے لیے بھیجا تھا۔ الحمد للہ! کہ اس کا مطلب پورا ہو گیا۔

ایک دفعہ چند ڈاکو چوری کے امدادے سے حضرت کی خانقاہ میں گھس آئے۔ آپ مصلیٰ پر بیٹھے اللہ اللہ کر رہے تھے۔ جو نہی حضور

کی نظر چوروں پر پڑی، سب کے سب اندھے ہو گئے اور فریاد کرنے لگے کہ "خدا کے لیے ہمیں اس عذاب سے نجات لائیے۔ آئندہ کے لیے چوری سے ہماری توبہ ہے۔" شیخ الاسلام نے رحم کھا کر جو توجہ فرمائی، سب کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور فسق و فجور سے توبہ کر کے بڑے مرتبہ کے درویش بن گئے۔

آہن کہ بیارہس آشنا شد فی الحال بصورت طلا شد

ایک مرتبہ رمضان المبارک کے مہینے میں شہر کا حاکم آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ میرا ایک مصاحب اہل علم ہونے کے باوجود اولیاء کی کرامت کا قائل نہیں۔ آپ یہ سن کر خاموش رہے۔ حاکم نے مکرر سہ کتہ یہ ماجرا بیان کیا اور التجا کی کہ براہ کرم اسے گمراہی سے نکالنے کے لیے کوئی تجویز کی جائے۔

آپ نے ایک خادم کو بلا کر فرمایا، شہر میں اعلان کرادو کہ آج کوئی شخص بغیر ہمراہی بہاء الدین کے روزہ افطار نہ کرے اور افطاری کے وقت پر ہر شخص اپنے گھر میں مقیم رہے۔ الغرض اس دن حضرت شیخ الاسلام شہر کے تمام مسلمانوں کے ساتھ افطاری میں شریک ہوئے اور حاکم شہر کے مصاحب کے ساتھ سینکڑوں دوسرے آدمی بھی اہل اللہ

یہ تذکرہ نگاروں نے حاکم کا نام نہیں لکھا۔ اغلب گمان یہی ہے کہ سلطان ناصر الدین قباچہ نے ہی آپ سے یہ استدعا کی ہوگی۔

کی کرامت پر ایمان لے آئے کہ یہ خاصانِ خدا کا تصرف ہے۔ ہر آدمی کو ایسا کرنے کی طاقت نہیں۔

سلاطین ناصر الدین قباچہ درشت خوانسان تھا۔ روزانہ قباچہ کی بے راہروی

لوگ اس کے مظالم کی آکر فریاد کرتے تھے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کبھی تو قباچہ کو سفارش فرماتے اور کبھی انہیں خلعت و دینار دے کر راضی کر دیتے۔ بجائے اس کے کہ قباچہ حضرت کی کرم بخشی کا معترف ہوتا۔ اٹھا حضور سے بدگمان رہتا اور حضور کے اثر و نفوذ کو اپنے حق میں نہ ہر ہلاہل خیال کرتا تھا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت شیخ الاسلامؒ سلطان التمش کے دوست تھے۔ لیکن اب تک حضور نے قباچہ سے بھی کوئی دشمنی نہیں کی تھی۔ التمش سے دوستی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اُسے شیخ الاسلامؒ کے مرشد شیخ الشیوخ نے دعا کی تھی اور وہ خود دیندار اور پارسا انسان تھا۔ قباچہ اوج شریف، ملتان اور ٹھٹھہ کا حاکم تھا

۱۔ مولانا سراج منہاج صاحب طبقات نامی لکھتے ہیں کہ شمس الدین التمش ترک نوجوان تھا۔ جب یہ گرفتار ہوا، خواجہ جمال الدین بخاری اُسے خرید کر تجارت کے سلسلے میں بغداد لے گیا۔ اس وقت یہ پندرہ سالہ حسین و جمیل نوجوان تھا۔ خواجہ نے اُسے کھانا لینے کے لیے بازار بھیجا۔ اچانک اُس کا گزر حضرت شیخ الشیوخ کی خانقاہ سے ہوا۔ اُس کی نظر جو نہی حضرت کے چہرے پر پڑی۔ بے اختیار اندر چلا گیا اور چند پیسے جو اس وقت جیب میں رکھتا تھا، نکال کر آگے رکھ دیئے اور طالبِ دعا ہوا۔ حضرت شیخ الشیوخ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اسے دیکھ کر فرمایا کہ مجھے اس نوجوان کے چہرہ میں بادشاہی کی تجلیات روشن دکھائی دیتی ہیں (من در چہرہ این شخص انوار سلطنت لامعہ بنیم) شیخ ابو الدین کرمانی پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے بھی شفقت کی نظر سے التمش کو دیکھا اور فرمایا کہ آپ کی برکت سے دنیاوی سلطنت میں اس کا دین بھی محفوظ رہے گا۔ یہ انہیں بزرگوں کی دعا کا صدقہ تھا کہ وہی کا تاجدار ہونے کے باوجود التمش اپنے زمانے کا بہت بڑا درویش بھی تھا۔ قطب الدین بختیار کاگی کا محبوب مرید کہ جب حضرت کا انتقال ہوا تو جوازہ اسی درویش

صفت تاجدار نے پڑھا۔ سچ ہے۔

این سعادت بزور بازنیت تانہ بخشند خدائے بخشندہ

یہ صوبے قدیم سے دہلی کے تابع چلے آتے تھے۔ لیکن قباچہ بیگ نے نہ صرف خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ بلکہ اس نے سلطان التمش کے خلاف سازشوں کے جال پھیلانے شروع کر دیئے۔ احکام شرع کی ترویج میں بھی سستی ہونے لگی اور بادشاہ کے متعلقین نے فسق و فجور شروع کر دیا۔

اتفاق سے انہی دنوں حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے غریب ہمسایہ کو ایک ہزار تنکے کے عومن گرفتار کر لیا گیا۔ اس کا بوڑھا باپ روتا ہوا آیا۔ آپ نے ایک ہزار تنکے کی تقیلی اُسے مرمت فرمائی کہ بادشاہ کو ادا کر کے اپنے بیٹے کو چھوڑالائے۔ اسی قسم کی اور بہت سی شکایتیں جمع ہو گئیں۔ حضرت شیخ الاسلام نے قباچہ کو بہت کچھ سمجھایا، لیکن جب کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوا تو حضرت نے سلطان التمش کو ایک خط لکھا کہ یہاں شریعت کی بہت بے حرمتی ہو رہی ہے اور نیز قباچہ آپ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

ان دنوں ملتان شہر کے حاکم قاضی شرف الدین اصفہانی تھے۔ وہ بھی عالم باعمل اور متدین ہونے کے سبب قباچہ کی حرکتوں سے نالاں تھے۔ انہوں نے بھی اسی شیخ کا ایک خط سلطان کے نام ارسال کیا۔

سوہ اتفاق سے دونوں خطوط پکڑے گئے۔ قباچہ انہیں پڑھ کر سخت مشتعل ہوا اور ایک محفل کے ذریعے دونوں کو طلب کیا۔

اتفاق سے حضرت شیخ الاسلام اور قاضی شرف الدین بیگ وقت دربار میں پہنچے۔

قباچہ استقبال کے لیے کھڑا ہو گیا۔ حضرت شیخ الاسلام کو تو تخت پر اپنے دائیں جانب بٹھایا اور قاضی صاحب کو اپنے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا اور ان کا لکھا ہوا خط جیب سے نکال کر ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ قاضی صاحب خط کو دیکھ کر دم بخود چپ ہو رہے۔ قباچہ نے جھنجھلا کر جلاو کو اشارہ کیا۔ اُس نے بڑھ کر قاضی صاحب کا سر اڑا دیا۔ اس کے بعد قباچہ نے دوسرا خط نکالا اور حضرت شیخ الاسلام کے آگے رکھ دیا۔ حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا :

”ہاں! یہ میرا خط ہے، میں نے خدا کے حکم سے لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے۔
تم میرا کیا بگاڑ سکتے ہو۔“

قباچہ نے جب یہ سنا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اشارہ کیا کہ کھانا لاؤ۔ اس خیال پر کہ
اگر شیخ کا دل صاف نہیں ہوگا تو وہ کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھائیں گے اور اس
طرح انہیں ایذا پہنچانے کا موقع ہاتھ آجائے گا۔ لیکن جب کھانا لایا گیا، تو حضرت
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر کھانے میں شریک ہو گئے۔
یہ دیکھ کر قباچہ بہت شرمندہ ہوا اور اُس نے حضرت کو اعزاز و اکرام کے
ساتھ رخصت کیا۔

قباچہ کا عبرتناک انجام

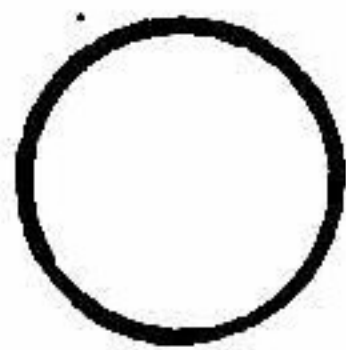
مولانا ذکاء اللہ لکھتے ہیں:

”سلطان ناصر الدین قباچہ کو جب جلال الدین کی لوٹ کھسوٹ سے فرصت ملی تو
اُس نے پھر سلطان التمش سے پرغاش شروع کی اس لیے سلطان ۶۲۵ھ میں
دہلی سے اُچ کو روانہ ہوا۔ ناصر الدین قباچہ قلعہ اوچ کو محکم کر کے خود قلعہ بھکر
کی طرف بھاگ گیا اور اپنے وزیر عین الملک حسین اشعری کو حکم دیا کہ خزانہ کو
قلعہ اوچ سے منتقل کر کے بھکر میں پہنچا دے۔ سلطان التمش نے خود قلعہ
اُچ کا محاصرہ کیا اور اپنے وزیر نظام الملک جنیدی کو ناصر الدین قباچہ
کے تعاقب میں روانہ کیا۔ ایک مہینہ تک قلعہ اوچ کا محاصرہ رہا۔ پھر صلح
سے فتح ہو گیا۔“

ناصر الدین قباچہ کے سرپر جو گزری وہ تاریخ ملتان کے مولف مخدوم شیخ سید محمد یوسف
صاحب کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں:

”و ملک قیباچ در بھکر نیز توقف نمود مقرون بصلاح ندیدہ از انجا بعزم فرار مع
اہل و عیال در کشتی سوار شدہ خواست کہ بساحل بنجات رسد۔ اما چون سفینہ
او میان دریا رسید غرق بحر فنا گردید و فتح و ظفر نظام الملک را نصیب شد“
یعنی وہ فرعون جو ملتان کے تخت پر بیٹھ کر سلطان الشمس کو خاطر میں نہ لاتا تھا جس نے
قاصی ثروف الدین اصفہانی کو دربار میں طلب کر کے بے گناہ شہید کیا تھا۔ اس قدر
ہراساں ہوا کہ سلطان کے مقابلے میں بھی نہ نکل سکا۔ تاب مقاومت نہ لاکر کوچ سے
ملتان اور ملتان سے بھگت مہنچا۔ لیکن جب نظام الملک نے قشون قاہرہ کے ساتھ تعاقب
کیا تو بھگت میں بھی نہ ٹھہر سکا۔ اپنے اہل و عیال سمیت کشتی میں سوار ہوا تاکہ سندھ کی طرف
نکل جائے۔ لیکن قاصی ثروف الدین اصفہانی کے جبار خدا کی ”بطش شدید“ نے اسے عین
منجدھار میں اس طرح لاپکڑا کہ سنھلنے تک کی مہلت نہ دی۔ سندھ کی خوف ناک لہریں ڈائن
کی طرح اُسے بال بچوں سمیت نکل گئیں۔ مہر کے فرعون کی لاش تو بچ رہی تھی، لیکن
ملتان کے فرعون کا ایک بال بھی اس گرداب سے نہ بچ سکا۔ کسی عارف نے کیا
خوب کہا ہے

تبرکس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال سے آید





کتابانِ طریقت

فرید الدین مسعود گنج شکر

حضرت شیخ الاسلام کی زندگی میں جن قدسی نفوس کو آپ کی مصاحبت کا ثمر حاصل ہوا ہے ان میں حضرت گنج شکرؒ زیادہ ممتاز نظر آتے ہیں۔ محبت اور اثوت کا یہ رشتہ دونوں بزرگوں میں اخیر دم تک قائم رہا۔ اس یگانگت اور موڈت سے بعض مورخین کو عجیب غلط فہمی ہوئی ہے کہ انہوں نے انہیں خالہ زاد بھائی مشہور کر دیا۔ یہاں تک کہ حضرت محدث دہلوی بھی "اخبار الانبیاء" میں "مے گویند" کی اڑلے کر یہی کچھ کہہ گئے۔ حالانکہ یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔

صاحب "بزم صوفیہ" نے حضرت گنج شکرؒ کی تاریخ ولادت ۵۸۲ھ لکھی ہے۔ لیکن سیر الاولیاء اور دوسری ثقہ تاریخوں میں ۵۶۹ھ مرقوم ہے۔ حضرت کے روضہ مبارکہ پر بھی یہی تاریخ کندہ ہے۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ بیعت کے وقت حضرت کی عمر ثمرین اٹھارہ برس تھی اور بیعت کے بعد تقریباً اسی برس تک زندہ رہے۔ اس لحاظ سے بھی آپ کی تاریخ ولادت ۵۸۲ھ قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ حضرت کی تاریخ وفات بالاتفاق ۶۶۴ھ ہے۔

حضرت گنج شکرؒ کو مھوال (ضلع ملتان) کے بہت بڑے عالم مولانا جمال الدین سلیمان کے صاحب زادے تھے۔ ابھی آپ چھوٹے سے بچے ہی تھے کہ والد کا سایہ سہ سے اتر

۱۔ یہ مقام ملتان شہر سے بارہ میل جنوب مشرق بدھلہ سنت روڈ پر واقع ہے۔ اور اس میں حضرت گنج شکر قدس سرہ کے والد بزرگوار کا مزار پرنوار زیارت گاہ خلعت ہے۔ یکم، ۲ اپریل کو آپ کا عرس بڑے اہتمام سے کیا جاتا ہے۔

گیا۔ حضرت کی والدہ نے آپ کو گاؤں کے عالم کے پاس پڑھنے بٹھایا۔ جب یہاں سے تعلیم پوری ہو گئی تو تکمیلِ علوم کے لیے آپ کو ملتان بھیجا دیا۔ یہاں آپ نے قرآن حفظ کیا اور مولانا منہاج الدین کی مسجد میں فقہ کی مشہور کتاب ”نافع“ شروع کی۔

ایک دن حضرت اسی مسجد میں بیٹھے کتاب نافع کا مطالعہ کر رہے تھے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھنے کے لیے اس مسجد میں چلے آئے۔ آپ کو کتاب کے مطالعہ میں مصروف دیکھ کر پوچھا :

”میاں صاحبزادے کیا پڑھ رہے ہو؟“

آپ نے کتاب سے نظر اٹھا کر دیکھا اور جواب دیا :

”حضرت! نافع پڑھ رہا ہوں۔“

خواجہ صاحب نے مسکرا کر دوبارہ سوال کیا :

”کیا یہ کتاب تجھے نفع دے گی؟“

حضرت گنج شکر نے عرض کی :

”حضرت! اس کتاب نے تو کیا نفع دینا ہے، البتہ حضرت کی نظر کی مہیا اثر سے نفع پہنچنے

کی امید ضرور ہے۔“

یہ کہہ کر خواجہ صاحب کے چہرہ پر دوبارہ نظر کی۔ عجب جاہ و جلال برستا نظر آیا۔ آنکھیں چاہ ہونی تھیں کہ دل کی کائنات میں تہلکہ برپا ہو گیا۔ فوراً سر قدموں میں رکھ دیا اور حضرت کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی۔ صاحب بزمِ صوفیہ لکھتے ہیں کہ خواجہ بختیار کاکی نے بیعت کے وقت گنج شکر کو مخاطب کر کے یہ رباعی پڑھی تھی :

مقبول تو جز مقبل جاوید نشد وز لطف تو بیح بندہ نومید نشد

لطفت بکدام بندہ پیوست دے کان ذرہ بہ از ہزار نور شید نشد

مستورِ فطرت خواجہ حسن نظامی صاحب لکھتے ہیں کہ خواجہ بختیار کاکی نے دہلی میں آکر

حضرت گنج شکر کو مرید کیا تھا۔ لیکن مولانا جمالی کا دعویٰ یہ ہے کہ بیعت ملتان میں ہوئی تھی۔

”ہمدراں حین حضرت شیخ فرید الدین مسعود لبشر ارادت مشرف شد“ سے اس امر کی تصدیق

طور پر وضاحت ہوتی ہے۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :
 بتحقیق پیوستہ است کہ حضرت فرید الدین مسعود در ملتان لبشرت بیعت حضرت
 زبدۃ الاسرار شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی مشرف شدہ۔
 اب بحث طلب امر یہ رہ جاتا ہے کہ کیا حضرت گنج شکر نے اسی تقریب پر بیعت کی تھی جبکہ
 مغلوں نے ملتان پر حملہ کیا تھا یا کوئی اور موقع تھا۔ بقول سیر العارفین بابا صاحب کی تاریخ
 پیدائش ۵۶۹ھ ہے اور مغلوں کا حملہ ۶۱۸ھ میں ہوتا ہے۔ یعنی مغلوں کے حملہ کے وقت آپ
 ۹ برس کے تھے۔ لیکن تذکرہ نگار بیعت کے وقت آپ کی عمر ۱۸ برس بتاتے ہیں۔ اور یہ امر
 اس لیے بھی قرین قیاس ہے کہ کتاب "نافع" کا مطالعہ اسی عمر میں ہی موزوں معلوم ہوتا
 ہے۔ پھر خواجہ قطب صاحب کا یہ کہنا کہ پہلے علوم ظاہرہ کی تحصیل میں کوشش کیجئے کیونکہ
 بے علم زاہد مسخرہ شیطان ہے۔ اس سے بھی یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آپ ابھی طالب علم
 ہی تھے اور طالب علم کی عمر ۱۸ برس ہی ہونی چاہیے۔ اگر حضرت کی تاریخ پیدائش کو
 ۵۶۹ھ تسلیم کیا جائے تو ۵۸۷ھ اور اگر ۵۸۲ھ تاریخ ولادت صحیح باور کی جائے تو
 ۶۰۰ھ میں حضرت فرید الدین گنج شکر نے خواجہ قطب صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی ہوگی۔
 ہونسکتا ہے کہ حضرت قطب الاقطاب ۵۷۸ھ یا ۶۰۰ھ میں ملتان سے گزرے ہوں
 اور ۶۱۸ھ میں اجمیر سے ہو کر دوبارہ ملتان تشریف لائے ہوں۔ اس پر بھی سید جلال الدین
 تبریزی کی معیت ایک اشکال بن کر سامنے آجاتی ہے۔
 کیونکہ اگر قطب صاحب ۶۰۰ھ میں ہندوستان آئے ہوں تو سید جلال الدین تبریزی
 بھی لامحالہ ہمراہ ہوں گے، تو کیا وہ اتنا طویل عرصہ حضرت کے ہمراہ پھرتے رہے ہوں
 گے۔ بہر حال شیخ جلال الدین تبریزی کا ۶۱۸ھ میں خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی
 کے ہمراہ ملتان تشریف لانا اور پھر یہ کہ بغداد سے ہی ہمراہ چل کر ملتان پہنچا مورخین
 کے لیے بحث کا ایک اور دروازہ کھول دیتا ہے۔ الغرض جب حضرت بختیار کاکی نے دہلی
 کا رخ کیا تو شیخ فرید الدین مسعود بھی ہمراہ روانہ ہوئے۔ تین منزلیں طے کی تھیں کہ حضرت
 نے آپ کو طلب کر کے فرمایا :

” ابھی یہاں ٹھہریے اور علوم ظاہرہ کی تحصیل میں پوری کوشش کیجئے۔ کیونکہ بے علم زہاد مسخرہ شیطان ہے۔“

چنانچہ حضرت فرید الملّت مرشد کے حکم سے ملتان لوٹ آئے۔ کچھ عرصہ یہاں تعلیم پائی پھر قندھار تشریف لے گئے اور وہاں کے علماء سے استفادہ کیا۔ یہاں سے بعد اپنے اور شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی، سیف الدین بانٹری، سعد الدین جموی، بہاء الدین جموی، شیخ ابو حد الدین کرمانی، شیخ فرید الدین نیشاپوری جیسے اکابر صوفیاء سے صحبتیں کیں اور استفادہ کیا۔ حضرت شیخ الاسلام سے بھی پہلی ملاقات اسی سفر کے دوران میں ہوئی۔ لیکن کب اور کہاں؟ تاریخ کے اوراق اس بارے میں خاموش ہیں۔

مولانا جامی لکھتے ہیں کہ پانچ برس کی سیاحت کے بعد حضرت گنج شکر اپنے پیر کی خدمت میں دہلی پہنچے۔ خواجہ خواجگان نے غزنی دروازہ کے برج کے نیچے ایک حجرہ آپ کو مرحمت کیا۔ جہاں آپ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ پندرہ روز کے بعد پیر کی جناب میں حاضر ہوئے۔ بخلاف اس کے کہ شیخ بدر الدین غزنوی اور شیخ احمد نروانی جیسے درویش آٹھوں پر حضرت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور ایک لحظہ کے لیے جدا نہیں ہوتے تھے۔

سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ اس ریاضت اور مجاہدہ میں آپ کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ جب شیخ الہند معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ آپ کو ملنے کے لیے آپ کے حجرہ میں تشریف لائے تو آپ صوغت کے سبب تعظیم کو نہ اٹھ سکے۔ حضرت شیخ الہند نے آپ کے لیے دعا کی۔ اسی وقت ہاتھ نے نداوی :

” فرید را برگزیدم “

چنانچہ شیخ الہند نے آپ کو خلعت عطا کی اور حضرت بختیار کاکی نے اپنی خلافت کی دستار ان کے سر پر باندھی۔ شیخ الہند نے حضرت شہید المحبت بختیار کاکی کو مخاطب کر کے فرمایا :

” بابا قطب الدین! عجب شاہبازے در دام آوردہ کہ بجز سدرۃ المنتہیٰ اشیاء

نے گیدو

جب دہلی میں آپ کا چرچا زیادہ ہونے لگا، تو حضرت فرید الملک اپنے مرشد کی اجازت سے ہانسی چلے آئے۔ لیکن یہاں بھی معتقدین نے نہ رہنے دیا۔ ہر وقت ہجوم رہنے لگا۔ بالآخر آپ یہاں سے ملتان کی جانب تشریف لے آئے اور اپنے قدیم مسکن کو مٹھوال میں قیام فرمایا۔

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جب حضرت شیخ جلال الدین تبریزی ملتان سے دہلی کو جا رہے تھے تو پہلی منزل کو مٹھوال میں ہوتی۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کوئی درویش بھی ہے تاکہ اس کی زیارت کروں۔ انہوں نے کہا ہاں! قاضی شہر کے صاحب زادے اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کے خلیفہ یہاں ہیں۔ جو عید گاہ کے عقب میں رہتے ہیں۔ چنانچہ شیخ جلال الدین آپ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں کسی نے انار پیش کیا۔ آپ نے حضرت گنج شکر علیہ الرحمۃ کے ہاں پہنچ کر اسے توڑا اور آپ کی طرف بڑھایا حضرت نے فرمایا: ”مجھے روزہ ہے اور حضرت شیخ جلال الدین نے کھالیا اور رخصت ہو گئے۔ ان کے روانہ ہونے کے بعد حضرت گنج شکر نے نظر کی توشیح کی مسند پر ایک دانہ انار کا نظر پڑا اور شام کو اسی سے روزہ افطار کیا۔ اس دانے کا کھانا تھا کہ دل میں روشنی پیدا ہو گئی۔ یہ دیکھ کر آپ نے دل میں افسوس کیا کہ کاش! شیخ کا کھانا کر زیادہ دانے کھاتا۔ لیکن جب دہلی میں حضرت خواجہ قطب الاقطاب سے گفتگو ہوئی تو آپ نے فرمایا، وہی ایک دانہ تمہارے لیے کافی تھا اور وہ تجھے مل گیا، کوئی فکر نہ کرو۔

چونکہ کو مٹھوال ملتان سے بہت زیادہ قریب تھا، آپ کی شہرت سن کر ملتان سے لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی اور ہر وقت آپ کے ہاں زائرین کا ہجوم رہنے لگا۔ انجام کا یہاں سے آپ اجدوہن کو روانہ ہو گئے۔ یہاں کے لوگ درشت مزاج تھے۔ کوئی پرساں حال

نہ ہوا، تو لطف آگیا۔ تنہائی اور سکون کی نعمت کے متلاشی تھے۔ وہ یہیں مل گئی، چنانچہ اسی جگہ کو مسکن بنا لیا۔

حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ الاسلام کے پیر و مرشد حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی سے بڑی عقیدت تھی۔ ان کی شہرہ آفاق تصنیف عوارف المعارف ہر وقت پیش نظر رہتی تھی اور اسے درس کے طور پر پڑھاتے تھے۔ حضرت محبوب الہی فرماتے ہیں کہ آپ کے پڑھانے میں یہ اثر تھا کہ سنتے والوں کے ہوش بجا نہیں رہتے تھے۔ میں نے اس کتاب کے پانچ ابواب آپ ہی سے پڑھے اور آپ کے بیان کی لذت سے مجھ پر ایسی بے خودی طاری ہو جایا کرتی کہ اگر ایسی حالت میں موت آجاتی تو ایک بڑی دولت ملتی۔“

اس سے بھی شیخ الشیوخ سے عقیدت اور محبت کا پتہ چلتا ہے کہ جب آپ کے گھر میں فرزند ارجمند تولد ہوا تو اس کا نام شیخ کے نام کی رعایت سے شہاب الدین رکھا۔ حضرت فرید الملّت نے سلوک کی منازل طے کرنے میں بڑی بڑی ریاضتیں طے کیں۔ اُن کا اپنا بیان ہے کہ وہ بیس سال تک عالمِ تفکر میں کھڑے رہے۔ اُن کے پاؤں متورم ہو گئے اور ان سے خون بہنے لگا۔ اس دوران میں انہیں یاد نہیں کہ کچھ کھایا پیا ہو۔ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور اگر کوئی عارضہ بھی لاحق ہوتا یا فصد لیتے تو بھی روزہ افطار نہ کرتے تھے۔ رمضان میں ہر رات تراویح کے اندر دو کلام پاک ختم کرتے تھے۔ کبھی دس دس پارے زیادہ بھی پڑھ جاتے تھے۔

حضرت محبوب الہی کو کئی بار آپ کے ساتھ تراویح پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کا بیان ہے کہ ابھی کچھ رات باقی ہوتی تھی کہ ہم لوگ تراویح سے فارغ ہو جاتے تھے۔ اُصیبتِ الہی کا یہ عالم تھا کہ مریدوں کے حلقہ میں بات بات پر گریہ طاری ہو جاتا تھا اور

اور کبھی کبھی تو دھاڑیں مار مار کر روتے تھے۔ یہ شعر آپ کے قلب و دماغ پر خاص طرح سے اثر انداز ہوتا تھا۔ سنتے تو ہائے ہائے کر کے روتے، پڑھتے تو نعرے لگاتے اور بے ہوش ہو جاتے۔

در کوئے عاشقان چناں جاں بدہند

کاسجا ملک الموت نکتجد ہرگز!

حضرت شیخ الاسلام اور حضرت گنج شکر کے درمیان بڑی محبت تھی۔ سالہا سال تک دونوں نے یکجا بسر کئے اور سفر و حضر میں ایک دوسرے کے شریک حال رہے۔ ان کا باہمی اخلاص دنیاوی راہ و رسم سے وراء الورا تھا۔

ایک موقع پر حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے گنج شکر علیہ الرحمۃ کو کسی تقریب پر لکھا:

«میان ما و شما عشق بازی است»

چونکہ «عشق بازی» کے لفظ سے عمومیت ٹپکتی تھی، اس لیے حضرت بابا صاحب

نے جواب دیا:

«میان ما و شما عشق است، بازی نیست»

حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ سے جو عقیدت اور محبت تھی، اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ مریدوں کو پند و نصائح کرتے وقت حضرت شیخ الاسلام کے ارشادات کو دہراتے اور ان کی عبادت و ریاضت کے ذکر کو مزے لے لے کر بیان کرتے۔

ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ برادر م بہاء الدین چالیس سال کامل گوشہ نشین رہے اس دوران میں بہت کم لوگوں کو زیارت کا موقع ملتا تھا۔

ایک اور موقع پر آپ نے اپنے مریدوں سے ذکر کیا کہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا نے

فرمایا ہے کہ جو شخص تصوف کی دنیا میں داخل ہونے کا اندر و مند ہو، اُسے چاہیے کہ سب سے پہلے توبہ کرے اور اپنے دل کو عاداتِ ذمیمہ سے پاک کرے۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ کے قول کے مطابق وہ عاداتِ ذمیمہ یہ ہیں:

غل، غش، حقد، حسد، حرص، کبر، بغض، ریا اور غضب۔

حضرت زکریا ملتانی نے فرمایا ہے کہ جب تک آدمی دل کو ان اوصافِ ذمیمہ سے پاک نہ کرے، کلیم اور صوت پہننا اُسے دروا نہیں ملے۔

فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اور برادرِ بہاء الدین یکجا بیٹھے تھے۔ زہد

زہد کی تعریف کے بارے میں بات چل نکلی۔ شیخ الاسلام ملتانی نے فرمایا:

”زہد تین چیزوں کا نام ہے۔ جس میں یہ نہیں ہیں اُسے زہد کہلانے کا حق نہیں ہے۔

اول: دنیا کو پہچاننا اور اُس سے مایوس ہونا۔

دوم: مولا کی خدمت کرنا اور اس کے حقوق کی نگہداشت کرنا۔

سوم: آخرت کی طلب اور اس کے حصول میں لگانا کوشاں رہنا۔

حضرت فرید الملک فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ملتان پہنچا

کارِ خود بکار سائیدہ اور برادرِ بہاء الدین سے ملاقات کی۔ مصافحہ کے بعد پوچھا:

”فرمائیے! کہاں تک کمال حاصل کیا؟“

میں نے جواب دیا کہ اگر آپ فرمائیں، تو جس کرسی پر ہم بیٹھے ہیں، ہوا میں اُڑنے لگے۔ ابھی یہ جملہ ختم نہیں ہوا تھا کہ کرسی اُڑتی نظر آئی۔

شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کرسی پر ہاتھ مارا، کرسی اپنے مقام پر واپس آگئی۔ فرمایا:

”مولانا فرید الدین! کارِ خود بکار سائیدہ۔“

پائے برآب نہادیم و گزشتیم | حضرت گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ
یہ دعا گو اور حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین
ذکر یا قدس سترہ سفر میں تھے۔ اچانک ایک دریا پر جا پہنچے۔ کشتی موجود نہ تھی کہ اس
پر سوار ہو کر دریا عبور کرتے۔ سامنے حدنگاہ تک خوف ناک موجیں ایک دوسرے
سے ٹکراتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ہم دونوں بلاتامل آگے بڑھے اور پانی پر چلتے ہوئے
دریا کے پار پہنچ گئے۔

حضرت گنج شکر علیہ الرحمۃ اگرچہ مستقل طور پر اجودھن (پاک پٹن) میں رہتے تھے،
لیکن جب جی چاہتا ملتان آ پہنچتے۔ خاص خاص مہینے سفر کے لیے مقرر تھے جن میں یاران
طریقت دہلی سے بخارا اور کشمیر سے سراندیپ تک خوف ناک جنگلوں، بے آب و گیاہ
ریگستانوں اور مہیب پہاڑوں میں خلق خدا کو نیکی کا راستہ دکھانے کے لیے سفر کیا کرتے
تھے۔ سردست حضرت گنج شکرؒ کا تذکرہ یہیں ختم کرتے ہیں۔ باقی حالات اپنے اپنے موقع
پر پیش خدمت کئے جائیں گے۔

آہ ایخ بخارا

جن دنوں حضرت شیخ الاسلامؒ بخارا میں رہتے تھے۔ ایک نجیب الطرفین سید
حضرت علیؒ کو آپ سے بڑی عقیدت ہو گئی۔ آپ کے ملتان چلے آنے کے بعد بھی وہ
ہمیشہ آپ کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے۔ ان کے نوجوان صاحبزادے سید
جلال اپنے والد کی زبان سے بار بار تعریف سُن کر حضرت شیخ الاسلامؒ کے معتقد ہو گئے
اور یہ ارادت و عقیدت یہاں تک پہنچی کہ ایک مرتبہ والد بزرگوار سے اجازت لے کر
ملتان کو چل پڑے۔ اگرچہ وہ زمانہ بے حد تشویشناک تھا، بخارا سے ملتان تک خون
کی ندیاں بہ رہی تھیں۔ اس کے باوجود آپ سچی تڑپ اور طلب صادق کی حفاظت میں
بخیر و عافیت ملتان آ پہنچے۔

مولانا جمالیؒ اپنے پیر حضرت سماء الحق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سید جلال بخاری ایک سرد علاقے کے رہنے والے تھے۔ ملتان جیسے گرم خطہ میں اگر حضرت شیخ الاسلامؒ کی ذاتِ بابرکات مقیم نہ ہوتی تو شاید وہ ایک لحظہ بھی نہ رہ سکتے۔ اپنے پیر کی وجہ سے اس شہر کی نمازت کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کر رہے تھے۔ ایک دن ہوا مطلقاً بند تھی اور آفتاب کا آتشیں گمہ عین نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ حضرت سید جلال سرائے غوثیہ میں بے چینی سے بیٹھے پنکھا کر رہے تھے۔ دفعۃً آپ نے آسمان کی طرف نظر کی اور لمبی سانس کھینچ کر فرمایا:

» آہ ایخ بخارا در چنین حرارت کجا یا بم۔«

شیخ الاسلامؒ اس وقت مجلسرائے میں تشریف فرما تھے۔ آپ کو کشف کے ذریعے اس صورتِ حال کا علم ہو گیا۔ آپ نے فوراً خدام درگاہ کو جماعت خانہ کی صفیں لپیٹنے اور جھاڑو دینے کا حکم دیا۔ اس سے پہلے کبھی حضرت نے دوپہر کے وقت ایسا حکم نہیں دیا تھا۔ اس وقت مطلع بالکل صاف تھا اور بادل کا کہیں نشان نہ تھا۔ نوکر چاکر بھی جھاڑو دینے میں مصروف تھے کہ دفعۃً نیلے آسمان پر ایک چھوٹا سا لکڑی ابر نمودار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے خانقاہ مبارک پر پھیل گیا۔

سید جلال یہ عجیب طرفہ تماشا دیکھ ہی رہے تھے کہ بادل نے گرجنا اور بجلی نے چمکنا شروع کیا اور مرغی کے انڈے کے برابر اولے گرنے لگے۔ چنانچہ طرفۃ العین میں خانقاہ مبارک کا صحن اولوں سے بھر گیا۔ سید جلال اور خانقاہ کے دوسرے درویشوں نے بڑی خوشی منائی اور ڈالے اٹھا اٹھا کر کھانے لگے۔ شہر کے لوگ خانقاہ غوثیہ پر بارانِ رحمت کے نزول کی خبر سن کر جوق در جوق آنے شروع ہوئے اور تبرک کے طور پر ڈالے اٹھا لے گئے۔ سب لوگ حیرت میں تھے کہ یہ عجیب امر ہے، سوائے خانقاہ معلیٰ کے کہیں بارش کی بوند تک نہیں پڑی۔

جب ظہر ہوئی خدام درگاہ نے صفیں بچھائیں اور حضرت شیخ الاسلامؒ خلوت خانہ نیاز سے نماز کے لیے برآمد ہوئے، سید جلال پر نظر پڑی تو مسکرا کر فرمایا:

”سید جلال! دریں حال ژالہ ملتان بہتر است یا سنج بخارا؟“
شاہ صاحب نے اسے کھڑے ہو کر جواب دیا:

”ژالہ ملتان از سنج بخارا بہتر و اولی است“

اسی روز حضرت شیخ الاسلام نے سید جلال کو خرقہ مرحمت کیا اور شرفِ مصاحبت سے ممتاز فرمایا۔ وہ امراہ و رموز جو حضرت کو شیخ الشیوخ سے ودیعت ہوئے تھے، سید جلال کو ان سے بہرہ مند کر کے اُچ کی طرف روانہ کیا۔

میر حسینی کیست

سید نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ ہرات کے بہت بڑے سوداگر تھے۔ ایک دفعہ تجارتی قافلہ کے ہمراہ ملتان تشریف لائے اور حضرت شیخ الاسلام کا شرفِ نیاز حاصل کیا۔ اس وقت ان کا نوجوان نذرند میر حسینی بھی ان کے ہمراہ تھا۔ اُس نے بھی شیخ کی زیارت کی۔ مگر عمومی حیثیت سے۔ اور کچھ دن بعد یہ دونوں باپ بیٹے قافلے کے ہمراہ واپس ہرات چلے گئے۔

یہاں پہنچ کر میر حسینی نے شاہی فوج میں نوکری کر لی۔ ایک روز شکار کے لیے صحرا کو نکل گیا۔ ایک ہرن نظر آیا۔ یہ گھوڑا دوڑا کر اُس کے قریب پہنچا۔ چاہتا تھا کہ تیر نکال کر اس کا شکار کرے کہ وہ اس کی طرف متوجہ ہو کر نہایت فصاحت سے بولا:

”اے سید! خدا تعالیٰ ترازاہل بیت محمدؐ پیدا کر دے اور محض برائے کار اطاعت و عبادتِ خود آفرید نہ برائے شکار کہ کار بیکاران است۔ حالاً تو ہمہ کار ہائے خود را بیکار ساختی و بکار شکار من پر واختی“

۱۔ صدر الدین احمد نام، میر حسینی عرف -

”اے سید! خدا تعالیٰ نے تجھے اپنے رسول کے اہل بیت سے پیدا کیا ہے۔ تیرا کام خدائے بے نیاز کی اطاعت و عبادت کرنا ہے نہ کہ شکار کہ کار بے کاران ہے۔ تیری یہ حالت ہے کہ اپنے تمام کا اعتبار چھوڑ کر میرے پیچھے دوڑا پھرتا ہے۔“

یہ کہہ کر ہرن نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ جب میر حسینی نے ہرن کی یہ تقریر سنی تو طلبِ حق کی فروغ ہونے والی آتش اس کے سینہ میں بھڑک اٹھی۔ گھر میں آیا اور تمام اثاثہ خدا کی راہ میں لٹا دیا۔ ایک قافلہ ملتان کو جا رہا تھا۔ اس کے ہمراہ ہولیا۔ چند دنوں کے بعد یہ قافلہ ملتان پہنچا اور کاروان ہوائے شاہی میں جا کر قیام کیا۔

جب رات ہوئی شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا نے خواب دیکھا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

» فرزندم میر حسینی در قافلہ است اور از ایٹھاں پیروں آ رہو بکارِ حقے مشغول کن لے «

صبح سویرے حضرت شیخ الاسلام خود بنفس نفیس کاروان ہوائے شاہی میں تشریف لے گئے اور بلند آواز سے پکار کر فرمایا :

» میر حسینی در میانِ شما کیست لے ؟ «

سب لوگوں نے میر حسینی کی طرف اشارہ کیا۔ آپ چند قدم اور آگے بڑھے۔ ادھر میر حسینی نے جلال و جمال کے ایک نورانی پیکر کو اپنی طرف آتے دیکھا تو ادب و احترام سے سر و قد کھڑا ہو گیا۔ حضور قریب پہنچے۔ وہ قدموں پر گر پڑا۔ حضرت نے بڑی دلسوزی سے اٹھا کر سینے سے لگایا اور پیار و محبت سے اپنے ہمراہ خانقاہ میں لائے اور مرید کر کے اپنے ارادت مندوں میں جگہ دی۔ بقول مولانا جمال آپ نے تین برس تک بڑی بڑی ریاضتیں کیں تب جا کر ولایت کے درجے پر فائز ہوئے۔

میر حسینی اپنے زمانے کے بہت بڑے شاعر اور صاحبِ تصنیف تھے۔ نثر میں نزہت الارواح اور لطیف المجالس اور نظم میں زاد المسافرین اور کنز المومنین اپنے شیخ کی آغوشِ شفقت میں بیٹھ کر لکھیں۔ یہ مستودات حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں پیش ہوتے تھے

۱۔ میرا فرزند میر حسینی قافلے میں ہے اسے نکال لا اور خدا شناسی کا راستہ دکھا۔

۲۔ تم میں میر حسینی کون ہے ؟

آپ غور سے اُن کا مطالعہ فرماتے اور مصنف کی کاوش کو سراہتے۔ وہ سوالات جن کے جواب میں علامہ محمود شوسترى بركة الله عليه نے گلشن راز تصنیف کی تھی، میر حسین نے یہیں مرتب کئے تھے۔

بیابا عراقی!

انہی ایام میں مولانا فخر الدین عراقی آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ ان کی بیعت کا قصہ بڑا دلچسپ ہے۔ اس لیے ہم ذرا تفصیل سے لکھتے ہیں۔

مولانا فخر الدین حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خواہر زاوہ تھے۔ ہمدان کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں پڑھنے بیٹھے اور نو مہینے میں پورا کلام پاک حفظ کر لیا۔ ہمدان کے لوگ ان کی خوش گوی پر فریفتہ تھے۔ اس کے بعد علوم متداولہ کی تحصیل میں مصروف ہوئے اور سترہ سال کی عمر میں معقولات و منقولات پڑھ کر آپ فارغ ہو گئے۔

صاحب خزینۃ الاصفیاء کی تحقیق کے مطابق آپ ہمدان میں مدرس مقرر ہوئے۔ آپ کی قابلیت اور بھر علمی کا بڑا شہرہ تھا۔ دور دور سے طالبان علم و ادب آپ سے استفادہ کرنے کے لیے ہمدان آ رہے تھے۔ اہل بلدیہ اور شیخ المکتب کو آپ کی ذات پر ناز تھا۔ عالم فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ آپ بہت بڑے شاعر بھی تھے اور یہ چیز اکتسابی نہیں تھی۔ زبان میں کافی سوز و گداز تھا۔ مشاعروں میں جب آپ اپنا کلام سنانے کھڑے ہوتے ہر طرف سے تحسین و آفرین کے ڈونگرے برسنے لگتے تھے۔ الغرض آپ قابل رشک زندگی بسر کر رہے تھے کہ یکایک ایک ایسا سانحہ درپیش آیا، جس نے آپ کی دنیا ہی بدل ڈالی۔

۱۔ خزینۃ الاصفیاء، جلد دوم ص ۳۲۔ مطبوعہ نو لکچور پریس، کان پور۔

۲۔ نغمات الانس ص ۱۴۱، مطبوعہ اسلامیہ سیم پریس لاہور و خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۳۲۔ مطبوعہ نو لکچور پریس کان پور۔

صاحب بزم صوفیہ لکھتے ہیں کہ ایک دن آپ مدرسہ میں درس دے رہے تھے کہ دفعۃً قلندروں کی ایک جماعت پہنچی اور آپ کو دیکھ کر یہ غزل پڑھنے لگی۔

مار خست ز مسجد خرابات کشیدیم
خط بر ورق زہد و کرامات کشیدیم
در کوئے معان در صفِ عشاں نشستم
جام از کفِ زندانِ خرابات کشیدیم
ان زہد و مقامات گذشتیم کہ بسیار
کاسِ تعب از زہد مقامات کشیدیم

ان اشعار کے سنتے ہی مولانا عراقی پر وجد کا عالم طاری ہو گیا۔ قلندروں کی جماعت میں ایک صاحب جمال بڑ کا بھی تھا۔ شیخ کی نظر اس پر پڑی تو سو جان سے فدا ہو گئے۔ کئی روز تک قلندروں کو اپنے ہاں مہمان رکھا اور پُر تکلف دعوتیں کھلاتے رہے۔ قلندروں کو بھی اس امر کا علم ہو گیا اور وہ کئی دنوں تک بلا ضرورت ضیافتیں اڑاتے رہے۔ مولانا عراقی تو پہلی نظر میں ہی صبر و شکیب کھو چکے تھے۔ درس و تدریس کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔ قلندر زادہ ذرا اوجھل ہوتا تو قیامت برپا ہو جاتی۔ شیخ سیماہ وار تڑپنے لگتے۔

قلندر اس صورتِ حال سے تنگ آئے تو ایک دن بوریہ بستر لپیٹ دمشق سے چل کھڑے ہوئے۔ عراقی اُن کے بغیر کیسے رہ سکتے تھے؟ یہ بھی ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔ قلندروں نے دیکھا تو مٹھر گئے اور مولانا سے کہا:

صاحب آپ بزرگ اور عالم آدمی ہیں، آپ کا اور ہمارا گزارہ ناممکن ہے
اگر آپ بھی چار آبرو کا صفایا کرالیں تو البتہ ہم آپ کو ہمراہ لے چلنے کے
لیے تیار ہو جائیں گے۔

شیخ کے دل میں تو قلندر زادے کے عشق کی آگ بھڑک رہی تھی۔ فوراً کپڑے پھاڑ ڈالے۔ عمامہ سر سے اتار پھینکا اور چار آبرو کا صفایا کرا یہ کہتے ہوئے قلندروں میں جذب ہو گئے۔

چہ خوش باشد کہ دلارام تو باشی

ندیم و مونس و یارم تو باشی

عراق سے ہمدان، ہمدان سے خراسان اور خراسان سے ہوتے ہوئے یہ قلندر

ملتان وارد ہوئے اور حضرت شیخ الاسلامؒ کی سرائے میں بوریہ بستر پھیلا کر پڑ رہے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ جو سرائے سے گزرے تو ایک نظر اُن پر بھی ڈالی اور مولانا عراقی کو اس ہیئت میں دیکھ کر سخت متعجب ہوئے۔ اپنے مقرب خاص شیخ عماد الدین سے فرمایا :

”دریں جوان استعداد تمام یافتہ اور ایں جامے باید بودن۔“
مولانا عراقی نے بھی حضرت شیخ الاسلامؒ کی طرف کشش محسوس کی اور قلندروں سے کہا :

”دو بر مثال مقناطیس کہ آهن را کشد، شیخ مرا جذب می کند و مقید خواهد کرد۔ ازیں جازو دترے باید رفت“

چنانچہ پچھلی رات کو ملتان سے دہلی چل دیئے اور دہلی سے سومنات کی طرف جا رہے تھے کہ راستہ میں سخت آندھی آئی۔ اس طوفان میں کسی کو ایک دوسرے کا ہوش نہ رہا۔ کسی نے کوئی راستہ لیا اور کوئی کدھر کو چل دیا۔ چونکہ مولانا عراقی کی قسمت میں ہدایت مقدر ہو چکی تھی، اس لیے ادھر ادھر پریشان پھرتے ایک دن بلا ارادہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی خانقاہ پر حاضر ہو گئے۔

حضرت نے کشف کے ذریعے معلوم کر لیا کہ عراقی دروازے پر کھڑا ہے، اُسے اندر بلایا اور فرمایا :

”عراقی! از ما بگریختی“

علامتہ عراقی بے اختیار قدموں میں گر گئے اور گلوگیر آواز میں عرض کی

انہ تو نگریزد دل من یک زمان

کالبد را کے بود از جان گزیر

دایہ لطف مرا در بر گرفت

داو بیش از مادرم صد گونہ شیر

حضرت شیخ الاسلامؒ نے لپک کر عراقی کو اٹھایا اور اپنے گلے سے لگالیا۔ حضرت

کے سینہ بے کینہ سے مس ہونا تھا کہ قلندر زادے کا خیال دل سے محو ہو گیا اور اس کی محبت کی جگہ عشقِ حقیقی کی آگ بھڑک اٹھی۔ حضرت اپنا لباس پہنا کہ مولانا عراقی کو اپنے خلوت خانے کے قریب ایک حجرہ میں لے گئے تاکہ مخلوقات سے علیحدہ ہو کر اطاعتِ الہی میں مصروف رہیں۔ دس ایامِ اطمینان سے گزرے۔ گیاہِ صوفیہ وزان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ روتے تھے اور یہ غزل پڑھتے تھے۔

نخستین بادہ کاندرا جام کردند
 چشم مست ساقی دام کردند
 چوبے خود خواستند اہل طرب را
 شراب بے خودی در کام کردند
 برائے صید مرغ جان عاشق
 زلفت فتنہ بویاں دام کردند
 بہ عالم ہر کجا رنج و بلا بود
 بہم بردند و عشقش نام کردند
 چو خود کردند راز خویش تن فاش
 عراقی را چہرا؟ بدنام کردند

حضرت شیخ الاسلام کے ارادت مندوں نے مولانا عراقی کو حجرہ میں نغمہ سرائی کرتے دیکھا تو حضرت کو اطلاع دی کہ ہمارے مسلک میں تو ان چیزوں کی ممانعت ہے عراقی اس امر کے مرتکب کیوں ہو رہے ہیں؟ حضرت نے فرمایا:

”شمارا ازین چیز ہا منع است اورا منع نیست“
 اس کے کچھ دنوں بعد شیخ عماد الدین شہر میں گئے۔ ایک خرابات سے گزر رہے تھے کہ رندوں کو مندرجہ بالا غزل چنگ و چغانہ سے گاتے سنا۔ شہر سے واپس آئے تو حضرت کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا۔ حضرت نے یہ سن کر فرمایا:

۱۔ مخزن الغرائب، خوباں ۲۔ ایضاً۔ زلفت قید خوباں دام کردند

۳۔ مخزن الغرائب، رنج و بلا نیست ۴۔ مخزن الغرائب، سر

۵۔ منقول از تذکرہ دولت شاہ، ص ۲۱۶

”کارِ عراقی تمام شد“

اسی وقت اٹھ کر عراقی کے حجرے میں گئے اور فرمایا :

”عراقی ! مناجات در خرابات مے کنی، بیروں آ“

مولانا عراقی حجرے سے باہر نکلے۔ شیخ الاسلام کے قدموں میں گر گئے اور بچوں کی طرح پلک پلک کر رونے لگے۔ حضرت نے اپنے دستِ حق پرست سے اُن کا سر اٹھایا اور اپنے سینے سے لگایا۔ عراقی نے اسی وقت ایک غزل کہی، جس کا مطلع یہ تھا۔

در کوٹے خرابات کسے کہ نیاز است

ہشیادہی و مستیش ہمہ عین نماز است

حضرت شیخ الاسلام نے اسی وقت اپنا فرقہ اُتار کر انہیں پہنا دیا اور اسی مجلس میں اُس

سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کر دیا۔

مخدوم عبدالرشید کی واپسی

حضرت مخدوم عبدالرشید کو ارضِ مقدس کی طرف گئے، کئی سال گزر چکے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ بار بار یاد کرتے تھے اور ان کے فراق میں آہ جگر دوز کھینچتے تھے۔ ان کے اہل و عیال پر تو ہر وقت افسردگی کا عالم طاری رہتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت شیخ الاسلام اپنے احباب میں ان کا ذکر کر رہے تھے کہ حضرت مخدوم عبدالرشید درویشانہ لباس میں آتے دکھائی دیئے۔ حضرت شیخ الاسلام خوشی سے اُچھل پڑے۔ آگے بڑھ کر بھائی کو گلے سے لگایا اور پھر اپنی مسند پر بٹھا کر حال احوال دریافت کیا۔ تمام اعزاء و اقارب جمع ہو گئے اور ملتان شہر فرطِ مسرت سے جھومنے لگا۔

سب کچھ خدا کی راہ میں لٹا دیا | چند روز کے بعد حضرت شیخ الاسلام نے بزرگوں کے وقت سے جو خزانہ محفوظ چلا آتا تھا،

بھائی کے آگے لکھ دیا اور فرمایا ”یہ تمام خزانہ اور جاگیر جو آپ مجھے امانت

دے گئے تھے، سنبھال لیں۔

مخدوم نے عرض کی ”حضرت! میں تو اپنے شیخ کے حکم سے دنیا اور اس کے کارخانے کو تیاگ چکا ہوں۔ مجھے ان چیزوں سے کیا سروکار! میں تو آبادی پر ویرانہ کو ترجیح دے چکا ہوں۔ کسی گوشہ عاقبت میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے کا آرزو مند ہوں۔ یہ تمام کارخانے اپنے پاس رہنے دیجئے“

حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا ”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جو چیز آپ کی ہے، وہ آپ کو لینا ہی ہوگی۔ اس کے بعد آپ کی مرضی ہے۔ خواہ اپنے پاس رکھیں یا خدا کی راہ میں بانٹ دیں۔“ چنانچہ تمام خزانے اور جاگیریں اُدھا اُدھا بانٹ لیں۔ ایک ایک کروڑ اشرفی دونوں کے ترکہ میں آئی۔ اجناس خوردنی اور دیگر سامان مزید برآں تھا۔

اراضی کچھ اس طرح پھیلی ہوئی تھی کہ راوی اسے دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا تھا۔ قرعہ اندازی سے فیصلہ ہوا۔ شرقی رقبہ مخدوم عبدالرشید کے حصے میں آیا اور غربی حضرت شیخ الاسلام کو ملا۔ حضرت مخدوم صاحب نے اپنا تمام اثاثہ درویشوں اور مسکینوں میں بانٹنا شروع کیا۔ دُور دُور تک آپ کی فیاضی کی دھوم مچ گئی۔ اطراف و اکناف عالم سے مستحقین اور مساکین آپ کے در دولت پر جمع ہونے لگے۔ چند ایام میں ہی سارے ترکہ کی کوڑی کوڑی محتاجوں مسکینوں میں بانٹ دامن جھاڑ کر کھڑے ہو گئے۔ اور دریائے راوی کے شرقی جانب ایک بھونپڑا بنوا رہیں جا بیٹھے۔ حضرت شیخ الاسلام ہفتے میں ایک دفعہ بھائی کو ملنے راوی پارہ تشریف لے جاتے تھے۔ ایک روز فرمایا:

”اے بھائی! تم ایک بڑے کنبہ کے مالک ہو۔ اگر تمہیں اپنے لیے کوئی چیز درکار نہیں تو نہ سہی، لیکن یہ لوگ کہاں جائیں؟ مناسب ہے کہ ان کے لیے کسی موزوں مقام پر مکانات تیار کرائیے تاکہ یہ اطمینان سے اپنی زندگی بسر کر سکیں“

عرض کی۔ ”یہاں سے دس کوس کے فاصلے پر ابوالفتح و تاج الدین مٹل سے کچھ زمین خریدی ہے۔ وہاں بال بچوں اور متعلقین کے لیے آشیانہ بنانے کا ارادہ ہے۔ حضور خاطر جمع فرمائیں“

الغرض ایک روز حضرت مخدوم عبدالرشید اپنے اعزاء و اقارب اور متوسلین کے ہمراہ اپنی خرید کردہ اراضی کی طرف روانہ ہوئے۔ شیخ الاسلام نے مولانا عراقی اور مخدوم سید جلال کو ساتھ کر دیا تاکہ اسباب و قبائل کو پہنچانے میں مدد کریں۔ حضرت مخدوم عبدالرشید نے منزل مقصود کی طرف پہنچ کر رہائش کے لیے مکانات تعمیر کرائے اور اراضی اپنے متوسلین کو بھصہ پر ابراہانٹ دی تاکہ کاشت کر کے اپنی گزر اوقات کریں اور آپ خود ایک حجرہ میں اپنے لیل و نہار ریاضت و عبادت میں بسر کرنے لگے۔

یکے از چہار یار

شیخ عثمان المروندی المعروف بہ لال شہباز قلندر

حضرت مخدوم لال شہباز قلندر علیہ الرحمۃ کا اصل نام شیخ عثمان المروندی ہے۔ آپ کا شمار اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے اور جیسا کہ آپ کے خطاب سے ظاہر ہے آپ قلندری شان رکھتے تھے۔ بعض تذکروں میں آپ کو ملائی ظاہر کیا گیا ہے اور یہ کہ آپ احکام شرع کے پابند نہیں رہ سکتے تھے۔ خاکسار نے اس سلسلے میں اہل علم و فضل سے تحقیق کی، تو انہوں نے اسے تہمت قرار دیا۔ خاکسار کی بھی یہی رائے ہے۔ کیونکہ حضرت شیخ الاسلامؒ جیسے شیخ کامل کا دوست اور خلیفہ کامل ملائی نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص جبکہ لال باغ اور پہاڑ کی نشست گاہ میں آپ کا مصطفیٰ زبان حال سے آپ کے شیخ شریعت ہونے کا ثبوت ہم پہنچا رہے ہیں۔

بقول حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ

ہر کرا کہ جامہ پار سا بینی

پار ساداں و نیک مردانگار

صاحب منبع البرکات لکھتے ہیں کہ اسی افواہ کی بناء پر ملتان کے قاضی قطب الدین کاشانی نے حضرت مخدوم پر فسق کا فتوے لگا دیا۔ یہ ان دنوں ملتان کے کسی قریبی گاؤں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اپنی بابت قاضی صاحب کی یہ جسارت برداشت نہ ہوئی۔ برہم کراٹھے اور اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لے کر ملتان کو چل دیئے۔ حضرت شیخ الاسلام مسند الرشاد پر تشریف لے کئے تھے۔ حضرت کا مجلس خانہ علماء اور مشائخ سے بھرا پڑا تھا، قال وقال الرسول سے مجلس گرم تھی۔ دفعۃً شور اٹھا کہ سندھ سے شیخ عثمان تامی کوئی بزرگ قاضی قطب الدین کاشانی سے ٹکر لینے کے لیے بگولے کی طرح اڑے چلے آ رہے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جواں سال بھتیجے شیخ حسن کو بھیجا کہ انہیں نرمی سے سمجھا بچھا کر میرے ہاں لے آؤ۔

شیخ حسن نے کچھ فاصلہ طے کر کے مخدوم عثمان کا استقبال کیا اور عرض کی کہ میرے عم بزرگ حضرت شیخ الاسلام آپ کا انتظام کر رہے ہیں۔ مخدوم عثمان آپ کا نام سنتے ہی ٹھنڈے پڑ گئے اور شیخ حسن کے ہمراہ دربارِ غوثیہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ الاسلام نے آپ پر شفقت سے نظر کی اور فرمایا:

”اے لال شہباز! آگے بڑھ“

شیخ نے بے دلی سے آنکھ اٹھا کر نظر کی اور خدا معلوم کیا دیکھا کہ جو کچھ سوچ کر آئے تھے، سب بھول گئے۔ نہ ریلب آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے۔ یہ جمال کسی انسان کا نہیں، سورج کا نہیں، چاند کا نہیں۔ ایسا قالب! جس کا چہرہ ہزار آفتابوں کی روشنی سے زیادہ منور دکھائی دے رہا ہے، یقیناً کسی عظیم شخصیت کا ہی ہو سکتا ہے۔ مسکراتا ہے تو ساری دنیا مسکراتی نظر آتی ہے۔ جبین نور پر ذرا شکن آتی ہے تو نوری تاری سب کانپ اٹھتے ہیں۔ ایسے مردانِ خدا بار بار نہیں ملتے۔ اے عثمان! آگے بڑھ اور اپنا سراں کے قدموں میں ڈال دے۔ یہ کہہ کر آگے بڑھا اور سر نیاز قدموں میں رکھ کر بولا:

” اے پیکرِ نور! خطا ہوئی، معاف فرما دیجئے۔ میں نے آپ کے شہر کے ایک عالم کو گرفت میں لانا چاہا تھا۔ لیکن خود اسی نہ بخیر میں جکڑ دیا گیا۔ خدا را اب مجھے زیادہ نہ ترسائیے اور اپنی بیعت میں لے لیجئے۔“

حضرت شیخ الاسلام نے شیخ کو بغل میں لے کر خوب بھینچا اور اسی صحبت میں ہی آپ کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل کر لیا۔ چونکہ حضور نے شیخ کو لال شہباز کہہ کر پکارا تھا، اس لیے آپ اسی نام سے مشہور ہو گئے اور لال شہباز قلندر کہلانے لگے۔ صاحبِ محارج الولا

آپ کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے :

” دے صاحبِ کمالات ظاہری و باطنی و تقرنات صوری و معنوی بود، ثوارق و کرامات بے اختیار ازوے بظہورے آمدند۔ اصل وے از سندھ است و از سادات عظام حسینی است نام نامی دے سید عثمان، مرید و خلیفہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانئی است۔ چوں جذب وستی بغایت داشت پابند احکام شرح نبود۔ لباس سرخ داشتے و خطاب لال شہباز از پیشگاہ پیر روشن ضمیر بوسے عطا شدہ بود۔“

صاحبِ تحفۃ الکرام نے آپ کو ان چار یاروں میں شمار کیا ہے، جو مل کر سیاحت کرتے تھے۔ فرماتے ہیں:-

” شیخ عثمان مردند عرف مخدوم لال شہباز یکے از چہار یار بود کہ یکجا سیاحت کردند۔“

بیک اور جگہ لکھتا ہے کہ سہوان کے قریب پہاڑ پر چشمہ واہی ایک عجیب مقام ہے، جلدی امراض کے اکثر مرین یہاں آکر غسل کرتے اور شفاء پاتے ہیں۔ پاس ہی ایک ستون کی مسقف عمارت ہے۔ لوگوں کی یہاں آمد و شد لگی رہتی ہے اور اس کی چھت پر سیر کرتے ہیں۔ عام مشہور یہی ہے کہ اس جگہ چار یاروں یعنی مخدوم عثمان، شیخ بہاء الدین زکریا، شیخ فرید اور سید جلال بخاری نے کئی کئی دن مکاشفہ میں کاٹے ہیں۔

تحفۃ الکرام کے اصل الفاظ یہ ہیں :

” برگر ہمیش چشمہ واہی از عجائبات است، اکثر ارباب امراض بغلش شفا یابند، دیگر جائے یک ستونست کہ صفحہ بزرگی در کوہ بیک ستون باعتبار مردم قدرتی

متکون مردم بسیر و صفاً بخاروند و بر سقش نظارہ کنند۔ گویند آجائے چہار یار یعنی
مخدوم عثمان، شیخ بہاء الدین زکریا، شیخ فرید، سید جلال بک کاشفات نشستہ اند۔
اس قسم کی نشستیں جو چار یاروں کے نام سے موسوم ہیں، پاکستان کے چپے چپے پر پھیلی
ہوئی ہیں اور اب تک علیٰ حالہ موجود ہیں۔ وہاں زبردست میلے لگتے ہیں اور خوش اعتقاد
لوگ نذر و نیاز اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ درحقیقت شیخ الاسلام اور ان کے یارانِ طریقت
نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ سیر و سیاحت میں بسر کیا تھا۔ جس کی نوعیت خالص تبلیغی ہوتی تھی۔
گرمائی دورہ کشمیر اور بلخ بخارا کی طرف ہوتا تھا۔ کشمیر کے دامن میں ایبٹ آباد اور بخارا کی طرف
پہاڑوں پر ان کی نشست گاہیں آج تک زائرین کو دعوتِ عمل دے رہی ہیں۔ ساون بھادوں
کے مہینوں میں سہوان، ملہیر اور دیبل کی طرف دورہ ہوتا تھا۔ سخی سرور موسم بہار کا صدر مقام تھا۔
موسم سرما میں پنجاب، سندھ اور بلوچستان کا میدانی علاقہ ان کے مواعظِ حسنہ سے مستفیض ہوتا تھا
جس کا تفصیلی ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔

خواجہ حسن افغان

حضرت خواجہ حسن افغانؒ کو شیخ الاسلامؒ کی پیش گاہ میں جو مقام حاصل تھا، اس کا اندازہ
حضرت محبوب الہی نظام الدین اولیاء کے اس بیان سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ روایت کرتے ہیں :
”حضرت شیخ الاسلامؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر قیامت کے دن مجھ سے پوچھا گیا کہ تم دنیا سے
کیا لے لائے ہو؟ تو میں عرض کروں گا کہ خواجہ حسنؒ کا صدق اور اعتقادِ راست لایا ہوں۔“
ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ خداوند کریم نے خواجہ حسن افغان کو اس قدر علم لدنی عطا
کیا تھا کہ اگرچہ وہ بالکل اُن پڑھتے لیکن لوح محفوظ نے ان کے آئینہ دل پر اپنا عکس ڈال
رکھا تھا۔ چنانچہ اُن کے سامنے آیاتِ بینات، حدیث شریف اور اقوالِ مشائخ ملاحظہ کر
پیش کرتے تو وہ ایک نظر دیکھ لینے سے بتا دیتے تھے کہ یہ قرآن شریف کی آیت ہے، یہ حدیث
ہے اور یہ کسی شیخ کا ارشاد ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں ان عبارتوں کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔

کہ جو خدا تعالیٰ کا کلام ہوتا ہے، اُس کا نور عرشِ اعلیٰ تک دکھائی دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ پاک کا نور ساتویں آسمان تک اور اقوالِ مشائخ کا نور زمین سے آسمان تک مشاہدہ کرتا ہوں۔

نگار من کہ بہ مکتب نہ رفت و خط نہ نوشت

بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

یہ بھی حضرت محبوب الہی سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ کسی گاؤں میں ایک مسجد تعمیر کی جا رہی تھی۔ قبلہ کی تعیین میں حضرات علماء اختلاف کر رہے تھے۔ اتفاق سے خواجہ حسن بھی وہاں جا نکلے۔ معمار سے پکار کر کہا کہ ”میاں! محراب اس سمت رکھو، کیونکہ قبلہ اس طرف ہے“ لوگ متردد ہوئے۔ آپ نے فرمایا: ”تردد کی کیا بات ہے، جسے بیت اللہ کی زیارت مطلوب ہو، اس وقت کر لے۔“ جمیع علماء و مشائخ جو موجود تھے، سب کعبہ کی زیارت سے شرف اندوز ہوئے اور حسن افغان کا شکر یہ ادا کیا۔

ایک روز حسن افغان کا گزر مغرب کے وقت ایک مسجد سے ہوا۔ نماز ہو رہی تھی، آپ بھی نماز میں شامل ہو گئے۔ جب امام سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوا تو آپ امام کا ہاتھ پکڑ کر ایک گوشے میں لے گئے اور فرمایا:

”اے امام صاحب! جب آپ نے نماز شروع کی تو میں آپ کے ساتھ تھا۔ آپ یہاں سے دہلی پہنچے اور وہاں سے غلام خرید کر ملتان آئے اور پھر ان بردوں کو گراں قیمت پر بیچنے کے لیے ملتان سے خراسان پہنچے۔ پھر وہاں سے ملتان آئے اور میں تیرے پیچھے بے سرو پا، حیران و پریشان پھرتا رہا۔ اس نماز کو کیا کہیں اور اس کا کیا نام رکھیں؟“

چوں شوی استادہ از بہر نماز دل بود در گاو خراے حیلہ ساز

اں نماز تو شود آخر تباہ فکر باطلہا کند رویت سیاہ

برزباں تسبیح و در دل گاو خرا

ایں چنین تسبیح کے واردا اثر

حاجی جمال کنبوہؒ

ایک دفعہ شیخ الاسلامؒ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور مصافحہ کے بعد خاموش کھڑا ہو گیا۔ حضور نے فرمایا:

”کیا چاہتے ہو؟“

عرض کی: ”حضور! سنا ہے کہ آپ خدا کے نام پر سب کچھ دے دیتے ہیں۔ میں بھی ایک آرزو لے کر حاضر ہوا ہوں۔“

فرمایا ”بھائی! میرا کیا ہے؟ جو دوں، سب اُسی کا مال ہے، جس کو چاہتا ہے دلاتا ہے، اگر اُسے منظور ہوا تو تم بھی خالی نہ جاؤ گے۔ ہاں کہو! کیا کہنا چاہتے ہو؟“

سائل نے عرض کی: ”حضور! میری خواہش ہے کہ آپ خدا کی راہ میں اتنی اشرافیاں عنایت فرمائیں جتنے آج تک پیغمبر آئے ہیں۔“

حضرت کے چہرے پر حیرت و استعجاب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ کیونکہ عام روایت کے مطابق انبیاء علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بیان کی جاتی ہے۔ اتنی بڑی رقم رب العزت کے نام پر تصدق کرنا کوئی بڑی بات نہ تھی، لیکن ایک غیر معروف انسان کو اس قدر دولت کا دے دینا مصلحت سے بعید تھا۔

حضرت سوچ میں پڑ گئے کہ اس معجزہ کو کس طرح حل کیا جائے۔ اس وقت بارگاہ عالیہ میں بڑے بڑے علماء اور مشائخ موجود تھے۔ کبھی وہ سوالی کے سر اُپا کو دیکھتے اور کبھی اس کے سوال پر غور و فکر کرتے۔ انہیں خوب معلوم تھا کہ آج تک اس بارگاہ سے کوئی شخص خالی نہیں لوٹا۔ لیکن اگر حضرت اس آدمی کو اتنا بڑا خزانہ دے دیتے ہیں، تو اس سے ہزاروں مستحقین کی حق تلفی ہوتی ہے اور اگر حضور اسے مطالبہ سے کم رقم مرحمت فرماتے ہیں تو لوگوں میں مشہور ہو جائے گا کہ حضرت نے سائل کا سوال پورا

نہیں کیا۔ تمام حاضرین اس خیال میں محو تھے کہ دفعۃً ایک گوشے سے آواز آئی۔
 ”حضرت! اس شخص کو میرے حوالے فرمائیے! اس کا سوال میں پورا کروں گا۔“
 یہ ایک مستعد اور معاملہ فہم بزرگ تھے، حضرت شیخ الاسلام کے محبت صادق! حاجی
 جمال کنیوہ!

ان کی طبع رسا ایسے موقعوں پر بڑا کام کرتی تھی۔ حضرت شیخ الاسلام کے رخ انوار
 پر بشارت دوڑ گئی، مسکرا کر فرمایا:

”میاں جمال! سوال کو سمجھ لیا ہے“

”حضور! سوال اور سوالی دونوں کو سمجھ کر ہی عرض کر رہا ہوں“

”بہتر! اسے لے جاؤ اور راضی کرو“

حاجی جمال آگے بڑھے اور سائل کو اپنے ہمراہ لے کر گھر کو روانہ ہو گئے۔

حاجی جمال ملتان کے ایک خوشحال امیر تھے۔ سائل کو گھر لے جا کر اور پیر کا مہمان
 سمجھ کر بڑی عزت سے مسند پر بٹھایا۔ شربت سے تواضع کرنے کے بعد ایک
 خلعتِ فاخرہ اس کے آگے رکھی اور اپنے خزاپچی کو حکم دیا کہ خزانے کی کوٹھڑی کھول
 کہ تمام اشرافیاں نکال لاؤ۔“

خزاپچی نے تھوڑی سی دیر میں اشرافیوں کا ڈھیر لگا دیا۔ سائل کی آنکھیں اشرافیوں کی
 چمک دمک سے چندھیا نے لگیں۔ اس کے منہ سے رال مہنے لگی اور اس کا دل فرطِ مسرت
 سے لرھنے لگا۔ اس نے یقین کر لیا کہ یہ تمام خزانہ اب میرا ہے۔ چند ساعتوں میں
 ہی میں ایک امیر کبیر بن جاؤں گا۔

وہ اس قسم کی منصوبہ بندی میں محو تھا کہ حاجی جمال اپنی مسند سے اٹھے اور سائل
 کے پہلو میں آکر بیٹھ گئے، فرمایا:

”بھئی! اب تم ایک ایک پیغمبر کا نام لیتے جاؤ، تاکہ میں ان کے نام پر ایک

ایک اشرافی پیش کر سکوں“

سائل حاجی جمال کی اس تصریح سے گھبرا گیا۔ لیکن اب سوائے اس کے اور کوئی

چارہ کا ہی نہ تھا کہ جو نام اُسے یاد ہوں سنا کر ان کے بدلے میں چند اشرفیاں قبول کر لے۔ آخر سوچ کر اُس نے سر اٹھایا اور کہا :

” ادم ! “

حاجی جمال نے فوراً ایک اشرفی اُس کے ہاتھ میں تھما دی۔ اس کے بعد شیث، ادریس، نوح، ابراہیم، اسمعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، موسیٰ، داؤد، سلیمان، الیاس، صالح، عیسیٰ، یحییٰ اور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک بمشکل دس، بیس نام جو اُسے یاد تھے کہہ سنائے اور اتنی ہی اشرفیاں لے کر اپنے عجز کا اقرار کیا۔

حاجی جمال بار بار کہتے بھائی کوشش کرو، ممکن ہے کوئی اور نام یاد آجائے، مفت میں اشرفی ضائع نہ کرو۔“

لیکن اُسے جو کچھ یاد تھا، عرض کر چکا تھا۔ آخر کار وہی مٹھی بھر اشرفیاں لے کر راضی ہو گیا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کو جب تمام صورتِ حال کا پتہ چلا تو بہت خوش ہوئے اور حاجی جمال اور اُن کی اولاد کے حق میں دعا فرمائی۔

تبارکِ تخت و تاج سلطان حمید الدین حاکم قریشی الہاشمی

آپ کچھ مکران کے بادشاہ تھے۔ ایک مرتبہ دن بھر کی سیر و تفریح کے بعد جب محل میں داخل ہوئے تو نونت نامی خادمہ کو پلنگ پر سوتے پڑا پایا۔ نونت کی یہ بے ادبی خاطر اشرف کو پسند نہ آئی۔ غضب ناک ہو کر حکم دیا کہ اس بے تمیز کو ایسی سزا دی جائے کہ دوسروں کے لیے باعثِ عبرت ہو۔

خدا م نے لپک کر نونت کو بالوں سے پکڑ لیا اور گھسیٹتے ہوئے صحن میں لے آئے۔ سلطان کے سامنے اُسے چابک لگ رہے تھے۔ مگر وہ کوئی ایسے دل گروے کی عورت تھی کہ اُت کئے بغیر مار کھائے جا رہی تھی۔ جب وہ ہڈھال ہو کر گر پڑی تو سلطان نے

اشارے سے نوکروں کو روک دیا۔ نونت نے نیم وا آنکھوں سے سلطان پر نظر ڈالی اور
خدا معلوم اُسے کیا خیال آیا کہ دفعۃً کھل کھلا کر ہنسی پڑی۔

سلطان کو اس بے محل ہنسی سے تعجب ہوا۔ پوچھا:

”اے نونت! اس بے جا ہنسی کی وجہ بیان کر۔ ورنہ تیری گردن مار دی جائے گی۔“

خادمہ نے کرب اُلودنگا ہوں سے ایک بار سلطان پر پھر نظر ڈالی اور بولی:

”جہاں پناہ! مار پیٹ کے دوران میں اس خادمہ کو خیال آیا کہ میں ایک لمحہ اس

بستر پر سوئی تو یہ سزا پائی، لیکن جو شخص اس پر ہر روز سوتا ہے، قیامت کے دن اس

کا کیا حشر ہوگا؟“

نونت کے اس جواب سے سلطان کے ہوش اُٹ گئے۔ اس کو تو کچھ دے دلا کر اسی وقت

آزاد کر دیا، لیکن خود بھر فکر میں ایسے کھوئے کہ صبح ہو گئی۔ خادم نے شکار کے لیے شہدیز پلش کیا

سلطان غم غلط کرنے کے لیے گھوڑے پر سوار ہو کر شکار کو نکلا۔ امراء اور مصاحبین جلو میں

تھے۔ انہوں نے دل بہلانے کی ہزار کوشش کی۔ مگر نونت کی بات تو دل میں ترازو ہو کر اتر

چھکی تھی، چین کیونکر آتا۔ ادھر ادھر گھوڑے دوڑاتے رہے۔

اسی اثناء میں ایک ہرن سلطان کے سامنے سے نکل کر بھاگا۔ سلطان نے نیزہ اور

کمان سنبھال گھوڑے کو ایسی ایڑ لگائی کہ ہوا ہو گیا اور امراء اور مصاحبین جو ہمراہ تھے،

پچھے رہ گئے۔ آپ ہرن پر تیر چھوڑنے والے ہی تھے کہ وہ ایک قبر کے سوراخ میں گھس

گیا۔ سلطان کو تعجب ہوا کہ خلافت معمول ہرن زمین کے سوراخ میں کیوں گھسا۔ جست لگا

کر گھوڑے سے اترے۔ قبر میں جھانک کر دیکھا، تو وہاں اور نظارہ دکھائی دیا۔ ایک

تازہ لاش پڑی تھی جسے مینڈک کی شکل و صورت کا بچھو جگہ جگہ سے ڈستا پھرتا تھا۔ آپ

نے لحم کھا کر کمان سے بچھو کو پرے ہٹا دیا۔ لیکن مڑ کر دیکھا تو بچھو پھر وہیں موجود تھا۔

تین بار آپ نے اُسے ہٹایا۔ مگر پھر وہ آ موجود ہوا۔ آپ نے جان لیا کہ یہ بچھو نہیں کوئی

فرشتہ ہے، جو اس میت پر عذاب کے لیے مقرر ہے۔ آپ نے قبر کے سوراخ کو بند کر دیا

اور گھوڑے پر سوار ہو کر پاس کے گاؤں میں پہنچے۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہ قبر کس کی ہے؟

جو اب ملا، اس گاؤں کے رئیس کی۔

رئیس کا لفظ سن کر دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ خوفِ عقاب سے ایک جھرجھری لے کر گھوڑے کی باگ شہر کو پھیر دی۔ چونکہ قدرت کو یہی منظور تھا کہ دارِ فانی کا یہ آشیانہ نشین شہباز ”اوجِ لاہوت“ کی طرف پرواز کرے۔ اس لیے رئیسِ دیہہ کے عذابِ میت کا معائنہ اور خادمہ کا سخن ”حق و باطل“ میں تمیز کرنے کا سبب بن گیا۔ شوقِ الہی کی آتش جو اس پاک نہاد کے سینہ بے کینہ میں دہی پڑی تھی، دفعۃً بھڑک اٹھی اور شاہدِ حقیقی کی محبت و عشق کا بحرِ بسیط موجیں لینے لگا۔ کچھ مکران کی حکومت اپنے عم زاد بھائی امیر البقار کے سپرد کی اور خود اپنے نانا جان سید احمد توجتہ کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے لاہور کو چل پڑے۔

سید احمد توجتہ کی خدمت میں

سید احمد توجتہ بڑے پائے کے درویش تھے۔ سلطان التارکین کو یقین تھا کہ نانا صاحب قبلہ پہلی توجتہ میں ہی عرفان کی تمام منزلیں طے کرا دیں گے۔ لیکن جب کافی عرصہ ان کی خدمت میں مختلف ریاضتیں اور مجاہدات کرتے گزر گیا اور حضرت حاکم نے اپنے اندر کوئی تبدیلی محسوس نہ کی تو ایک دن بڑی نیاز مندی سے عرض کی :

”نانا بزرگوار! جس مقصد کے لیے تاج و تخت کو چھوڑا۔ عیش و آرام کو حرام سمجھا اور آپ کے حکم کی تعمیل میں صبر آزمایا صنتوں سے دوچار رہا۔ آج تک ان تمام مجاہدات کا کوئی بھی نتیجہ نہیں نکلا۔ آپ کی صاحبزادی کی یادگار ہوں، للہ توجتہ فرمائیے“

حضرت نے اپنے پیارے نواسے کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے فرمایا۔ بیٹا! تم نے واقعی بڑی محنت کی ہے، لیکن ابھی منزلِ دور ہے۔ فلاں مقام پر ایک بوڑھا درویش جھونپڑی میں بیٹھا اللہ! اللہ کر رہا ہے۔ اس کے پاس جا کر پانی مانگو اور جب وہ

پانی لا کر پیش کرے، تو اُس کے برتن کو توڑ دو۔

اسی طرح پانی کی فرمائش کرتے رہو اور جب وہ پیش کرے تو اُس کا برتن زمین پر پٹخ دو۔ جب اس کے پاس کوئی برتن نہ رہے تو پھر اُسے خوب ٹنگے مارو۔ اس کا جوہِ دِوِ عمل ہو، اُس سے مجھے آگاہ کرو اور پھر ہم تمہارے معاملے پر غور کریں گے۔

حضرت حاکم فوراً اس بوڑھے درویش کے پاس پہنچے اور پانی طلب کیا۔ وہ فوراً مصلیٰ سے اُٹھا۔ ایک کونے سے مٹی کا آبخورہ نکالا، اچھی طرح سے دھو کر اُس میں پانی بھرا اور بسم اللہ پڑھتے ہوئے حضرت حاکم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے آبخورے کو جھونپڑے کے باہر پھینک دیا اور ڈانٹ کر کہا، پانی لاؤ۔

درویش نے کونے سے دوسرا آبخورہ نکالا۔ اُسے خوب دھویا اور پانی سے بھر کر بسم اللہ پڑھتے ہوئے حاکم کی طرف بڑھایا۔ حضرت حاکم نے بوڑھے درویش سے یہ آبخورہ بھی لے کر زمین پر پٹخ دیا اور اُسے پھر پانی لانے کو کہا۔ اس طرح بوڑھا درویش بار بار آبخورے نکال کر خوب احتیاط سے دھو کر پانی پیش کرتا رہا اور حضرت حاکم توڑتے رہے۔ یہاں تک کہ آبخورے ختم ہو گئے اور بوڑھا خاموشی سے کفِ افسوس ملنے لگا۔

حاکم نے اُسے خوب بھنجھوڑا اور ڈانٹ کر کہا، بڈھے اگر تم پانی نہیں پلا سکتے تو پھر سڑک کے پاس کیوں بیٹھے ہو؟ پھر دو تین ٹنگے زور سے لگائے۔ ٹنگے کھانے کے بعد بوڑھا آگے بڑھا اور اپنے کمزور اور کانپتے ہوئے ہاتھوں کو حضرت حاکم کی طرف بڑھایا اور عاجزی سے بولا:

”و تو جوان! افسوس ہے، میرے بدن پر گوشت نہیں، ہڈیوں پر ٹنگے مارنے سے تمہیں تکلیف ہوئی ہوگی، لاؤ، میں آپ کے ہاتھوں کو دباؤں“

اس واقعہ کا حضرت حاکم پر بڑا اثر ہوا اور نانا جان کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا:

”حاکم بیٹا! جب تمہارے اندر اس بوڑھے درویش جیسی بے نفسی پیدا ہوگی اس وقت تم فقر و لاییت کی وادی میں قدم رکھ سکو گے۔ اے فرزند! تیرا نصیبہ سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں ہے۔ اللہ کی زمین فراخ ہے اس میں دیر مقصود کو تلاش کرو“

ان دنوں بغداد کے مشائخ کی بڑی شہرت تھی۔ حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے فیوض و برکات سے یہ شہر بقیعہ انوار بن گیا تھا۔ حضرت حاکم سید احمد توختہ سے مرخص ہو کر بغداد کو روانہ ہوئے۔ کئی دنوں کی مسافت کے بعد جب بغداد کے مصافحات میں قدم رکھا تو غلبہ شوق سے بحر شہود میں ایسے غرق ہوئے کہ تین دن تک بدن کا ہوش نہ رہا۔

شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی علیہ الرحمۃ کو کشف کے ذریعے سلطان کی آمد کا علم ہوا تو خادم بھیج کر آپ کو طلب فرمایا۔ حضرت حاکم نے فوراً اپنا سر شیخ کے قدموں میں رکھ دیا اور عرض کی :

”اے سر حلقہ اولیائے کرام! یہ سوختہ آتش عشق اور مبتلائے ہجران محبوب مطلق سید السادات کے ارشاد سے اس بارگاہ میں حاضر ہوا ہے۔ حیات ناپا تیدار کا کچھ اعتبار نہیں۔ ممکن ہے فرصت حاصل نہ ہو غنیچہ مرادنا شگفتہ رہے، اس لیے بلا تاقل شرف بیعت سے ممتاز فرمائیں تاکہ جناب والا کے نعمت خانہ سے بے بہرہ نہ رہوں“

شیخ الشیوخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی پیٹھ پر دست شفق پھیرتے ہوئے فرمایا :

”اے تشنہ کام! ابھی تیرے پیر بیعت نے عرصہ عدم سے ساحت وجود میں قدم نہیں رکھا۔ چندے اور انتظار کر“

سلطان التارکین نے بدل مجروح و دیدہ مطروح دوبارہ سر نیاز پائے مبارک پر رکھ کر عرض کی :

”جو طبیب کہ مرض کو پہچانتا ہے، وہ دوا بھی جانتا ہے، اس لیے امیدوار ہوں کہ حضور اس شیر بیشہ ولایت کے اسم گرامی سے بھی آگاہی فرمائیں گے تاکہ اس کی تلاش میں مدد مل سکے۔“

فرمایا :

”وہ فرزند بہاء الدین زکریا ملتانی رحمت اللہ علیہ کے پوتے رکن الدین ہوں گے۔“

حضرت حمید الدین حاکم اس بشارت فیض اشارت سے بے حد مسرور ہوئے اور عرصن کی :

”یہ مبتلائے درد اشتیاق اور سرگردان وادی فراق اس بزرگ کے قدم میمنت لزوم کے شرف زیارت تک اسی کے نداد بوم میں گوشہ نشین رہنے کا آرزو مند ہے تاکہ خاطر بقرار کو تسکین حاصل رہے۔“

شیخ الشیوخ نے آپ کی درخواست کو منظور فرمایا اور مصلیٰ خاص تبرک کے طور پر مرحمت کر کے رخصت کیا۔

مومبارک | حضرت سلطان التارکین آزاد منش فقراء کی طرح ملتان کو چلے جاتے تھے کہ ایک دن آپ کا گزر ایسے شہر سے ہوا جس کی سرسبزی اور شادابی آپ کو بڑی پسند آئی۔ دریا اُس کے قدموں میں پڑا لوٹتا تھا۔ مکانات پختہ اور بلند سطح پر واقع تھے۔ چاروں طرف سرسبز باغات اور پرفضا کھیتوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا۔ آپ نے خیال کیا کہ اس دل کشا مقام پر قیام کر کے لطیفہ غیبی کا منتظر رہنا چاہیے۔ چنانچہ شہر کے باہر ایک جوگی کے کنوئیں پر آپ

۱۔ یہ شہر مومبارک کے نام سے ریاست بہاولپور میں اب تک موجود ہے۔ شہر پناہ اور دروازے زبان حال سے اس کی قدامت کی شہادت دے رہے ہیں۔ البتہ دریا نے اپنا رخ بدل لیا ہے اور وہ شہر جو کبھی مینو سولہ خطہ نظر آتا تھا اور جس پر سلطان حمید الدین کی نظر انتخاب پڑی تھی۔ اب کھنڈر بن کر رہ گیا باقی صفحہ ۱۶۶ پر

نے اپنا بوری پھیلا دیا۔ یہ جوگی فقرا اور علم کیمیا میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ اس علاقے کے لوگ اس کے بڑے معتقد تھے۔ وہ شام کو ٹھٹھا ٹھٹھا جوادھر آیا، اُس نے دیکھا کہ ایک پیر مرد مسافر درخت کے سایہ تلے ڈیرا جماتے بیٹھا ہے۔ اُس نے چاہا کہ کسی طرح سے نو وارد کا حال دریافت کرے کہ آیا یہ کوئی گم کردہ سامان سوداگر ہے یا ولایت باختر بادشاہ۔ یہ سوچ کر جوگی واپس لوٹ گیا اور شہر سے سونے کی ایک اینٹ اٹھا لایا اور بولا:

”اے فکر مند مسافر! زمانہ یونہی پہلو بدلتا رہتا ہے۔ کسی قسم کی تشویش کو خاطر میں نہ لاء۔ درویش کی اس پیشکش کو زادِ راہ بنالے بسببِ الاسباب تیری مُرادیں پوری کرے گا۔“

(یقینہ حاشیہ صفحہ ۱۶۵ سے) ہے۔ سلطان التارکین کا تذکرہ نگار لکھتا ہے:

”دباید قہمید کہ قلعہ مو، قلعہ ایست معظّم، موہبت باہینیت، با اوچ درفعت، بابالائی و بلندی و با عظمت و رفعت مزین بباروج و مینار و محکم بدہلیز و دروازہ آہنی و واقع است در میان ملتان و بکھر کہ بعد از زمان عیسیٰ علیہ السلام رائے سہنس کہ در آنرا بنا کردہ است، بعدہ رائے کلاس ارائش و زینت داد۔ و در عہد رائے بھوج شاہ غزنی اورا پامال ساخت و قلعہ مورادیران انداخت و اُن چنان دروازہ اُن مسدود و مطلق نمود کہ ہیچ بنی آدم را بارائے رفتن بالائے قلعہ نماند۔“

اب بہاولپور گزیر کی عبارت ملاحظہ ہو۔ رحیم یار خان سے چھ میل شمال کی طرف مو مبارک کا قدیمی قلعہ واقع ہے۔ یہ رائے سیہاسی دوم کے چھ قلعوں میں سے ایک ہے۔ بیس گڑھیوں اور برجوں کے کھنڈرات اب بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ایک ان میں سے پچاس فٹ بلند تا حال قائم ہے۔ فصیل چھ سو گز ہے۔ رائے سہنس کھروڑ نے حضرت عیسیٰ کے زمانے میں اپنی ماں کی رہائش کے لیے بنوایا تھا۔ لہذا مو نام ہوا۔ رائے بھوج کے عہد میں سلطان محمود غزنوی سومات کو جلتے ہوئے یہاں سے گزارا۔ راہ سید راہ ہوا اور یہ قلعہ تباہ و برباد ہو گیا۔

سلطان التارکین نے جوگی کا شکریہ ادا کیا اور وہ اینٹ لے کر دریا میں پھینک دی۔ جوگی نے خیال کیا کہ یہ مرد جو بے نیازی میں یگانہ روزگار نظر آتا ہے دو جہت سے خالی نہیں۔ یا تو یہ کیمیا گر ہے اور یا صاحب کمال درویش؛ اس کا حال ضرور معلوم کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے مکرر سوال کیا:

اے باکمال انسان! اگر یہ اینٹ تیرے کام کی نہیں تھی تو دریا میں ڈالنے سے کیا فائدہ؟

سلطان التارکین جوگی کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور دریا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

مانگ موتی لے وہ جہنیں پرالبد سولے

یعنی موتیوں کا دریا بہ رہا ہے جس کی قسمت میں ہو وہ لے۔

آپ نے اشارہ کیا ہی تھا کہ دریا مچھٹ گیا اور اس کی تہ میں سونے کی ہزاروں اینٹیں بہتی دکھائی دیں۔ فرمایا:

”اے جوگی! دریا میں جا اور اپنی اینٹ پہچان کر نکال لے“

اس بیدار بخت نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔

”حضرت دریا اینٹوں سے بھرا پڑا ہے بلکہ دریا کی ساری وادی ستھری بن چکی ہے، میں اپنی اینٹ کیسے پہچانوں؟“

نظرت کیمیا است گر نگری درم قلب ما چوں زر گردد

اے ولی اللہ! تیری نظر کیمیا ہے۔ اگر مجھ پر گوشہ چشم سے تھوڑی سی توجہ ہو جائے تو بس کا یا ہی پلٹ جائے۔

سلطان التارکین کو جوگی کا یہ انداز بہت پسند آیا۔ اس پر کرم کی ایک نظر جوگی، واقعی اس کی کا یا ہی پلٹ گئی۔ وہ تہ دل سے مسلمان ہو گیا اور اپنے گنہگاروں پر ایک حجرہ اور مسجد تعمیر کی۔ جہاں سلطان التارکین نے سکون و اطمینان سے خدا کی بھولی بھٹکی مخلوق کو سبیل الرشاد پر چلانا شروع کیا۔ آپ کے اخلاق حسنہ کی کشش یہاں کے راجہ رائے لکھ سنچ

کو بھی کھینچ لائی۔ حضرت نے اسلام کے محاذ اور محاسن اس رنگ میں پیش کئے کہ وہ اپنے
برادران بلورائے و ہندورائے اور فرزندان شمشیر و البشیر سمیت مسلمان ہو گیا۔

ایک غریب الوطن اور اجنبی درویش اس ریاست کے سیاہ و سفید کا مالک بن چکا تھا
دولت، حشمت اور امارت جسے کچ مکران میں خیر باد کہہ آیا تھا۔ پھر قدموں میں لوٹ رہی
تھی۔ حضرت نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ اس
ریاست پر بھی توجہ صرف کی۔ چونکہ اس زمانے میں شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کے
سبب شیراز بہت مشہور تھا اور شیخ سے دو غانی رابطہ رکھنے کے سبب سلطان التارکین کی
نگاہ میں اُسے خاص مقام حاصل تھا۔ اس لیے موکو بھی شیراز کی سطح پر لانے کی کوشش فرمائی۔
چنانچہ بہت جلد ہی شمالی ہند کا یہ غیر معروف قلعہ ایران کے مشہور شہر شیراز کا مقابلہ
کرنے لگا۔ ارشاد ہوتا ہے :-

من حاکم ولی چوں ہوا خواہ سعدیم
مٹور از فضل رونق شیرازے کنم

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے :-

شد غزل سعدی ہم و نظم نظامی نظم من
قصبہ مو شد از فضلم کنبہ شیراز ہم

شیخ الاسلام کا مکتوب گرامی | جب چنگیزیوں نے کچ مکران کی سلطنت امیر البقا
سے چھین لی، تو وہ سید احمد توحہ ترمذی کی

خدمت میں لاہور چلے گئے اور سلطان التارکین کے علاقے بھائی شیخ رکن الدین حاتم اپنی
والدہ اور عم بزرگوار شیخ تاج الدین کے ساتھ مع اہل و عیال قصبہ مو میں وارد ہوئے۔
سلطان التارکین نے ان کی رہائش کا مستقل انتظام کر دیا۔

ان دنوں شیخ حاتم کے نانا بزرگوار قاضی رفیع الدین عباسی سلطان التمش کی طرف سے
صوبہ بکھر کے گورنر تھے۔ جب انہیں اس امر کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے سرکار سے پندرہ
گاؤں بطور جاگیر جدا کر کے حضرت حمید الدین حاکم کی نظر کئے اور لکھا مجھے علم ہے کہ

آپ نے دنیا سے کنارہ کشی کر لی ہے۔ لیکن یہ قطعہ اراضی جو آپ کے خدام کے لائق نہیں۔ اپنی لڑکی (والدہ شیخ حاتم) کے خرچ نمک کے لیے پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ امید ہے حضور لفظ ”انکار“ درمیان میں نہ لاکر اسے قبول فرمائیں گے۔ چونکہ قاضی صاحب کا احترام پیش نظر تھا، اس لیے آپ نے یہ پیش کش قبول کر کے اس کا انتظام اپنے گماشتوں کے سپرد کر دیا۔

ان دیہاتوں میں ایک گاؤں ولرواہن جو بکھر کے قریب پڑتا تھا۔ قاضی کبیر کے زیر کاشت تھا۔ سلطان التارکین کے گماشتوں نے معمول سے زیادہ محصول وصول کرنا چاہا۔ قاضی کبیر سخت فکر مند ہوا۔ اُسے اور کوئی جائے پناہ نظر نہ آئی۔ حضرت شیخ الاسلام کینجدمت میں ملتان پہنچا اور عرض کی :

ولرواہن میں ایک قطعہ اراضی اس غلام کے زیر کاشت چلا آتا ہے۔ سلطان التارکین کے گماشتوں نے اس کے محصول کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ بندہ اس کے ادا کرنے سے قاصر ہے۔ براہ کرم حضور والا! ان کی خدمت میں سفارش نامہ لکھ دیں، تاکہ وہ مقررہ محصول سے زیادہ وصول نہ کریں۔

حضرت شیخ الاسلام نے سفارش میں سلطان حمید الدین کو یہ فقرات لکھوائے :

”شیخ ہنکاری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے کو واضح ہو کہ ہر چند آپ کا نام حاکم ہے، مگر طریق سلوک میں محکوم ہوئے بغیر کام نہیں بنتا۔ اس طرح جیسے کشتی کے بغیر دریا عبور نہیں کر سکتے۔ امر متروکہ کا ارتکاب اربابِ حال کے مناسب نہیں۔ ایک قطعہ زمین کے لیے درویش مسکین کو نہ بخیدہ کرنے سے کیا حاصل ہے۔“

حاکم آپ ہیں حکم آپ ہی و چار
 بے دن گانون سے کئی دلار و دلار
 بے دن لدھیا مندے بھج نہ ہار
 جیں تانک نہ تولہا سی کیویں لنکسن پار

قاضی کبیر خود یہ مکتوب گرامی لے کر مو مبارک حاضر ہوئے۔ حضرت حاکم نے پیر بیعت کے بعد مجد کے سرفراز نامہ کو سر آنکھوں سے لگا کر بڑی عقیدت سے پڑھا۔ زیارت کے آرزو مند پہلے سے ہی تھے۔ اس خط نے سمند شوق پر مہمیز کا کام کیا۔ قاضی صاحب کو رضامند کر کے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک عرضی لکھی جو اس مضمون پر مشتمل تھی :

”کہ اگرچہ درویشوں کے خاک پا کو حاکم کہتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ محکوم حاکم الہی ہے۔“

منم بحکم خداوند! شانہ اکبر
 جزاں سفینہ نباشد مرا سفینہ وگر
 زرنخش دل درویش آنچه بد اظہار
 خدا علیم نگشتہ بعلم این احقر
 بحکم اینرود اور بعد ازین زینہار
 شور کسے نہ مزاحم بحال او دیگر
 ساتھ ہی حضرت کے دوہرہ کے جواب میں ایک دوہرہ تحریر فرمایا، جس کے الفاظ سہو کتا بت کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ جو کچھ پڑھا گیا ہے وہ ہدیہ ناظرین ہے۔

حاکم آپ ہیں حکم کراہیں وچار
 جنہاں اللہ منیا اتے نبی محمد یار
 جنہاں تانک نہ تولہا سی ہی لکسن پار

قاصد کو یہ نیاز نامہ دے کر روانہ کیا اور خود بھی چند دنوں کے بعد ملتان کو چل پڑے۔ حضرت شیخ الاسلام سلطان حاکم کے حالات سے پوری طرح باخبر تھے۔ ان سے بل کر بہت خوش ہوئے اور اپنے جہرہ خاص کے پاس مکان مرحمت کیا۔ ایک دن دوران گفتگو میں فرمایا کہ انسان کو پیر کے بغیر نہیں رہنا چاہیے۔ جسے آپ کا دل پسند کرے اس سے بیعت کر لیں۔

عرض کی ”صنور! ابھی میرے پیر عرضہ عدم سے ساحت وجود میں نہیں آئے۔“

پوچھا: ”وہ باکمال درویش کون ہو سکتا ہے؟“

عرض کی ”وہ شیخ صدر الدین عارف کے فرزند شیخ زکین الدین ہوں گے۔“

یہ نام لیتے ہی آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ جس سے حضرت شیخ الاسلام بھی بڑے

متاثر ہوئے اور اہل مجلس کے ہر فرد کے دل سے سوزِ درد نمایاں ہو گیا۔

حالتے خوش رفت اندر کوچہ بیت الصنم

ساقی و مطرب خراب بادہ و مایز مہم

انہی ایام میں مولانا فخر الدین عراقی کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا۔

شرف دامادی یہ حضرت شیخ الاسلام کی صاحبزادی تھی، اس عقیقہ کے بطنِ عفت سے شیخ کبیر الدین تولد ہوئے جو حضرت ہی کی اغوشِ شفقت میں پرورش پا رہے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد شیخ الاسلام نے دوسری صاحبزادی مولانا عراقی کے جبالہ نکاح میں دینا چاہی حضرت صدر الدین عارف سے مشورۃ پوچھا:

« بابا صدر الدین! اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ »

عارف باللہ نے جواب میں عرض کی کہ میں نے ایک دن مولانا عراقی کو سمرائے کی چھت پر اس حالت میں کھڑا ہوا دیکھا کہ وہ کُرتے کے دامن سے اپنے سینہ کو ہوا دے رہے تھے، جس شخص میں کہ حظِ نفس کا مادہ اس قدر موجود ہو، وہ دوسری دفعہ آنحضرت کی دامادی کا شرف حاصل کرنے کے لائق نہیں۔

حضرت نے متبسم ہو کر پوچھا:

« تو پھر آپ کے نزدیک اس نسبت کے قابل کون شخص ہو سکتا ہے؟ »

آپ نے عرض کی: « برادرِ حمید الدین حاکم جو کہ حسب نسب اور زہد و ورع میں اپنی مثال نہیں لکھتا۔ »

حضرت شیخ الاسلام اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

« بابا صدر الدین! یہ کام تیرے سپرد ہے! »

چنانچہ شیخ صدر الدین عارف نے اپنی ہمیشہ محترمہ بی بی فاطمہ کی شادی خانہ آبادی سلطان حمید الدین حاکم سے کر دی۔ اس معصومہ سے سلطان حمید الدین حاکم کے سب سے بڑے

صاحبزادے شیخ نورالدین پیدا ہوئے جو خاندانِ جلیلہ کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔ شیخ فرح بخش
اذکارِ قلندری میں لکھتے ہیں :

« سلطان التارکین کے ہاں صدقِ بحرِ عفت عصمت یعنی بنتِ شیخ الاسلام و المسلمین
حضرت مخدوم بہاء الدین زکریا سے گوشِ ہوش معرفت کے لائق و مزاوار ایسا
لولوئے شہوار و جود میں آیا جو کوکبِ طالع افروز تھا اور جس کی نورِ آگینِ جہین سے
انوارِ فیضِ یزدانی صاف چمک رہے تھے اور اس تیر بیزجِ سعادت کے چہرے
سے صبحِ اُمید مہر درخشاں کی طرح نظارہ کرتے والوں کے دیدہ میں پرتو انداز
تھی۔ حضرت سلطان التارکین فرزندِ کا بشرہ مبارک مشاہرہ فرما کر مخطوط و مسرور
ہوئے اور اسے نور الدین کے نام سے موسوم فرما کر ارشاد کیا کہ انشاء اللہ اس کی
پشت سے اکثر مردانِ خدا پیدا ہوں گے »

عطائے خرقہ | الغرض سلطان حمید الدین حاکم ہردوم و ہرآن حضرت شیخ الاسلام کے
موردِ الطاف ہے۔ ایک دن گلیم پاک کو چودہ خانوادوں کے
خرقہ کے طور پر سفرِ حضر میں سامقہ نہتی تھی۔ شیخ حاکم کو مرحمت ہوئی اور جبہ شریف حضرت
نے اپنے بدن مبارک سے اتار کر خود اپنے ہاتھوں سے پہنایا۔ اس وقت سید جلال بخاری
(المتوفی ۷۹۰ھ) بھی موجود تھے۔ انہوں نے شیخ کو حلقِ راس کا مشورہ دیا۔ آپ نے
فرمایا :

”یہ شیخ رکن الدین کا منتظر ہوں جو حضرت شیخ الاسلام کے پوتے ہوں گے۔“

سلطان حاکم کی دوسری شادیاں | شیخ حمید الدین حاکم کے بارے میں اکثر تذکرہ نگاروں
نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ شیخ الاسلام کے ہمراہ سید

جلال تبریزی کے مقدمہ کی تقریب پر دہلی تشریف لے گئے تھے اور وہاں انہوں نے سلطان
التمش کی صاحبزادی بی بی عائشہ سے شادی کی تھی، لیکن کسی ثقہ شہادت سے اس دعوے
کی تصدیق نہیں ہوتی۔ ہاں البتہ سلطان حاکم کی کلیات گلزار میں بی بی عائشہ نامی ایک
خاتون کا مرثیہ ضرور درج ہے۔ مگر اسے قاضی وحید الدین احمد کی دختر بتایا گیا ہے۔ شیخ

شہر اللہ نے شیخ جمال اُچی کے حوالہ سے سلطان حاکم کی ایک اور شادی کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ سندھ کا راجہ جام آپ کا معتقد ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی لڑکی بی بی پترانی کی شادی آپ سے کر دی تھی اور سات ہندو قوموں کے آدمی بطور غلام جہیز میں دیئے تھے :

۱، کنار مل کھار (۲) ککھ میراٹی (۳) ودھا ججام (۴) کنا باورچی (۵) ہس مہاجن (۶) ٹوٹن ملاح (۷) کنگا بنیا۔

ان کے علاوہ پلہار یا پریار قوم کے کئی آدمی درباری کے خدمات انجام دینے کے لیے ساتھ کر دیئے گئے تھے۔ لیکن جو نہی شیخ حاکم نے دریا عبور کیا۔ ان سب کو آزاد کر دیا۔ یہ لوگ آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ ان سب قوموں کے جانشین اب تک مومبارک اور اس کے مضافات میں پائے جاتے ہیں۔

ہمیں تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ بہر حال شیخ حاکم نے متعدد شادیاں کیں اور غالباً بی بی فاطمہ کے انتقال کے بعد۔

شیخ حاکم صحیح معنوں میں سلطان التارکین تھے۔ ان کی سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ دولت اور حکومت کئی دفعہ لوٹدی بن کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ مگر انہوں نے اس طرف توجہ تک نہ کی۔ شیخ عثمان ستیاج سے منقول ہے کہ ایک دن سلطان حاکم، شیخ فخر الدین عراقی اور سید جلال بخاری ایک حجرہ میں معروف عبادت تھے کہ دنیا صاحب جمال عورت کی شکل میں میٹھی روٹیاں لیکر حاضر ہوئی۔ سلطان حاکم نے اس کی طرف جوتا پھینکا اور منہ موڑ لیا۔ عراقی نے بھی توجہ نہ کی۔ لیکن سید جلال بخاری نے بڑھ کر دو روٹیاں اٹھا لیں اور کہا اپنے لئے نہیں بلکہ اپنی اولاد کے لیے لی ہیں۔ اسی دن سے شیخ حاکم سلطان التارکین کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

بہاولپور گزٹیر میں درج ہے کہ سلطان شمس الدین نے ملتان اور بکھر کا درمیانی علاقہ آپ کو بطور جاگیر کے دے دیا تھا۔ جب آپ ملتان سے چل کر اُچ میں پہنچے تو رانی تلاء کے کنارہ پر آپ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ شراب پی کر بے ہوش پڑا ہے۔ آپ نے لوگوں سے اس کی بابت دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ اس نوجوان کا نام سید بدیع الدین ہے، اسے

ایک چاہ کی معافی کا پروانہ ملا ہے۔ اسی کے نشہ میں غرق پڑا ہے۔ آپ نے فرمایا۔
 ”افسوس! یہ ایک چاہ کی معافی کا اثر ہے۔ اگر میں اتنی بڑی جاگیر قبول کر لوں، تو
 میری اولاد کا کیا حشر ہوگا؟ آپ نے وہیں کھڑے کھڑے جاگیر کا پروانہ
 چاک کر ڈالا۔“

حضرت شیخ جمال اُچی لکھتے ہیں کہ سلطان التارکین اکثر فقر و فاقہ میں زندگی بسر کرتے
 تھے۔ ایک مرتبہ گھر میں کئی دن مسلسل فاقہ پڑا۔ بی بی فاطمہ دختر شیخ الاسلام و المسلمین اور
 صاحبزادہ نور الدین سخت نڈھال ہو گئے۔ بی بی سے بچے کی تکلیف دیکھی نہ گئی۔ مجبور ہو کر
 سلطان التارکین سے اس کا تذکرہ کیا۔ شیخ نے مصلیٰ کا ایک سرا اٹھا کر ایک انمول موتی نکال کر
 دیا۔ رات کو بی بی نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا عالی شان محل ہے، جس کا ایک خوبصورت
 کنگرہ غائب ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ سلطان حاکم اوران کے اہل بیت کا
 گھر ہے اور اس کا کنگرہ اس موتی کی وجہ سے اڑ گیا ہے جو اُس نے دُنیا میں لے لیا ہے۔
 بی بی نے خواب سے بیدار ہو کر وہ بے بہا موتی واپس کر دیا کہ میں اپنے بہشتی محل کو بدزیب
 کرنا نہیں چاہتی۔

شیخ حسن افغان سے روایت ہے کہ ایک دفعہ بی بی فاطمہ اپنے بھائی صدر الدین عارف
 کے گھر آئی ہوئی تھیں۔ رات کو عارف بالٹڈنے دیکھا کہ بستر خالی ہے اور بہن بوریئے پر
 سو رہی ہے۔ پوچھا:

”بہن! بستر چھوڑ کر آپ نے بوریائیوں پسند کیا؟“

عرض کی، مجھے ایسی ہی عادت ہے۔ کیونکہ آپ کے بہنوئی سلطان حاکم چار رکعت نماز میں

تمام رات بسر کر دیتے ہیں اور اس سے فارغ ہو کر اکثر مراقبے یا سجدے میں پڑے رہتے ہیں اور

شاذ و نادر ہی لیٹتے ہیں۔ ایک دفعہ میں نے سر کے نیچے تکیہ رکھ لیا تو فرمایا:

”شیخ کبیر کی صاحبزادی ہو کر ایسی حلاوتِ نفس پسند کرتی ہو۔“

الغرض حضرت کی ساری زندگی اسی اختیاری فاقہ میں گزری۔ شیخ کے باقی واقعات حضرت

شیخ زکریا عالم کے حالات میں بیان ہوں گے۔

شیخ شرف الدین سعدی شیرازی

نام شرف الدین، مصلح لقب اور سعدی تخلص تھا۔ شیخ کے والد ایک باخدا اور عابد انسان تھے۔ انہوں نے سعدی کو بھی شب بیداری کا عادی بنا دیا تھا۔ گلستان میں شیخ نے ایام طفولیت کا نقشہ خود اپنے ہاتھوں سے کھینچا ہے۔ لکھتے ہیں :

» یاد دارم کہ در ایام طفولیت متعبد بودم و شب خیز و مویح بزہد و پرہیز شب بخدمت پدر نشسته بودم و ہمہ شب دیدہ برہم نہ بستہ و مصحف عزیز در کنار گرفتہ و طائفہ نزد ما خفتہ۔ پدر را گفتم از بیاں کسے سرمے بردارد کہ دوگانہ بگذارد۔ چنان در خواب غفلت خفتہ کہ گوئی مردہ اند۔ گفت اے جان پدر! اگر تو نیز بخفتی ازاں بہ کہ در پوستین خلق اُفتی «

شیخ کی تربیت اُن کے والد کی نگرانی میں ہوئی۔ چنانچہ بوستان میں لکھتے ہیں ۔

ندانی کہ سعدی مکاں از چہ یافت نہ ہاموں نوشت و نہ دریا شکانت
بہ خردی بخورد از بزرگاں قضا خدا دادش اندر بزرگی صفا

افسوس ہے کہ والد کا سایہ دیر تک سر پہ قائم نہ رہا۔ مگر شیخ نے یتیم ہو جانے پر بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ ابتدائی تعلیم شیراز میں حاصل کی۔ پھر بغداد جا کر مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوئے۔ ان دنوں علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن جوزی اس درس گاہ کے پرنسپل تھے۔ یہ بزرگ حدیث اور تفسیر میں اپنے زمانے کے امام تھے۔ چنانچہ شیخ نے انہی کی نگرانی میں علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ جس زمانے میں شیخ بغداد میں تعلیم پا رہے تھے۔ اگرچہ اس وقت عباسیہ خلافت دم توڑ رہی تھی۔ لیکن اس کا ظاہری مٹھاٹ باٹ ہارون الرشید کے عہد کی یاد تازہ کرتا تھا۔ اکناف عالم کے اکابر علماء اور مشائخ بغداد میں جمع تھے۔ درباب صنعت و حرفت کی بڑی قدر تھی۔ بلخ، بخارا اور سمرقند سے ماہرین فن اور صنایع یہاں آ کر کمال فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ خلیفہ کے رعب و داب اور

سطوت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے سلاطین اس کے نام سے لرز اٹھتے تھے۔ شیخ نے عباسیہ شان و شوکت کے ان مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پھر اسی آنکھوں سے مدینۃ السلام بغداد کی تباہی و بربادی بھی دیکھی۔ خلیفہ مستعصم ہزار نکما سہی۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کے دم قدم سے مسلمانوں کی ساکھ قائم تھی۔ وہ کیا مشاعر اراق و عرب سے مسلمان مٹ گیا بچوائے سے

ہمارے بعد بہت روئے ہم کو اہل وفا

کہ اپنے مٹنے سے مہر و وفا کا نام مٹا

شیخ نے بغداد کی بربادی پر اس وقت آنسو بہائے، جبکہ کوئی شخص اس پر روئے والا اور سوائے اسلام کے دنیا میں کوئی اس کا سوگوار نہیں رہا تھا۔ مرثیہ کا ایک ایک شعر فارسی ادب کی جان ہے اور جب تک یہ زبان زندہ ہے، بغداد کی بربادی کا منظر بھی آنکھوں کے سامنے رہے گا۔ طوالت کے خوف سے اس مرثیے کے ہم صرف دو اشعار یہاں درج کرتے ہیں جن سے حضرت شیخ کی قادالکلامی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آسماں را حق بود گر خون ببارد و بر زمین

برزوال ملک مستعصم امیر المؤمنین

اے محمد! اگر قیامت سے بر آری سرز خاک

سر بر آوردیں قیامت در میان خلق ہیں

جب کتاب کے مطالعہ سے شیخ کا جی سیر ہو گیا تو انہوں نے نسخہ

کائنات کا مطالعہ شروع کیا۔ مدرسہ نظامیہ سے نکل کر سالانہ

سیر و سیاحت

سال تک ایشیا اور افریقہ کے شہروں کی سیاحت کرتے رہے۔ ایک جغرافیہ دان کا بیان

ہے کہ مشرقی سیاحوں میں ابن بطوطہ کے سوا شیخ سعدی سے بڑھ کر اور کوئی سیاح، ہم

نے نہیں سنا۔ شیخ نے ایشیائے کوچک، حبش، بربر، مصر، شام، فلسطین، آرمینیا

ایران، توران، رودبار و ولیم، کاشغر اور بلخ و بغداد سے ہندوستان تک سیر کی

تھی۔ عرب اور افریقہ میں تو ان کا بار بار جانا اور وہاں قیام کرنا ثابت ہے۔ اکثر تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ شیخ نے چودہ حج پیادہ پا کئے ہیں۔ شیخ کے اپنے کلام سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔ تیرہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بالعموم بے سرو سامان اور متوکل علی اللہ درویشوں کی طرح سفر کرتا رہا ہے۔ بعض مقامات پر اس بے سرو سامانی کے سبب انہیں سخت تکلیفوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

شیخ کے مجاہدے | شیخ سعدی حضرت شیخ الاسلام کے پیر بھائی تھے۔ اس لیے ہزاروں میل ایک دوسرے سے دور رہنے کے باوجود دونوں کا آپس میں گہرا رابطہ تھا۔ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے ساتھ سفرِ حضر میں شیخ نے کئی سال بسر کئے ہیں۔ ایک دفعہ دورانِ سفر میں شیخ الشیوخ نے حضرت سعدی کو دلسوزی و ہمدردی کے لہجہ میں نصیحتیں بھی کیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

مرا شیخ دانائے مُرشد شہاب دو اندرز فرمود بر اوئے آب
 بکے آنکہ بر خویش خود ہیں مباشش دوم آنکہ بر غیر بد ہیں مباشش
 شیخ نے اپنی زندگی میں جو مجاہدے کئے ہیں اگر انہیں لکھنے بیٹھیں تو ایک مستقل کتاب بن جائے۔ سالہا سال تک مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بہشتی بن کر لوگوں کو پانی پلا یا ہے۔ کئی کئی ماہ اہل اللہ کی قبور پر اعتکاف کیا ہے۔ کئی کئی دنوں تک مسلسل روزے رکھے ہیں۔ تحصیلِ عبرت اور حصولِ فیضان کے لیے ایشیا اور افریقہ کی بادہ پیمائی کی۔ الغرض آپ کی زندگی گونا گوں عجائبات کا مرقع ہے۔ کہیں آپ فلاسفر کے مجلس میں تقریر کرتے دکھائی دیتے ہیں، کہیں شاہی لباس پہنے امرائے سلطنت کو امورِ جہان بینی کی تعلیم دیتے دکھاتی دیتے ہیں۔ کہیں علم و فضل کا لبادہ اوڑھ کر طالبانِ علم و ادب کی اشکال حل کرتے نظر آتے ہیں۔ مفتاح التواریخ کے بیان کے بموجب آپ نے روم اور ہند کے جہاد میں بھی حصہ لیا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام کے خاندان میں گلستان کا ایک نسخہ صدیوں سے محفوظ چلا آتا تھا جو چند سال گزرے شیخ نصیر الدین رئیس اعظم لاہور کے گھرانے میں منتقل ہو گیا۔ اس کی بابت مشہور تھا کہ حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نسخہ خاص طور پر حضرت صدر الدین عارف باللہ

کو شاہ رکن عالم کے لیے لکھ کر دیا تھا۔

آپ کی تصانیف میں گلستاں اور بوستان کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ ارباب ادب نے آپ کو ”پیغمبر سخن“ تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ مولانا جامی فرماتے ہیں سے

در شعر کس پیغمبر اند! قولے است کہ جملگی بر آئند

فروسی و انوری و سعدی ہر چند کہ لانی بعدی

کلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں فرسودگی اور غرابت کا احساس تک نہیں ہوتا، جس وقت پڑھیے، جس رنگ میں پڑھیے، نیا لطف آتا ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

ولہ

بزرگے را پرسیدند از سیرت انخوان الصفا گفت کینہ آنکہ مراد خاطر یاران را بر صالح خود
مقدم دارد کہ حکماء گفتہ اند برادر کہ در بند خویش است نہ برادر است نہ خویش است۔

ہمراہ گر شتاب کند ہمراہ تو نیست

دل در کسے بند کہ دل بستہ تو نیست

قطعہ

اے کریمے کہ از خزانہ غیب گبر و ترسا و ظیفہ خور داری!

دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ با دشمنان نظر داری

شعر

کرم بین و لطف خداوندگار

گناہ بندہ کرد است او شرمسار

قطعہ

اے مرغِ سحر عشق نہ پروانہ بیاموز

این مدعیان در طلبش پیغمبر اند

کان سوختہ را جان شد و آواز نیامد

کانزاکہ خبر شد خبرش باز نیامد

دیگر

گلے خوشبوے درحماں روزے رسید از دست محبوبے بدستم
 بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری ! کہ از بوئے دلاویز تو مستم
 بگفتا من گلے نا چیز بودم ولیکن مدتے ، با گل نشستم
 جمال ہمنشیں در من اثر کرد
 وگر نہ من ہماں خاکم کہ، ستم

قطعہ

اے سیر ترانانِ جوئی خوش نماید
 حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف
 معشوق منست آنکہ بنزدیک تو زشت است
 وز دوزخیاں پس کہ اعراف بہشت است

حکایت

بزرگے دیدم اندر کوہ سارے
 چرا گفتم بشہر اندر نیسانی
 قناعت کردہ از دنیا بغارے
 کہ بارے بند از دل بر کشائی
 بگفت آنجا پر یرویان نغزاند
 چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند

سید جلال تبریزی

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ناصر الدین قباچہ کے زمانے میں کئی دنوں تک سید جلال الدین تبریزی اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکئی، حضرت شیخ الاسلام کے مہمان رہے تھے۔ چنگیز یوں کے حملہ کے بعد حضرت بختیار کاکئی تو دہلی چلے گئے۔ لیکن سید جلال تبریزی نے غزنی کو چل دیئے۔ کچھ عرصہ بعد وہاں سے دہلی کا رخ کیا۔ سلطان شمس الدین ان کی عظمت اور بزرگی کی شہرت پہلے سے سن چکا تھا۔ چنانچہ جب یہ دہلی کے قریب پہنچے، تو سلطان علماء اور مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ ان کے استقبال کو نکلا۔ گھوڑے سے اتر کر زیارت کی اور انہیں آگے کر کے تو داد ب سے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ شیخ نجم الدین صغریٰ جو

ان دنوں شیخ الاسلام تھے، حضرت کی یہ توقیر دیکھ کر سخت آزرده ہوئے۔ ان کے دل میں رقابت کی آگ بھڑک اٹھی۔ مگر اس کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ اس عرصہ میں سلطان نے شیخ الاسلام سے دریافت کیا کہ حضرت کو کہاں آتا۔ ناچاہیے؟ یہ دریافت کرنے سے سلطان کا تو مقصد یہ تھا کہ کوئی ایسا محل بتائیں گے، جہاں مہمان عزیز کو نہ زیادہ سُکھ پہنچ سکے گا۔ لیکن شیخ نے عداوت سے ایسا مکان تجویز کیا جو بیت الجن کے نام سے مشہور تھا۔ عرصہ سے بند پڑا تھا اور کوئی اس میں رہنے کا حوصلہ نہ کرتا تھا۔

سلطان نے مہمان عزیز کو اس مکان میں ٹھہرانا پسند نہ کیا۔ لیکن نجم الدین صغریٰ نے کہا کہ اگر سید جلال کامل درویش ہوں گے تو مکان جنوں سے پاک ہو جائے گا اور اگر ناقص ہوں گے تو دھوکہ دہی کی سزا پائیں گے۔

یہ گفتگو بالکل علیحدگی میں ہوئی، لیکن سید جلال نے کشف کے ذریعے معلوم کر کے از خود اس مکان کی کنجی منگوا بھیجی۔

جب کنجی آئی، اپنے خادم کو جس کا نام تراب تھا، فرمایا کہ اس مکان میں بلند آواز سے پکار کر کہہ دے:

» اے جن قوم! سید جلال اس مکان میں آ رہا ہے جلدی اس گھر سے نکل جاؤ! «

تراب نے شیخ کی ہدایت کے بموجب یہی پیغام جا کر پہنچایا۔ سب جن نکل گئے اور مکان تمام بلیات سے پاک ہو گیا۔ سید جلال تبریزی اطمینان سے اس مکان میں جا کر فروکش ہوئے۔

دوسرے دن خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کو ملنے کے لیے گھر سے روانہ ہوئے۔ خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کو نور باطن سے معلوم ہو گیا کہ سید جلال ملنے کے لیے چلے آتے ہیں۔ فوراً اٹھ کر استقبال کو بڑھے۔ راستے میں دونوں بزرگوں کا ملاپ ہوا اور حضرت بختیار کاکی قدس سرہ اپنے محترم دوست کو پہلو میں لیے خاتقاہ واپس آئے۔ یہاں مجلس سماع گرم تھی۔ سب درویش جمع تھے۔ اس شعر پر خواجہ صاحب کو

بھی وجد آگیا ۔

درمے کدہ وحدت ہیشیار نے گنجد
در عالم نیرنگی جز یار نے گنجد

جمعہ کا دن تھا ، نماز تک دونوں بزرگ ہم صحبت رہے ۔ اس کے بعد سید جلال اپنے مکان کو لوٹ آئے ۔ سلطان نے سید جلال سے مُرشد کا جو یہ رابطہ دیکھا ، وہ اُن کا اور معتقد ہو گیا ۔

اس سے شیخ الاسلام کو زیادہ آزر دگی پیدا ہوئی
شیخ نجم الدین صغریٰ کا دوسرا حملہ اور وہ آپ کو سلطان کی نظروں سے گرانے

کی تجویز سوچنے لگا ۔ سید جلال تبریزی بڑے عبادت گزار انسان تھے اور فجر کی نماز عشاء کے وضو سے ادا کرتے تھے ۔ ساری رات مصلیٰ پر کھڑے تھے ۔ نماز کے بعد چاشت کی نماز تک پلنگ پر آرام فرماتے تھے ۔

ان ایام میں حضرت نے ڈیڑھ ہزار روپے میں ایک ترکی غلام خرید کر اپنی خدمت میں رکھا ہوا تھا ۔ اُس کے حُسن و جمال کا یہ عالم تھا کہ حسینانِ جہاں اُس پر جان دیتے تھے ۔ ایک دن سید جلال صُبح کی نماز ادا کر کے اپنے مکان کے صحن میں چادر اوڑھے آرام فرما رہے تھے اور وہی غلام پاس بیٹھا پاؤں دبا رہا تھا ۔ اتفاق سے اس روز شیخ نجم الدین صغریٰ بہت سویرے سلطان کے ہاں محل سرائے میں چلے آئے تھے ۔ شاہی محل کی چھت پر صُبح کی نماز ہوئی ۔ چونکہ شیخ بادشاہ سے ذرا آگے کھڑے تھے ، ان کی نظر سید جلال کے صحن میں جا پڑی ۔ اُسے خیال ہوا کہ حضرت جلال نماز سے غافل ہو کر محو خواب ہیں ۔ بادشاہ کو مرغول کے پاس لے جا کر کہا :

» دیکھیے ! آپ ایسے آدمی کے معتقد ہوئے ہیں ۔ یہ سونے کا کونسا وقت ہے ؟
اور ایک خوب صورت غلام بھی پاس بیٹھا دکھا ہے «

شیخ کو نورِ باطن سے نجم الدین صغریٰ کی سازش کا پتہ چل گیا ۔ چادر چہرے سے ہٹا دی اور بلند آواز سے پکار کر کہا :

» اے نجم الدین! اگر تو پہلے دیکھتا، تو اس لڑکے کو میرے پاس نہ پاتا «

سُلطان شرمندہ ہوا اور شیخ سے بولا:

» آپ کو ایسی باتیں نہیں کہنی چاہئیں «

بجائے نادم ہونے کے شیخ اور جل بھن گیا۔ اس وقت تو یہ بات رفت گذشت ہو گئی

لیکن اندر ہی اندر شیخ، سید جلال کو بدنام کرنے کی تجویزیں سوچنے لگا۔

دہلی میں گوہر نامی ایک خوبصورت رقاصہ رہتی تھی، جو
عشوہ گرمی اور رقص و سرود میں یکتائے زمانہ تھی

شیخ نجم الدین کا تیسرا حملہ

اُسے پانچ سو اشرافیاں دینے کا وعدہ کر کے آمادہ کیا کہ وہ سید جلال تبریزی کو تہمت زنا

مطعون کرے۔ اڑھائی سو اشرافیاں اُسے پیشگی دے دی گئیں اور اڑھائی سو احمد مشرف نامی

ایک بٹے کے پاس امانت رکھوا دی گئیں کہ جب یہ معاملہ رقاصہ مذکور پایہ ثبوت کو پہنچا دے

اس وقت اسے دی جائیں۔

رقاصہ نے سلطان کی خدمت میں جا کر سید جلال تبریزی پر تہمت لگائی۔ بادشاہ یہ

سُن کر ششدر رہ گیا۔ اُسے یقین تھا کہ حضرت سید جلال اس التزام سے بالکل بری ہیں

فاحشہ عورت کی شہادت کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ کیونکہ زنا ثابت کرنے کے لیے اسی

الربح کی شہادت ضروری تھی۔ لیکن چونکہ مقدمہ سامنے اُچکا تھا، اس لیے سلطان نے شرعی

تحقیقات کی غرض سے محضر طلب کرنے کا حکم جاری کیا۔ محضر میں شرکت کے لیے اکابر علماء

اور مشائخ کو خصوصی دعوت دی گئی۔

جمعہ کا دن تھا، نماز کے بعد جامع مسجد علماء اور مشائخ

حضرت شیخ الاسلام کی آمد

سے بھری پڑی تھی۔ مولانا جمالی کے بیان کے بموجب

اس محضر میں صرف اڑھائی سو تو اولیائے کرام شریک تھے۔ حضرت شیخ الاسلام بھی اپنے

رفیقوں کے ہمراہ تشریف لا چکے تھے اور سلطان کے پہلو میں تشریف رکھتے تھے۔ سلطان

شمس الدین التمش نے شیخ نجم الدین صغریٰ سے فرمایا کہ ان علماء و مشائخ میں سے جس کو

آپ کی طبیعت چاہے ثالث مقرر کر لیجئے۔ تاکہ عادلانہ فیصلہ ہو سکے۔ شیخ نجم الدین نے

حضرت شیخ الاسلام کا نام پیش کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب حضرت شیخ الاسلام اور سید جلال شیخ الشیوخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے مرتضیٰ ہو کر ملتان کو روانہ ہوئے تھے تو نیشاپور میں ان کے درمیان لطیف سی شکر ربی ہو گئی تھی۔ شیخ نجم الدین کو اس واقعہ کا علم تھا اور وہ ان دونوں بزرگوں کی کشیدگی سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ نیز انہیں شیخ الاسلام کی خشک عبادت زندگی کا بھی پتہ تھا کہ وہ شکوک اور شبہات کی دنیا سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ بہر حال وہ اس امر کو ضرور محسوس کریں گے کہ سید جلال نے اپنے طرز عمل سے ایسا موقع کیوں بہم پہنچایا۔ جس پر مخالفین کو اس قسم کے الزامات تراشنے کی جرأت ہوئی۔

الغرض حضرت شیخ الاسلام ثالث تسلیم کر لیے گئے۔ اب شیخ نجم الدین نے رقاہ کو پیش کیا۔ سید جلال الدین کو طلب کیا گیا۔ وہ جو نہی مسجد میں داخل ہوئے، تمام مشائخ ان کی بزرگی اور عظمت سے متاثر ہو کر استقبال کو بڑھے۔ حضرت شیخ الاسلام نے لپک کر ان کی بوتیاں سنبھال لیں اور آستین مبارک میں لپیٹ کر اپنی جگہ واپس آ بیٹھے۔ سلطان شمس الدین اس کا دروائی کو چشم حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا :

» صاحبو! جبکہ امام الاولیاء بہاء الدین نے کہا جیسے جلیل القدر ثالث نے سید جلال الدین کی اس قدر توقیر کی ہے، ان کی بزرگی میں کلام کرنا دانشمندی سے بعید ہے۔ پس وہ الزام جو رقاہ نے سید جلال پر لگایا ہے، باطل ہے۔«

حضرت شیخ الاسلام نے کھڑے ہو کر فرمایا :

» میرے لیے فخر کی بات ہے کہ شیخ جلال تبریزی کے پاؤں کی خاک کو اپنے منہ سے ہانکوں کا ٹرمرہ بناؤں۔ کیونکہ وہ میرے مُرشد شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے ساتھی سات سال تک سفرِ حضر میں رہے۔ لیکن شاید شیخ الاسلام نجم الدین کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ بہاء الدین نے شیخ جلال تبریزی کی تعظیم کر کے ان کے عیب پر پردہ ڈال دیا ہے، تو یہ اہل اللہ پر بخوبی روشن ہے کہ حضرت جلال الدین سے ایسے فعلِ شنیع کا واقع ہونا محال ہے۔ لیکن پھر بھی دلائلِ بٹنیہ کا اظہار ضروری ہے۔ اس لیے مدعیہ رقاہ کو

پیش کیا جائے“

چنانچہ رقاہہ شیخ الاسلام کے سامنے لائی گئی۔ حضرت نے گرج کر فرمایا :
 ”اے فاسقہ! ولی اللہ سے کوئی امر پوشیدہ نہیں۔ سچ سچ بیان کرو ورنہ اپنے
 کئے کی سزا پائے گی“

رقاہہ پر حضرت کی شخصیت کا رعب کچھ اس طرح سے اثر انداز ہوا کہ اس نے سارا
 حال من و عن بیان کر دیا اور بولی :

”خدا شاہد ہے کہ یہ سب دروغ اور افترا ہے اور حضرت جلال الدین آپ
 حیات سے بھی پاکیزہ تر ہیں۔ شیخ نجم الدین صغریٰ نے مجھے پانچ سواشر فیاں دینا
 کی تھیں۔ ان میں سے اڑھائی سو تو میں لے چکی ہوں اور باقی اڑھائی سو
 احمد مشرف سبزی فروش کے پاس امانت پڑی ہیں کہ بہتان ثابت ہونے پر
 مجھے ادا کی جائیں“

سبزی فروش بلایا گیا، اُس نے بھی رقاہہ کے بیان کی تائید کی اور اڑھائی سواشر فیاں
 لاکر حضرت کے روبرو رکھ دیں۔ شیخ نجم الدین صغریٰ کو یہ وہم و گماں بھی نہ تھا کہ اس کے
 مکر و فریب کا بھانڈا اس طرح چورا ہے میں پھوٹے گا۔ وہ شدتِ غم سے چکرا کر گر پڑا۔
 سلطان شمس الدین نے برہم ہو کر حکم دیا کہ شیخ نجم الدین کی گردن اڑادی جائے اور
 خواجہ قطب الدین بختیار کو شیخ الاسلامی کے منصب پر فائز کیا جائے۔
 شیخ الاسلام نے فرمایا کہ نجم الدین اپنے کئے کی سزا خود پائے گا۔ آپ اس سے
 درگزر فرمائیں۔

۱۔ (خلاصۃ العارفین بحفظ مولانا ضیاء الدین ملتانی، ص ۳۲ (ب) سیر العارفین جلد ۲ ص ۳۱ تا ۳ (ج) فوائد السالکین ص ۲۴)

۲۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد شیخ نجم الدین نے بعارضہ درد شکم انتقال کیا۔ اللہ والوں کا اخلاق ملاحظہ ہو

کہ اس وقت سید جلال الدین بدایون میں تھے۔ جب انہیں اس امر کا کشف ہوا، تو انہوں نے مریدوں

سمیت شیخ نجم الدین کا غائبانہ جنازہ پڑھا۔

خواجہ قطب الدین نے شیخ الاسلامی کے بارے میں ایک رات کی مہلت مانگی اور فرمایا :
 ” اے یاران ! میرا مشورہ یہ ہے کہ آج رات استخارہ کیجئے۔ حضرت رسول خدا صلی
 اللہ علیہ وسلم جس کے نام حکم دیں، اُسے شیخ الاسلام کا منصب دیا جائے۔“
 رات کو تمام مشائخ نے استخارہ کیا۔ اُدھی رات تھی کہ سب نے خواب میں دیکھا کہ وہ
 عرش کے نیچے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہیں۔ ان سب کی
 موجودگی میں حضرت نے شیخ الاسلام کو بلا کر اپنے ہاتھوں سے خلعت پہنائی اور فرمایا :
 ” شیخ الاسلامی مبارک !“

صبح کو تمام مشائخ پھر کھٹے ہوئے اور انہوں نے حضرت شیخ الاسلام کو بارگاہ نبوت
 سے شیخ الاسلامی کی خلعت پانے پر تہنیت پیش کی۔ سلطان خود بھی خواب میں یہ نظارہ
 دیکھ چکا تھا۔ اُس نے حضرت سے درخواست کی کہ وہ اس منصب کو قبول فرمائیں۔ حضرت
 نے مسکرا کر رضامندی کا اظہار کر دیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر حضرت شیخ الاسلام اور شیخ جلال الدین
 بربری نے ایک روز جہان کے کنارے قیام فرمایا۔

۱۰ مولانا جمالی سیر العارفین میں لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلامی کا منصب شیخ الاسلام کے زمانے سے اب تک
 آپ کے خاندان میں چلا آتا ہے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں :

” وزیر آنگاہ تالی یومنا شیخ الاسلامی در خاندان کرام و دوودمان عظام ایشان است“
 مولانا جمالی شہنشاہ ہمایوں کے معاصرتھے اور اُن کے زمانے میں شیخ صدر الدین شہر اللہ صاحب
 سجاوہ تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس خاندان کے آخری بزرگ تھے، جنہیں ہندوستان کی شیخ الاسلامی
 کا منصب حاصل تھا۔

مولانا جمالی یہ بھی لکھتے ہیں کہ دہلی شہر میں شیخ صدر الدین شہر اللہ سے بڑا ارتباط اور میل جول رہا تھا۔
 ممکن ہے شیخ کا یہ قیام شیخ الاسلامی سے متعلق ہو۔ لکھتے ہیں :
 ” میان این حقیر و حضرت ایشان در شہر دہلی اتحادے و محبتے کامل بود“

دوسرے دن شیخ الاسلام ملتان کو روانہ ہوئے اور سید جلال تبریزی دہلی سے بدایون تشریف لے گئے۔ اس کے بعد سید جلال تبریزی اور شیخ الاسلام قدس سرہم کی ملاقات نہیں ہوئی۔ سید جلال تبریزی کا مزار نور بار دیوبند (بنگالہ) میں ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام کے چند اور احباب

سید نور الدین مبارک غزنوی | حضرت شیخ الاسلام کے زمانے میں ان کے جو پیر بھائی بغداد سے ہندوستان آئے، ان میں ایک سید نور الدین مبارک غزنوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان کا دہلی میں بڑا اثر تھا۔ جس وقت امساک باران کی شکایت ہوتی۔ لوگ ان سے دعا منگواتے۔ اسی وقت بارش برسنے لگتی تھی۔ سلطان شمس الدین ان کے بڑے معتقد تھے۔ ۶۴۶ھ میں وفات پائی مزار نور بار دہلی میں ہے۔

قاضی حمید الدین ناگوری | یہ بھی شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے۔ جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکلی بغداد میں آئے، تو ان سے گہرے روابط و مراسم قائم ہو گئے جو زندگی کے آخری دور تک استوار رہے۔ بغداد سے مدینہ منورہ آئے۔ ایک برس دو ماہ سات دن یہاں مقیم رہے۔ پھر بزمانہ سلطان التمش دہلی پہنچے اور خواجہ بختیار کاکلی کے ہاں قیام کیا۔ رمضان ۶۴۶ھ میں تراویح کے بعد تڑپڑھ رہے تھے جب سجدہ میں گئے، روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔

مولانا جمالی نے قاضی صاحب کو علم و وقار کا کوہ قاف، بحر اسرار کا لچہ، سالکین کا پیشوا اور ثانی ابوسفیان ثوری کہا ہے۔

مولانا عبدالحق صاحب محدث اخبار الاحیاء میں لکھتے ہیں۔

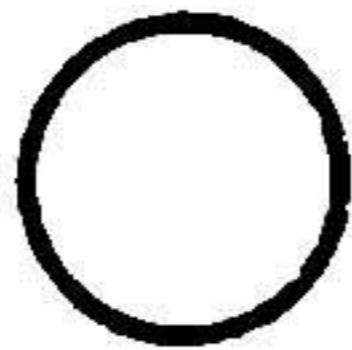
” او جامع بود میان علوم شریعت و طریقت و حقیقت “
 سفینۃ الاولیاء کے صفحہ ۱۶۰ پر آپ کو یہ زیادہ کس دیئے گئے ہیں۔
 ” در تجرید و تفرید یگانہ عمر و از متقدمان مشائخ ہند و جامع میان علوم ظاہری و
 باطنی و صاحب کرامات و مقامات عالیہ بود “
 طالع شمس، لوائج اور راحت اللادواح آپ کی ممتازہ تصانیف ہیں۔

یہ بزرگ بھی حضرت شیخ الشیوخ کے مرید اور
 خلیفہ تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی ان کا

شیخ ضیاء الدین رومی قدس سرہ

مرید تھا اور بڑا اعتقاد رکھتا تھا۔ اُس کی وفات پر اُس کا بیٹا سلطان قطب الدین مبارک
 شاہ ان کا مرید ہوا۔ صاحب تذکرہ چشتیہ نے آپ کا سال وفات ۷۲۱ھ لکھا ہے۔
 حضرت کی عمر ۱۳۵ سال بیان کی جاتی ہے۔ گویا شیخ الشیوخ کے بعد ۹۱ سال زندہ رہے۔

محبوب الہی نظام الدین اولیاء سے سلطان قطب الدین مبارک شاہ کو سخت پر خاش تھی۔
 حضرت نے شیخ ضیاء الدین رومی کو کہلا بھیجا کہ وہ اپنے مرید کو سمجھائیں کہ درویشوں کو آزار پہنچانا
 کسی مذہب میں جائز نہیں۔ مگر اس پیغام کے پہنچنے سے پہلے شیخ کا انتقال ہو گیا اور ان
 کی خالقاہ میں بادشاہ اور اس کے تمام اکابر امراء فاتحہ خوانی کے لیے جمع ہوئے۔ محبوب الہی
 نے بھی اس مجلس میں شرکت فرمائی۔ مقبرہ حضرت کا دہلی میں ہے۔ مدتوں حضرت کا عرس
 ہوتا رہا۔ آج کی کیفیت معلوم نہیں۔ رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔





صوفیائے کرام کی سیر و سیاحت بے مقصد نہیں ہوتی۔ ابتداء میں وہ حقائق و معارف کی تلاش اور فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے گھر سے نکلتے تھے۔ لیکن جب وہ علم و عرفان کی نعمت سے مالا مال ہو جاتے تھے تو پھر ان کی سیاحت کا مقصد خلقِ خدا کو اسی دولت سے بہرہ مند کرنا ہوتا تھا۔ حضرت سید اشرف جہانگیر رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محدث دہلوی بھی اسی نظریے کی تائید کرتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلامؒ تنہا سفر پر بہت کم روانہ ہوئے ہیں۔ شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے ساتھ زیادہ وقت گٹا ہے۔ یا پھر چار یا دوں نے مل کر کشمیر سے ساحل سمندر تک دورے کئے ہیں۔ ہم مخدوم لعل شہبازؒ کے حالات میں ”تحفۃ الکرام“ کے حوالے سے ثابت کر چکے ہیں کہ چار یا دوں سے حضرت شیخ الاسلامؒ اور ان کے رفقاء بابا فریدؒ، لال شہباز اور سید جلال بخاری مراد ہیں (رحمہم اللہ علیہم اجمعین)۔

”ہنج پیر“ کی اصطلاح زیادہ تر پنجابی داستان گوؤں نے اپنے قصوں میں اپنائی ہے۔ ممکن ہے سندھی شاعری میں بھی ان کا ذکر موجود ہو۔ معلوم ہوتا ہے سلطان حمید الدین حاکم کے اُٹنے سے یہی چاروں دوست ہنج پیر کہلانے لگے ہوں گے۔ ان کا گرامائی سفر کشمیر اور صوبہ سرحد کی طرف ہوتا تھا کبھی کبھی بلخ اور بخارا کی طرف بھی چلے جاتے تھے۔ موسم بہار کوہ سلیمان کے دامن میں اور ساون بھادوں سندھ کی غاروں میں بسر کرتے تھے۔

۱۔ لطائف اشرفی جلد ۱ ص ۵۵۔

۲۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی صاحب اخبار الاخبار، مطبع مجتہباتی پریس ۱۳۳۲ھ ص ۲۶ تا ۲۸۔

سہوان کے قریب چشمہ واہتی کراچی کے پاس سمندر کے کنارے منگھا پیر اور سکھر کے مضافات میں وہ نشست گا ہیں اب تک منہ کھولے حضرت شیخ الاسلامؒ اور ان کے یاران بے ریا کی راہ تک رہی ہیں۔

”سفر“ اب بھی سقر خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن آج سے سات سو برس پیشتر جبکہ آمدورفت کے ذرائع عصر حاضر کی طرح سہل نہ تھے۔ دریاؤں اور ندی نالوں پر یلوں کا انتظام نہ تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ طوائف الملوکی کا زمانہ تھا۔ چنگیز خاں اور ہلاکو نے ایران اور عراق و عرب کے مسلمانوں کو مٹا کر رکھ دیا تھا۔ بغداد کے لاکھوں باشندے اس طرح تلوار کے گھاٹ اُتارے گئے کہ کوئی ان پر آنسو بہانے والا نہیں تھا۔ خلیفہ المستعصم کو ہاتھی سے کچل دیا گیا۔ اس کی نازک اندام بہو بیٹیوں کو برسرِ عام بے عزت کیا گیا۔ تاج البلاد بغداد جس کے گلی کوچوں سے آٹھوں پر مشک اور عنبر کی لپٹیں اٹھا کرتی تھیں، انسانی لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ کئی دنوں تک چیل، گدھ اور گتے جھوڑے جھوڑ کر ان لاشوں کو کھاتے رہے اور آخر کو بعض اس قدر بڑھا کہ گتے بھی شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔

یہ اسلامی عظمت و جلال کے مرکز کی حالت تھی۔ مضافات کی صورت حال تو اس سے بھی بدتر تھی۔ آل چنگیز کو جہاں کہیں سے مسلمانوں کی بو پہنچی، تو سخوار بھیریوں کی طرح پڑھ دوڑی۔ اس تاخت سے نہ خوارزم بچا، نہ ایران، نہ عراق بچا نہ ہندوستان۔ ہر طرف انہوں نے کئی حملے کئے اور ہر حملے میں ہزاروں مسلمانوں کا خون بہا کر لوٹے۔

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ فوج کے ایک دستہ کو جلو میں لیے ملک ملک کی خاک چھانتا پھرتا تھا۔ سندھ کا سرکش تاجدار ناصر الدین قباچہ، سلطان شمس الدین التمش سے ٹکرانے کے لیے پر تول رہا تھا۔ ہر جگہ پکڑ دھکڑ کا بازار گرم تھا۔ ہر شخص پر جاسوسی کا شبہ ہو سکتا تھا۔ ایسے حالات میں جبکہ روڑے کنکر کو امان تک نہ تھی۔ سیر و سیاحت کا خیال کس کو آسکتا تھا۔ لیکن شیخ الاسلامؒ اور ان کے یاران طریقت نے ایسے دور میں کشمیر سے سراندیپ اور دہلی سے بلخ و بخارا تک کے سفر کئے اور ہزاروں گم گشتگانِ بادیہ ضلالت کو صراطِ مستقیم پر چلایا۔ اس سے ہم یہ یقین کرنے

پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اولیاء اللہ خدا کے حکم کے تابع تھے۔ ان کا چلنا پھرنا اور اٹھنا بیٹھنا سب رفائے الہی کے لیے تھا۔ اب ہم ناظرین کرام کے سامنے حضرت کی سیاحت کے چند مناظر پیش کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام بغداد میں | شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ یہ دُعا گو اور شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا مشائخ بغداد کے حلقہ میں بیٹھے تھے۔ اولیاء اللہ کی کرامات کا ذکر ہو رہا تھا۔ ایک صاحب بول اُٹھے کہ اولیاء اللہ میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ جب چاہیں کسی مکان کو مرصع اور مذہب بنا دیں۔ اگر اس مجلس میں کوئی صاحب کمال موجود ہے تو اس مسجد پر توجہ کرے۔ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا نے مراقبہ میں سر جھکایا۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا:

”یاران! ذرا مسجد پر نظر کیجئے“

لوگوں نے بیک وقت نظر اٹھا کر مسجد کو دیکھا۔ اُس کی تمام اینٹیں اور لکڑیاں سونے کی نظر آ رہی تھیں اور تمام مسجد مرصع و مذہب بن چکی تھی۔ تمام جماعت کھڑی ہو گئی اور انہوں نے اقرار کیا کہ بے شک مردانِ خدا میں ایسی ہی کمالیت ہوتی ہے۔

ایک باکمال قلندر | شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلام نے اثنائے سفر میں ایک مسجد میں قیام کیا۔ پاس ہی دلق پوش قلندروں کی ایک جماعت اُتری ہوئی تھی۔ انہوں نے سید جمال مجرد ساؤجی کا بانا پہن رکھا تھا۔ رات کو جب حضرت مراقبہ سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر نکلے اور قلندروں پر نظر کی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک قلندر کی پیشانی سے نور چمک رہا ہے۔ حضرت کو تعجب ہوا کہ اس لباس اور صورت کو تجلیاتِ نور سے کیا مناسبت ہو سکتی ہے؟ اس قلندر کے پاس تشریف لے جا کر آہستگی سے پوچھا:

۱۔ شیخ نصیر الدین خیر الباس میں لکھتے ہیں کہ سید جمال الدین ساؤجی مہر کے مفتی تھے اور اتنے بڑے علامہ (باقی صفحہ ۱۹۲ پر)

» اے مردِ خدا! تو اس گروہ میں کیا کرتا ہے؟

اس نے جواب دیا: اے زکریا! تاکہ تجھے معلوم ہو کہ ہر قوم میں خدا کا ایک خاص بندہ ہوتا ہے جس کے طفیل اس قوم کے عوام بخش دیئے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام نے جو ہر لطیف پاکر اس کی اصلاح کا ارادہ فرمایا۔ یہ قلندر موصل کے بہت بڑے عالم اور مجذوب تھے۔ سید عبدالقدوس نام تھا اور سید جمال مجرد کی قبر پر انہوں نے قلندری بنا پین لیا تھا۔ حضرت شیخ نے قوتِ باطنی سے اُسے لباسِ قلندری سے نکال کر عالم جذبہ سے عالم سلوک کی طرف پہنچا دیا۔ جب عبدالقدوس نے دل کی کائنات میں یہ تبدیلی محسوس کی تو انہوں نے فوراً قلندرانہ لباس اتار پھینکا اور حضرت کے قدموں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۱ سے) تھے کہ جس مسئلہ میں کوئی مشکل پیش آتی، آپ بغیر کتاب دیکھے حل کر دیتے تھے۔ اس لیے اہل مصر انہیں کتب خانہ رواں کہتے تھے۔ آپ کے حسن و جمال کا یہ عالم تھا کہ یوسف ثانی کہلاتے تھے۔ سو اتفاق سے مصر کی ایک امیرزادی اُن پر عاشق ہو گئی۔ آپ نے اس سے ہر چیز بیچا چھوڑنے کی کوشش کی مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخر تنگ آکر ایک دن آدمی رات کو مصر سے بھاگ نکلے۔ یہاں سے سات آٹھ منزلوں کے فاصلے پر دمیاط کا مقام پڑتا تھا۔ جو یوسف علیہ السلام کے زمانے سے ویران چلا آتا تھا۔ وہاں پہنچ کر کھجورستان میں قیام کیا۔ مصری خاتون کو اُن کے فرار کا پتہ چلا تو وہ بھی بیابان ہو کر تعاقب میں روانہ ہوئی۔ سید جمال یہ خبر سن کر بڑے گھبرائے۔ بارگاہِ الہی میں اپنے زوالِ حسن کی استدعا کی۔ دعا قبول ہوئی۔ فوراً ریش و برت اور ابرو کا صفایا ہو گیا۔ مصری خاتون نے جب یہ کیفیت دیکھی تو روگردان ہو کر واپس لوٹ گئی۔ سید جمال پر اس تبدیلی کے وقت پہلے تو کئی دن بے ہوشی طاری رہی۔ لیکن پھر کچھ ہوش میں حیرت زدوں کی طرح بیٹھ گئے اور نماز روزہ وغیرہ سب کچھ چھوٹ گیا۔ اڑتی اڑتی یہ خبر مصر جا پہنچی۔ ملک العلماء سخت برہم ہوئے اور علماء کا ایک جماعت ساتھ کر کے دمیاط پہنچے ان پر الحاد اور رفق کا الزام لگا کر قلعی گرم کر کے ان کے حلق میں ڈلوائی۔ لیکن جیب انہیں کچھ ہزر نہ پہنچا تو سب معتقد ہو گئے۔ سید جمال کی باقی زندگی اسی مقام میں بسر ہوئی۔ ان کے انتقال پر جو بھی حضرت کا جانشین مقرر ہوا اس نے ریش و برت کا صفایا کر کے قلندرانہ لباس پہن لیا۔ آہستہ آہستہ اُن کے دوسرے معتقدوں نے بھی یہ ہیئت کذافی اختیار کر لی۔ چنانچہ آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

(فریدی)

میں گمہ گئے۔ آپ نے انہیں فرقہ خاص سے مشرف کیا اور کئی دن اپنی صحبت میں رکھ کر درجہ کمال تک پہنچا دیا۔ ہزاروں فاسق و بدکار آپ کے فیضان سے سبیل الرشاد پر فائز المرام ہوئے۔ مقبرہ آپ کا قصبہ ناین میں ہے جو یزد اور موصل کے درمیان واقع ہے۔
(رحمۃ اللہ علیہ)

عذابِ قبر سے نجات

شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ شیخ بہاء الدین زکریا نے بڑی سیاحت فرمائی تھی۔ اس فقیر نے تیرہ سو اسی مشائخ کبار کی زیارت کی ہے۔ لیکن شیخ الاسلام ملتانی نے مجھ سے بھی زیادہ مشائخ دیکھے تھے۔ ایک مرتبہ اُن کا گزرا ایسے شہر سے ہوا جہاں ایک بڑی غار تھی۔ جب کوئی شخص فوت ہوتا، تو اُس کی لاش کو اس غار میں چھوڑ آتے تھے اور ساتھ ہی ایک زندہ آدمی وہاں بٹھا آتے تاکہ دیکھ سکے کہ مُردے پر کیا گزرتی ہے؟ ایک دن ایک شخص فوت ہو گیا۔ جب اُس کی لاش کو غار کے دہانے پر لے گئے تو شیخ الاسلام بہاء الدین ملتانی نے درخواست کی کہ آج مجھے یہاں چھوڑ جاؤ۔ چنانچہ وہ حضرت کو مُردے کے ہمراہ غار میں بند کر کے چلے آئے۔

جب کچھ رات گزری تو عذاب کے فرشتے مُردے کو عذاب دینے کے لیے آ پہنچے۔ لاش حرکت میں آئی اور مُردہ اٹھ کر حضرت کے قدموں میں اُپڑا۔ اسی وقت ایک غیبی آواز سُنی گئی:

”اُسے چھوڑ دو! ہم نہیں چاہتے کہ اس شخص کو عذاب کریں جو شیخ الاسلام بہاء الدین والدین ابو محمد زکریا کی حمایت میں اُچھا ہو۔“

فرشتے اسی وقت واپس لوٹ گئے۔ فرماتے ہیں کہ یہ ندا غار کے اُس پاس رہنے والوں نے بھی سُنی۔ شہر بھر میں اس کا چرچا ہونے لگا۔ لوگ حضرت کی زیارت کو دوڑے مگر شیخ الاسلام غار سے نکل کر کسی نامعلوم سمت کو چل دیئے۔

شیخ الاسلام بخارا میں

ایک روز شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا علماء بخارا سے گفتگو میں مصروف تھے۔ ولایت کے بارے میں بحث ہو رہی تھی۔ معاملہ

بہت سے لوگ تھے جو اس وقت تک کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ آئے تھے۔
انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس وقت تک کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ آئے تھے۔
انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس وقت تک کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ آئے تھے۔
انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس وقت تک کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ آئے تھے۔
انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس وقت تک کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ آئے تھے۔
انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس وقت تک کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ آئے تھے۔
انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس وقت تک کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ آئے تھے۔
انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس وقت تک کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ آئے تھے۔

انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس وقت تک کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ آئے تھے۔

انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس وقت تک کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ آئے تھے۔
انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس وقت تک کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ آئے تھے۔
انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس وقت تک کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ آئے تھے۔

انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس وقت تک کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ آئے تھے۔

حضرت محبوب الہی فرماتے ہیں کہ جب یہ اللہ تعالیٰ سے فرماتا ہے
کہ میں اپنے لیے وہاں پیدا ہوں گا ایک گروہ غار میں آباد تھا۔
انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس وقت تک کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ آئے تھے۔
انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس وقت تک کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ آئے تھے۔
انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس وقت تک کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ آئے تھے۔
انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس وقت تک کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ آئے تھے۔
انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس وقت تک کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ آئے تھے۔
انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس وقت تک کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ آئے تھے۔

انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس وقت تک کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ آئے تھے۔

عرض کی۔ حضرت کی دعا چاہتے ہیں تاکہ اللہ جل شانہ و تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے یہ مرض دور کر دے۔ حضرت شیخ الاسلام نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ ندا آئی۔

» اے بہاء الدین! یہ گروہ زہیرِ عتاب ہے۔ ان کا معاملہ پیش نہ کر۔«

حضرت کی ذات میں کرم اور رحم کا مادہ زیادہ تھا۔ مولا کی جناب میں دوبارہ گڑ گڑا کر عرض کی :

» اے ارحم الراحمین! اگر تیری ذات ان پر رحم نہیں کرے گی تو یہ اور کس دروازے پر جائیں گے۔«

رحمت الہی جوش میں آئی اور حضرت کی درخواست منظور ہو گئی۔ وہاں ایک حوض پانی سے بھرا ہوا موجود تھا۔ آپ نے حذامیوں کو اس میں غسل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ طرفۃ العین میں سب کے سب شفا یاب ہو گئے۔

شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ شیخ الاسلام حضرت **سمراندیپ کا سفر** بہاء الدین زکریا سمراندیپ کی طرف تشریف لے گئے۔ سال بھر

ایک پہاڑ پر قیام رہا۔ ایک دن ایک بوڑھا آدمی لکڑیوں کا پستارہ اٹھائے پاس سے گزرا۔ یہ ایک غریب الحال اور عیالدار شخص تھا۔ گھر میں جو ان لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ اس قدر رقم پاس نہ تھی کہ رخصتی کے فرائض سے سبکدوش ہو سکتا۔ اس پر شیخ کی نظر جا پڑی۔

پاس بلا کر لکڑیوں کے پستارے پر ہاتھ پھیرا، وہ لکڑیاں سونا بن گئیں۔ فرمایا :

» مجھے تمہاری خاطر یہاں بٹھایا گیا تھا، تاکہ تمہارا کام انجام دوں۔«

یہ کہہ کر حضور وہاں سے چل پڑے۔

حضرت شیخ اپنے نہ مانہ کے شیخ الاسلام تھے۔ اس منصب **آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند** کے سلسلے میں حضرت نے کئی بار دہلی کا سفر کیا ہوگا، مگر

کسی تذکرہ میں دہلی کی مصروفیات کا مفصل حال درج نہیں۔ چند ایک واقعات جو مل سکے

ہیں، ہدیہ ناظرین کرام ہیں۔

شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر فرماتے ہیں کہ سلطان شمس الدین التمش کے دربار میں ایک مرتبہ چند علماء اور مشائخ جمع تھے۔ انہوں نے متفقہ طور پر شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا سے سوال کیا کہ آدمی کی نظر کیمیا کیسے ہو سکتی ہے؟

شیخ الاسلام نے اپنے تھیلے سے سونے کا ٹکڑا نکال کر میرے حوالے کیا اور فرمایا بازار سے ایک مجھول مطلق کا فرغلام خرید لائیے۔ چنانچہ میں بازار گیا اور مجھے جو شکل و صورت میں مکروہ اور عقل کا غبی نظر آیا، خرید کر آپ کی خدمت میں لے آیا۔

حضرت شیخ الاسلام نے اسے اپنے سامنے بٹھا کر کلمہ توحید پیش کیا۔ غلام نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

شیخ نے اس کی پشت پر تھپکی لگائی اور فرمایا:

”حضرات علماء تجھ سے جس علم کی بابت سوال کریں، جواب دے اور تو بھی ان پر سوال کر کہ تجھے میں نے اپنی طرف سے مناظر مقرر کیا ہے۔“

کٹہ غلام سیدھا ہو بیٹھا۔ علماء نے اس پر سوالات کرنے شروع کئے۔ کٹہ ہر سوال کا شافی جواب دینے لگا۔ یہاں تک کہ علماء اور مشائخ از خود چیپ ہو گئے۔ اس کے بعد اس غلام نے علماء پر ایک سوال کیا۔ وہ جواب نہ دے سکے۔ انجام کار انہوں نے اس کٹہ سے کہا کہ آپ ہی اس سوال کا جواب ارشاد کریں۔ کٹہ نے بحیثیت استاد کے ان سب کو اس کا جواب ذہن نشین کر لیا۔

شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا نے فرمایا کہ آدمی کی نظر اس طرح کیمیا کا اثر دکھاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ غلام اس طرح کئی سالوں تک دہلی میں درس دیتا رہا۔ بڑے بڑے علماء اس کے آگے آکر گھٹنے ٹیکتے تھے۔ کسی کو اس کے سوالوں کے جوابات دینے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔

شیخ الاسلام اور قطب الدین نجیب راکگی محفل سماع میں | محبوب الہی نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام، حضرت

ذاجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسی وقت مجلس سماع ترتیب دی گئی۔ دونوں بزرگوار وجد میں آئے۔ کہتے ہیں کہ آٹھ پہر تک رقص میں مصروف رہے۔ کسی کو اپنے بدن کا ہوش تک نہ تھا۔ یہی ایک مصرعہ در زبان تھا۔

حاجی بسوئے کعبہ رو دمن بسوئے دوست

حضرت محبوب الہی فرماتے ہیں کہ یہ ان اولیاء اللہ کی آخری ملاقات تھی۔ پھر ایک دوسرے سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

محبوب الہی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلامؒ نے سفر کے دوران میں ایک امام کے پیچھے نماز ادا کی اور سلام کے بعد امام کو ایک گوشہ

میں لے جا کر فرمایا،

» امام صاحب یہ کسی نماز ہے کہ کچھ عرصہ آپ ہرن کے پیچھے بھاگتے رہے، کچھ دیر آپ نے کھیتوں کی دیکھ بھال کی۔ کچھ عرصہ آپ مہمان کے پاس رہے۔ کچھ وقت گھر میں گزارا۔ یہ موحّدوں کی نماز نہیں، بلکہ بچوں کا کھیل ہے۔ اس کے بعد حضرت نے یہ اشعار پڑھے۔

تن درون نماز و دل بیرون کشتمے کنی ز نادانی

اسی چنین حالت پریشاں را شرم ناید نمازے خوانی

شیخ الاسلامؒ کے متول پر شیخ حمید الدین کا طنز یہ بھی وہی ہی کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ جبکہ شیخ الاسلامؒ فقرا کے جگھٹ میں بیٹھے تھے۔ شیخ حمید الدین نے سوال کیا: حضرت کیا وجہ ہے کہ جہاں خزانہ ہوتا ہے، وہاں

لہ اہل طریقت کے نزدیک جب تک توبہ کامل نہ ہو، نماز نہیں ہوتی۔ لاصلوٰۃ ثم الا بحضور القلب شاید علامہ محمد اقبالؒ نے اسی خیال کے پیش نظر فرمایا ہے۔

تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر

مکملہ سیر العارفین، قلمی، ج ۱، ص ۲۶

سانپ بھی ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے ”گنچ بامار باشد و گل با خار“ حالانکہ سانپ اور دولت میں نہ صوری نسبت ہے نہ معنوی۔

فرمایا:

”بے شک سانپ اور مال میں صوری نسبت نہیں ہے، لیکن معنوی نسبت ضرور ہے۔ کیونکہ سانپ زہر کے باعث مہلک ہے اور مال بھی آدمیوں کو ہلاکت میں ڈالتا ہے“

شیخ حمید الدین نے اچھل کر فرمایا:

”یعنی مال بھی سانپ کا حکم دکھاتا ہے اور جس شخص نے مال و دولت جمع کر رکھی ہے، گویا اس نے سانپ پال رکھا ہے“

شیخ حمید الدین کا یہ طنز حضرت شیخ الاسلام پر تھا۔ کیونکہ آپ اسلامی دنیا کے بہت بڑے امیر بھی تھے۔ وہ درویش جو خشک زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ حضرت کے قول کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ سمجھ رہے تھے کہ اس گفتگو سے متکلم کا منشاء کیا ہے۔ اس لیے فرمایا:

”مال اگرچہ مارا راست، اما کسے کہ افسوں مارا دانستہ باشد۔ مارا اولہ ازیاں نئے کند“

یعنی جس شخص کو سانپ کا افسوں آتا ہو، اسے اس سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔

شیخ حمید الدین نے برہنہ جواب دیا:

”آخر ایسے پلید اور زہر دار کیڑے کے پالنے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ آدمی جھاڑ پھونک کا محتاج ہوتا پھرے“

چونکہ حضرت شیخ کے مرشد طریقت بھی اپنے عہد کے امیر کہیے تھے، اس لیے یہ جملہ اُن کی ذات پر بھی اثر انداز ہوتا تھا۔ بنا بریں حضرت نے فوراً مراقبہ کیا۔ حضرت شیخ الشیوخ کی روح پُرفتوح نے فرمایا:

”اے بہاء الدین! حمید الدین سے کہہ دیجئے کہ آپ کی درویشی اس قدر حسن و جمال نہیں رکھتی کہ اُسے نظر بد کا احتمال ہو، لیکن ہماری درویشی کو وہ جمال و کمال حاصل ہے کہ اگر اس کے چہرے پر سیاہی کا تہک نہ لگائیں تو نظر لگ جانا لازمی ہے“

حضرت شیخ الاسلام ابو دھون (پاک پٹن) کئی بار آئے گئے ہوں گے
اور خدا معلوم شیخ العالم گنج شکر اور حضرت شیخ

کے درمیان کتنی پُر لطف محبتیں ہوئی ہوں گی۔ لیکن چونکہ قرآن السعدین کی حالت میں
دوسروں کو شریکِ محفل ہونے کی برأت نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے سیرت کی کتابیں ان محبتوں کی
تفصیلات پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء نے مولانا جمال الدین ہانسوی کے ابتداء
کا دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔ ہم اسے علیٰ حالہ یہاں درج کرتے ہیں۔

مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں کہ شیخ جمال الدین ہانسوی، گنج شکر کے خلیفہ اعظم
تھے اور حضرت انہیں تمام خلفاء سے زیادہ عزیز جانتے تھے۔ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا
جب ابو دھون تشریف لے جاتے تو شیخ جمال ہانسوی ہی آپ کے آرام و آسائش کا انتظام
کرتے۔ شیخ الاسلام کو مولانا جمال کی ارادتمندانہ خدمت گزاری اور شرافت نفسی بڑی پسند
تھی۔ ایک دفعہ گنج شکر سے فرمایا:

”فرید بھائی! جمال ہانسوی مجھے دے دیجئے، اسے میں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں“
حضرت گنج شکر نے فرمایا:

”جمال الدین جمال ماست و کسے جمال خویش بدگیرے نمی دہد“

جب شیخ الاسلام، حضرت گنج شکر کی طرف سے ناامید ہوئے تو آپ نے جمال الدین پر
جذب باطن کی کند ڈالی۔ جس پر وہ بے اختیار آپ کی طرف کھنچے چلے آئے۔ اور حضرت
گنج شکر سے شیخ الاسلام زکریا کے ساتھ ملنا جانے کی اجازت چاہی۔ ایک دو مرتبہ
تو حضرت نے طال دیا۔ لیکن جب اس نے مکررہ کمر اصرار کیا تو جبین اقدس پر شکن آگئی۔
برہم ہو کر فرمایا:

”جامنہ کالا کر“

فی الفور تمام نعمت سلب ہوگئی اور اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ حضرت گنج شکر علیہ الرحمۃ
نے انہیں خانقاہ سے نکال دیا اور فرمایا کہ اگر کسی نے اس کی سفارش کی، تو اس کا بھی
یہی حشر ہوگا۔

شیخ الاسلامؒ تو کبھی کے ملتان جا چکے تھے۔ بچار اجمال دوسیا ہی اور تباہ دلی کے ساتھ خانقاہ سے نکلا۔ اس حالت میں کہ تن بدن کا اُسے ہوشش تک نہ تھا۔ مجنوں وار ننگے سر اور ننگے پاؤں بیابان میں پھرتا تھا۔ ایک سال اسی لیل و نہار میں گزر گیا۔ جب شیخ الاسلامؒ کو کشف کے ذریعے اس صورتِ حال کا علم ہوا تو آپ کو جمال پر بڑا ترس آیا کہ ناحق میری وجہ سے اُسے یہ دن دیکھنا پڑا۔ عالم نامی ایک سوداگر اجودھن کو جا رہا تھا۔ آپ نے اُسے بلایا کہ صحرا میں تجھے ایک خراب حال درویش ملے گا۔ جب اجودھن میں برادر م فرید الدین کے ہاں پہنچا تو اس کا ذکر ضرور کرنا۔ چنانچہ عالم اجودھن کو روانہ ہوا۔ راستے میں ایک بے آب و گیاہ صحرا کے اندر ایک تباہ حال انسان نظر آیا۔ قریب جا کر دیکھا تو حیرت سے اُس کی چیخ نکل گئی۔ وہ شیخ جمال الدین تھا۔ حضرت فرید الدین مسعودؒ کا محبوب مرید، عالم نے کئی بار اُس کے عروج و اقبال کے دن دیکھے تھے۔ بچارے کا حسن و جمال خاک میں مل چکا تھا۔ آنکھوں سے خون کے دھارے بہ رہے تھے۔ سوداگر کو اس کی حالتِ ناز پر بڑا رحم آیا اور وعدہ کیا کہ اجودھن پہنچ کر حضرت گنج شکر علیہ الرحمۃ کی خدمت میں تیری سفارش کروں گا۔

جب عالم اجودھن پہنچا، حضرت اس وقت وضو کر رہے تھے۔ اُسے بڑی توجہ سے ملے اور سفر کا حال دریافت کیا کہ کہاں کہاں گیا؟ کہاں کہاں رہا؟ اور اب کس شہر سے آ رہا ہے؟

وہ سب حال عرض کرتا رہا اور بولا:

”حضرت، جب ملتان کے صحرا میں داخل ہوا، وہاں میں نے ایک شخص کو ننگے سر اور ننگے پاؤں دیکھا، چہرہ اُس کا سیاہ ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں تھا۔ جب میں اُس کے قریب گیا اور پہچانا تو وہ حضرت جمال الدین ہانسویؒ تھے۔ میں حیران رہ گیا کہ حضرت کے منظورِ نظر اور جلیل القدر خلیفہ کی یہ حالت؟“

حضرت نے سوداگر کی زبان سے یہ واقعہ سن کر حاضرین سے فرمایا کہ شیخ جمالؒ نے بڑی

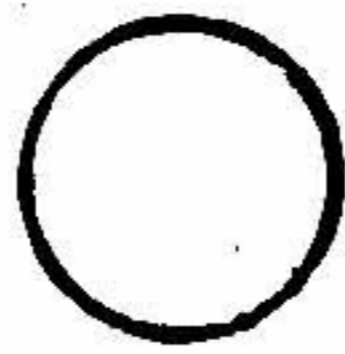
مصیبت برداشت کی ہے۔ برادر م بہاء الدین کی رعایت مطلوب ہے۔ اس لیے اُسے بلا لور۔
سوداگر کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا۔ عالم! تو نے ملتان کا واقعہ بیان نہیں کیا، تو خود
کیا تھا یا برادر م بہاء الدین نے تجھے طلب کیا تھا؟

سوداگر کی آنکھوں سے بے اختیار عقیدت کے آنسو ٹپک پڑے۔ گلوگیر ہو کر بولا:
سبحان اللہ! سب کچھ جانتے ہوئے کیسے بھولے بن رہے ہیں آپ۔ حضور یہ آپ کے راز و
نیاز کی باتیں ہیں۔ ہم کیا جانیں؟ شیخ الاسلام زکریا کی خاطر ہی سہی، جمال پر ضرور رحم
فرمائیے۔ حضرت نے خادم کو حکم دیا، یہ رباعی لکھ کر جمال کو بھیجا دو سے

روگرد جہاں بگرد و پا ابلہ کن گره چومنی یابی، مار ایلہ کن
یک صبح باخلاص بنیا بر درما گره کار تو بر نیاید انگہ گلہ کن

شیخ جمال کا ایک دوست حضرت کا یہ پروانہ لے کر فوراً روانہ ہو گیا۔ دوسرے دن
صبح سویرے جمال حضرت کے قدموں میں پڑا سسک رہا تھا۔

حضرت نے بڑی مہربانی سے جمال کو گلے سے لگایا اور ایک نظر میں جمال سے
قطب الاقطاب شیخ جمال الدین ہانسوی بنا دیا۔





عشق تقصوف کی جان ہے۔ کوئی سالک اس وادی کو طے کئے بغیر منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔ یہ مضمون نہایت ادق اور لطیف ہے اور اسے وہی اچھی طرح بیان کر سکتا ہے جو ”راہ و رسم منزلہا“ سے پوری طرح واقف ہو۔ میر سلیمان مصری قدس سرہ ایک شیخ کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ مکان کی چھت سے گر پڑے۔ احباب اُن کی عیادت کو حاضر ہوئے، خادم نے اطلاع کی۔ فرمایا :

و انہیں کہو کہ تم میں سے جو شخص چھت سے گر چکا ہو، وہ آئے۔ ورنہ چھت سے گرے ہوئے کو تم کیا جانو اور کیا ہمدردی کرو گے؟

ہے باتو غم خود چسپاں بگویم افتادہ نہ ز بام ہرگز
یعنی میں تم سے اپنے دکھ درد کی حالت کیا بیان کروں کہ تم چھت سے گرے ہوئے نہیں ہو۔
یہی صورت حال اب اس نیاز مند کے درپیش ہے کہ بحر عشق تو بڑی چیز ہے۔ اس کے ساحل تک کا شنا سا نہیں اور نہ ہی کوئی اہل درد نظر آتا ہے کہ جس کے آگے یہ قصہ لے بیٹھوں۔

آئے عشاق گئے وعدہ و نذر لے کر
اب ڈھونڈا نہیں چراغ رخ نہ بیالے کر
”ھاؤ“، ”ھو“ کی وہ مجلسیں جن کے دم قدم سے عشق کی دنیا آباد تھی۔ کبھی کی مٹ چکیں۔
وہ قدسی نفوس جن کے پہلو میں دل سیما ب دار بے قرار رہتا تھا، دنیا سے اٹھ گئے۔ ان کے ملفوظ، روزنامے اور تذکرے جن میں عشق الہی کے اسرار و رموز بھرے پڑے تھے، وہ

بھی فرسودہ قرار دے کر ختم کر دیئے گئے۔

تاسخر تو نے نہ چھوڑی وہ بھی اے بادِ صبا

یادگارِ رونقِ محفلِ تھی پروانے کی خاک

حسن پرستی کی جگہ نفس پرستی نے لے لی اور عشقِ بدنام ہو کر رہ گیا۔ غالب مرحوم۔

ایک صدی پیشتر کہا تھا۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی

اب آبروئے شیوہ اہل نظر گئی

ممکن ہے اُن کے زمانے میں ”اہل نظر“ موجود ہوں، مگر اب تو کوئی ”صاحب نظر“

ملتا ہی نہیں۔ ہر طرف بوالہوسی کا ہی دورِ دورہ ہے صرف پروانہ وارفتگانِ عشق کی یادگار

باقی رہ گیا ہے، جو برسات کے دنوں میں بجلی کے ققمقموں کے گرد منڈلا منڈلا کر اور اپنے

جان کی قربانی دے کر بنی نوع انسان کو ایک بھولا بسرا سبق یاد دلاتا ہے۔ بقول حکیم شیراز

اے مرغِ سحر عشقِ نہ پروانہ بیاموز۔ کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

کیا کہوں اور کس سے کہوں، نہ میں اس راز سے آگاہ اور نہ تجھے اس کا مذاق۔

نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا

میں ہلاک جادوئے سامری تو قتلِ شیوہ آذری

لیکن چونکہ ایک بہت بڑے عارف کے ”ارواتِ عشق“ کو سپردِ قلم کرنا ہے، اس لیے

سالکینِ طریقت نے عشق کا جو نقشہ کھینچا ہے۔ اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

صوفیائے کرام نے عشق کو آگ سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ ایک عارف کا قول ہے :

العشق نادرٌ یحرقُ ما سوی اللہ

”عشق آگ ہے جو خدا کے ماسوا سب کو جلا دیتی ہے“

حضرت قطب العالم خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ایک

واصلِ حقِ مناجات میں کہا کرتا تھا :

”اے پروردگار! اگر تو قیامت کے دن مجھے جلائے گا یا دوزخ میں بھیجے گا تو

مجھے تیرے جلال اور عزت کی قسم! کہ دوزخ کے دروازے پر سینے سے ایک ایسی آہ نکالوں گا۔ جس سے دوزخ کی ساری آگ نیست و نابود ہو جائے گی۔“
اس شخص سے پوچھا گیا کہ میاں تو کیا کہہ رہا ہے؟ کیا کہیں دوزخ کی آگ بھی تباہ ہو سکتی ہے؟ فرمایا:

”ہاں! کیوں نہیں۔ اگر آتشِ محبت کے مقابلے میں دوزخ کی سی لاکھوں آگیں جلائی جائیں تو انہیں نابود کرنے کے لیے عاشق کے سینے کی ایک آہ کافی ہے اس لیے کہ محبت کی آگ سے اور کوئی آگ تیز نہیں ہے۔“
حضرت گنج شکرؒ نے فرمایا:

”اے درویش! عاشق کے سینے میں اس قسم کی آگ رکھی گئی ہے کہ اگر اس کا ایک شعلہ باہر نکل پڑے تو عرش سے تختِ شرے تک سب کو جلا کر رکھ دے۔“
شیخ سعدیؒ نے شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کا ایک قول نقل کیا ہے کہ وہ ایک رات کو اپنی مناجات میں رور و کر عرض کر رہے تھے۔
چہ بودے کہ دوزخ ز من پر شدے مگر دیگران ما را ہائی شدے
”اے پروردگار! کیا ہی اچھا ہوتا کہ تو دوزخ کو مجھ سے بھر دیتا، مگر دوسروں کو چھوڑ دیتا۔“

اگرچہ شیخ الشیوخ نے بنی نوع کی خیر خواہی کے لیے یہ آرزو ظاہر کی تھی، لیکن اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مشائخِ آتشِ دوزخ کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ حریقِ المحبت برہان العاشقین، حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے منظوم کلام میں ہر جگہ عشق کو آگ سے نسبت دی ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں۔
عشق نہیں ہے نارِ غضب دی تن من کیتس کو لے!

”یعنی عشق کیا ہے، غضب کی آگ ہے جس نے تن من جلا کر کوئلہ بنا دیا ہے۔“
حضرت محبوب الہی دہلویؒ بالعموم یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔
اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

دستانِ عشق

عشق الہی فنی بھی ہے اور دھبی بھی۔ بعض پیدائشی عاشق ہوتے ہیں اور بعض تزکیہ نفس تصفیہ قلب اور جلائے دُوح کی منزلوں کو طے کرنے کے بعد اس وادی میں قدم رکھتے ہیں۔ اس لیے ہم یہاں ابتدائی مراحل کا مختصر ذکر ضروری سمجھتے ہیں۔

تزکیہ نفس اور اُس کی معرفت | سہر کاہِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

أَعْدَىٰ عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ ۖ تُو

اُس نفس کو اپنا دشمن جان جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان میں ہے۔“

اربابِ طریقت کی اصطلاح میں نفس سے مراد وہ لطیف جادی ہے جو دل سے پیدا ہوتی ہے اور جسے حکماء دُوح حیوانی کہتے ہیں۔ اس سے بُری صفات پیدا ہوتی ہیں۔ اس لیے اللہ کریم نے فرمایا ہے:

إِنَّ النَّفْسَ لَأَقْوَمُ بِالسُّوءِ (یوسف: ۵۳) بیشک نفس بُری باتوں کا حکم دیتا ہے۔“

یہ انسان کے ہر ایک عضو کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ جیسا کہ اخروٹ اور تیل کے ہر ایک جزو میں روغنِ زرد موجود ہوتا ہے۔

”بقا“ کی دو اقسام ہیں۔ ایک وہ جو ہمیشہ باقی رہتی ہے اور باقی رہے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بقا ہے۔ دوسری وہ جو پہلے نہ تھی پھر ظاہر ہوئی اور ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گی۔ یہ ارواحِ ملائکہ اور عالمِ آخرت کی بقا ہے۔ نفسِ انسانی کو دونوں اقسام کی بقا کی چاشنی حاصل ہے۔ بقائے الہی کی چاشنی کا اثر اسے اُوم کی مٹی کو خمیر کرتے وقت حاصل ہوا۔ کیونکہ بیدہی کے اختصا ص سے مشرف ہوتے وقت خمیر کی مٹی اور پانی کو قبولیت بقا کی وہ استعداد نصیب ہوئی تھی جو کسی دوسری مٹی، پانی اور نفوس کو ملیں نہیں ہوتی۔ بقائے ارواح کی چاشنی کا اثر اُسے قالب اور دُوح کے ملنے کے وقت حاصل ہوا۔ ان کے اتصال سے نفس اور دل پیدا ہوئے۔ دل روحانی اور علوی تمام صفات کا حامل

ہے اور نفس میں خاکی اور سفلی تمام صفاتِ مذلیہ موجود ہیں۔ لیکن چونکہ رُوح اور قالب کا جنا ہوا ہے۔ اس لیے اس میں بعض نیک صفات جو روحانیت سے متعلق ہیں اور بقاء جو کہ رُوح کی صفت ہے، موجود ہے۔ اس لحاظ سے نفس انسانی کو نفس حیوانی پر فوق حاصل ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :

تصفیہ قلب

إِنَّ فِي جَسَدِ ابْنِ آدَمَ لَمُضْغَةً إِذَا صَلَّحَتْ صَلَّحَ بِهَا سَائِرُ الْجَسَدِ وَإِنَّا فَسَدَتْ فَسَدَ بِهَا سَائِرُ الْجَسَدِ الْمَادِحِ الْقَلْبُ۔

”ابن آدم کے وجود میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب اُس کی حالت بہتر ہوتی ہے تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اور وہ دل ہے۔“

اب یہ سمجھنا چاہیے کہ دل کیا ہے اور تصفیہ دل کس بات میں ہے۔ اس کی ترتیب کیونکر ہو سکتی ہے اور دل کس طرح اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔

دل صنوبری شکل کا گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو سینے کے نیچے بائیں پہلو پر واقع ہے۔ اور اس ٹکڑے میں روحانی جان ہے، جس کا نتیجہ عقل ہے اور یہ دل عام حیوانات میں نہیں ہوتا، بلکہ خاص انسان ہی کا حصہ ہے۔ دل کو سنورنے اور بگڑنے کی صلاحیت حاصل ہے۔ اس کا سنورنا اس کی صفائی میں ہے اور اس کا بگڑنا اس کی کدورت میں ہے۔ دل کی صفائی جو اس کی سلامتی پر منحصر ہے کہ تمام عالم شہود انہیں پانچ حواس کے ذریعے ادراک کرتا ہے۔ اس طرح دل میں پانچ حسیں ہیں کہ جب وہ سلامت ہوتی ہیں تو اُن سے عالمِ غیب یعنی ملکوتیات اور روحانیات کا ادراک کر سکتا ہے۔ چنانچہ دل کی آنکھیں ہیں، جن سے مشاہداتِ غیبی کو دیکھتا ہے۔ کان ہیں جن سے اہلِ غیب اور حق کلام کو سنتا ہے۔ سونگھنے کی طاقت ہے جن سے غیبی خوشبوؤں کو سونگھتا ہے۔ تالو ہے جس سے ایمان کی حلاوت، محبت کے ذوق اور عرفان کے طعام کو چکھتا ہے۔ دل میں عقل ہے جس سے کل معقولات سے نفع اُمٹاتا ہے۔ جس شخص میں یہ دلی حواس سلامت ہوں اس کو دلی اصلاح کی وجہ سے بدنی بجات حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں آتا ہے:

اللّٰمِّنَ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (الشُّعْرَاءُ: ۸۹) اور جب کہ دل جو اس میں خلل واقع ہوا وہ گویا دوزخ کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ دَرَأْنَا لِيَجْهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لِهَمِّ قُلُوْبٍ لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَّلِهَمِّ
اَعْيُنٍ لَا يَبْصُرُوْنَ بِهَا وَّلِهَمِّ اِذَانٍ لَا يَسْمَعُوْنَ بِهَا۔ (الاعراف: ۱۷۹)

”ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے ایسے بنائے ہیں جن کے دل تو ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔ انکھیں تو ہیں لیکن دیکھتے نہیں اور کان تو ہیں، لیکن سنتے نہیں۔“

صَمٌّ بَلَمَّا عَمِيَ فَهَمٌّ لَا يَعْقِلُوْنَ (البقرة: ۱۸۱) گونگے، بہرے اور اندھے ہیں اور انہیں سمجھنے سے روکتے سمجھتے۔“

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوتا ہے:

قَانَهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَّلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِي فِي الصُّدُوْرِ۔ (الحج: ۴۶)

”وہ ظاہری آنکھوں سے اندھے نہیں بلکہ سینوں کے اندر ان کے دل اندھے ہیں۔“

دل کے معالجے کے بارے میں تمام حاذق حکیم مختلف رائے ہیں۔ ہر ایک نے ایک خاص طرز سے علاج شروع کیا ہے۔ لیکن قانون الہی کے باہر کسی نے قدم نہیں رکھا۔ بعضوں نے اخلاق کو تبدیل کرنے اور سنوارنے کی کوشش کی ہے۔ ہر بڑی صفت کا علاج اس کی ضد سے کیا ہے۔ لہذا اے العلاجُ باضدادِها علاج ان کے اضداد سے کرنا چاہیے۔ جیسا کہ طبیب گرمی کو سرد شربتوں سے دور کرتے ہیں اور سردی کا علاج گرم مٹھونوں سے کیا جاتا ہے۔ لیکن ہمارے مشائخ کرام پہلے تصفیہ قلب کی کوشش کرتے ہیں نہ کہ تبدیلی اخلاق کی۔ کیونکہ جب دل کا تصفیہ حاصل ہو جائے تو وہ فیض حق کے قابل ہو جاتا ہے اور پھر فیض حق کے اثر سے تھوڑی مدت میں نفسیاتی صفات خود بخود اصلاح پذیر ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ عمر بھر کی ریاضتوں اور مجاہدوں سے یہ نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔

راہِ دین کو طے کرنے اور عالم یقین میں پہنچنے کے لیے صاحب ولایت اور

خضر راہ

صاحب تقویٰ و مُرشد کی اشد ضرورت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

السُّنْبَةُ فِي قَوْمِهِ كَالنَّبِيِّ فِي اُمَّتِهِ۔ تبلیغ و ہدایت کی رو سے شیخ کا مرتبہ اپنی قوم میں وہی ہے

جو نبی کا اپنی اُمت میں ہوتا ہے۔ حدیث قدسی میں آیا ہے :

أُولِيَائِي تَحْتَ قَبَائِي لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِي -

”میرے ولی میری قبائ کے نیچے ہیں، جنہیں میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مرتبہ نبوت، درجہ رسالت اور العزیز کی تکمیل کے لیے پہلے دس سال حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت کرنا پڑی۔ پھر کہیں مکالمہ حق کا درجہ حاصل ہوا۔ کلیم اللہ ہونے کی دولت اور کتبنا فی الألواح میں کُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِنَةٌ وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ (الاعراف: ۱۴۵) ہم نے اس کے لیے ہر قسم کی نصیحت اور ہر شے کی تفصیل الواح میں لکھ دی، کی سعادت کے باوجود علم لدنی کی اہمیت سے سیکھنے کے لیے انہیں معلم خضر علیہ السلام سے درخواست کرنا پڑی۔ اس راستے کا نادان مسافر وہ شخص ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ وصال ذوالجلال کے بے کنارہ جنگل کو بغیر کسی راہنما کے طے کر لے گا۔ هَيَّاهَاتَ هَيَّاهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ۔ اس راستے کے خطرات کو وہی خوب جانتے ہیں جنہوں نے شیخ کامل کی راہنمائی میں اس راہ کو طے کیا ہے اور اگر کوئی صاحب ہمت سالک اپنے قدم کی قوت سے اس راہ کو طے کرنا چاہے تو سالہا سال کے عرصے میں وہ ایک مقام کو بھی طے نہ کر سکے گا۔ کیونکہ بتدی کی سیر کمزور چیونٹی کی رفتار سے بھی کم ہوتی ہے۔ نیز اس راہ میں ایسے مقام بھی آتے ہیں، جنہیں اُڑ کر عبور کیا جاتا ہے اور سالک کی ابتدائی صورت تو انڈے کی طرح ہوتی ہے۔ جب تک اُس کے پرنہ نکلیں وہ کیسے اُڑ سکتا ہے؟

شیخ ابو بکر جامی رحمۃ اللہ علیہ خوارزم کے ایک مجذوب تھے۔ اُن کا کوئی شیخ نہیں تھا۔ لیکن جذباتِ حق کے تصرفات سے عالی مقامات اسے حاصل تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے شیخ نجم الدین کبریٰ کو بتایا کہ میں پینتالیس سال سلوک طے کرنے کے بعد اس مقام پر پہنچا ہوں۔ اور اس مقام پر میں نے دو سال ظاہری اور باطنی سخت محنت کی اور خون جگر کھایا۔ تب کہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مقام کو عبور کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

جب حضرت مجدد الدین بغدادی کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو فرمایا :

”کوئی شخص مُرشد کی قدر نہیں جان سکتا اور نہ اُس کا حق ادا کر سکتا ہے۔ ہمارے

مریدوں میں سے بعض ایسے ہیں، جنہوں نے دو سال کے اندر اس راہ کے سلوک کا سفر طریقت کے آغاز سے حقیقت کی انتہا تک طے کیا ہے اور جب اس مقام پر پہنچے ہیں تو ایک یا دو روز میں ہم نے انہیں اس مقام سے عبور کرا دیا، جس مقام پر شیخ ابو بکر پنیا لیس سال کے مجاہدہ کے بعد پہنچا اور دو سال کی سخت ریاضت کے آگے بڑھا۔

الغرض جب مرید صادق شیخ کا جمال اُئینہ دل میں مشاہدہ کرتا ہے تو فوراً اس کے جمال پر عاشق ہو جاتا ہے۔ اس کا آرام و قرار جاتا رہتا ہے۔ شیخ نجم الدین کبریٰ لکھتے ہیں کہ تمام سعادتوں کی جائے پیدائش یہی بے قراری اور عاشقی ہے اور جب تک مرید، شیخ کی ولایت کے جمال پر عاشق نہ ہو جائے، وہ اپنے اختیار اور ارادت کے تقرب سے باہر نہیں نکل سکتا اور ارادت شیخ کے تقرب کو قبول نہیں کر سکتا۔

جب مرید تقرب شیخ کی قبولیت کی شائستگی حاصل کر لیتا ہے تو شیخ اسے انڈے کی طرح اپنی ولایت کے پروبال کے تقرب میں لے لیتا ہے۔ اس وقت مرید واقعی انڈے کی طرح ہوتا ہے جو اپنی بشریت اور انسانیت کی بیضگی میں بند ہوتا ہے۔ شیخ اس پر اپنی اعلیٰ ہمت صرف کرتا ہے اور اس کے حال پر توجہ رکھتا ہے۔ انجام کار اس کی ہمت کیمیا اثر کا تقرب مرید کے بیضہ صفت وجود کو بدل کر "عبدیت خاص" کے وجود میں لے آتا ہے۔ جیسے چوزہ انڈے کو توڑ کر دنیا میں قدم رکھتا ہے۔ اسی طرح سالک کو ہمت شیخ کا تقرب "ملکوت" کے درپہ سے ہوائے ہوت کے میدان میں لے آتا ہے۔

اب تک اگر وہ دنیاوی انسانیت کا بیضہ تھا تو اب حق تعالیٰ کی "عبدیت خاص" کا مرغ بن گیا۔ لیکن ابھی اس کے کئی ایک مقامات ہوتے ہیں۔ توحید ایمانی۔ توحید ایقانی۔ توحید احسانی۔ توحید عیانی اور توحید غیبی۔ جب تک ان سب مراحل کو طے نہ کر لے تب تک وحدت کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا، جو بحر احدیت کا ساحل ہے۔ ان مقامات کی شرح بہت طویل ہے۔ لیکن یہ سب اخلاق کی تبدیلی سے طے نہیں ہوتے مگر تصفیہ قلب اور توجہ بحق سے، جب مرید ظاہری تجرید اور باطنی تفرید سے عمدہ برآ ہوتا ہے اسی قدر

تصفیہ قلب میں خلوت کی مداومت اور ذکر کی کثرت اس کا معمول بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مسلسل تخلیہ سے اس کے ظاہری حواس بے کار ہو جاتے ہیں۔ جس سے محسوسات کی آفتوں کا خطرہ نہیں رہتا۔ کیونکہ ولی حجاب اور کدورتیں زیادہ تر محسوسات میں حواس کے تصرف سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اب صرف شیطانی وسوسے اور خواہشات باقی رہ جاتی ہیں جن سے دل مکر اور مشوش ہوتا ہے۔ ان کی راہ خطرات کی نفی اور ذکر کے ہمیشہ کرنے سے رک سکتی ہے۔

صوفیائے کرام نے ذکر کے لیے چند شرائط اور آداب مقرر کئے ہیں، جن کا بجالانا بے حد ضروری ہے۔ تاکہ ذکر مفید پڑے۔

ذکر کے آداب

اول: مرید اپنی ارادت میں صادق ہو۔

دوم: اُسے طلب کی درو اور راہ سلوک طے کرنے کی خواہش ہو۔

سوم: خلقت سے دُور رہے اور ذکر سے اُلقت کرے تاکہ سب سے منہ پھیر کر ذکر کی

پناہ میں آئے۔

تَلَّيَ اللَّهُ تَمَّ ذَرَّهُمْ فِي نَحْوِهِمْ يَلْعَبُونَ - (تو اللہ کو! اور انہیں اپنی دھن

میں لگا رہنے دے۔) (الانعام: ۹۲)

چھادم: چُونکہ ذکر کرنا چاہتا ہے اس لیے اس کی بنا تمام گناہوں سے تو بہ نصوح

پر قائم کرے۔

آداب حسب ذیل میں

۱۔ ذکر کرنے سے پہلے وضو کرے۔ اَلْوُضُوءُ سَلَامٌ اَلْمُؤْمِنِ (وضو مومن کا ایک اوزار ہے)

۲۔ لباس سنت کے مطابق ہو۔

۳۔ حضرت شیخ الاسلام نے شروط اربعین فی جلوس المعتكفين کے نام سے مریدوں کے نام و صایا تحریر فرمائے ہیں

جس میں یہ تمام آداب و شرائط و ضوابط درج ہیں۔ ہم اسے تعلیمات کے ضمن میں درج کر رہے ہیں۔

جو حضرات تفصیل میں جانا چاہیں اس پر ایک نظر ڈال لیں۔

۳۔ مقام ذکر خالی، صاف، پاک، چھوٹا اور تار یک ہو۔ کیونکہ ایسے مکان میں دلجمعی اور یکسوئی کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ اگر خوشبودار چیزیں پاس رکھے یا جلائے تو اور بھی اچھا ہے۔

۴۔ قبلے کی طرف رخ کر کے مربع بیٹھے۔ باقی حالتوں میں مربع بیٹھنا منع ہے۔ صرف ذکر کے وقت بیٹھنا چاہیے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد آفتاب نکلنے تک اپنے مقام میں مربع بیٹھا کرتے تھے۔

کیفیت ذکر اور بڑے ادب سے اس طرح شروع کرے **لا الہ الا اللہ - لا الہ الا اللہ** سے لائے اور **لا الہ الا اللہ** کی ضرب دل پر لگائے۔ اس طرح کہ ذکر کا اثر اور اس کی قوت تمام اعضاء تک پہنچے۔ لیکن آواز بلند نہ کرے اور جہاں تک ہو سکے آواز کور و کئے اور پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ اذْکُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَفَرُّعًا وَ خِيفَةً وَ دُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ - (الاعراف: ۲۰۵)

اپنے رب کو دل میں عاجزی سے پوشیدہ طور پر یاد کر اور آہستہ بات کر، اس طریق سے سخت اور دم بدم ذکر کرے۔ دل میں ذکر کے معنوں کا خیال رکھے اور خطرات کو قریب نہ آنے دے۔ چنانچہ **لا الہ الا اللہ** کہتے وقت جو خطرہ دل میں آئے اس کی نفی کرے۔ خواہ وہ خطرہ نیک ہو یا بد اور یہ خیال کرے کہ میں نے کوئی چیز اور مقصود طلب نہیں کرتا اور نہ میرا کوئی محبوب ہے۔ **”اللا الہ الا اللہ“** صرف خدا ہی میرا مطلوب محبوب اور مقصود ہے۔ **”لا الہ الا اللہ“** سے نفی کرے اور **”اللا الہ الا اللہ“** سے اللہ تعالیٰ کو اپنا مقصود، محبوب اور مطلوب سمجھے۔ مناسب ہے کہ ہر ایک ذکر کے شروع اور آخر میں نفی اثبات سے حاضر رہے اور ہر وقت دل کے اندر نگاہ رکھے۔ جس چیز کا خیال دل میں آئے اسے دور کر کے خالص اللہ کی طرف متوجہ رہے۔ ولایت شیخ سے دُعایا مانگے اور **”لا الہ الا اللہ“** کی نفی سے اس پیوند کو بھی کاٹ دے اور **”اللا الہ الا اللہ“** کے تصرف سے حق تعالیٰ کی محبت کو شیخ کی محبت کا قائم مقام بنائے۔ اسی ترتیب کے موافق ہمیشہ کرے۔ یہاں تک کہ اس کا دل تمام دل بستگیوں سے فارغ اور خالی ہو جائے۔

کیونکہ ذکر کے وقت دل کا ہلنا ذکر کی مداومت پر منحصر ہے۔ دل اس وقت ہلتا ہے جب ذکر کے غلبہ سے ذکر کی ہستی ذکر کے نور میں گھل مل جاتی ہے اور ذکر ذکر کو مفرد بنا دیتا ہے۔ وجودی تعلقات کا بوجھ اس کے کندھے سے اُتار کر جسمانی دُنیا سے روحانی آخرت میں ہلکا پھلکا بنا کر لاتا ہے۔

تجلیاتِ حق جس وقت دل کا آئینہ طبیعت کے رنگارنگ سے صاف ہو جاتا ہے تو جمالِ دوست کے آفتاب کی چمکنے کی جگہ اور ذاتِ حق کا جامِ جہاں نما بن جاتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جس شخص کو قلبی صفائی حاصل ہو جائے، اُسے تجلی کی سعادت بھی نصیب ہو۔ یہ فضلِ الہی ہے جسے چاہتا ہے عنایت کرتا ہے۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ جو دل صاف ہے وہ اس سعادت کے قابل ضرور ہو جاتا ہے۔ شیخ عبداللہ انصاری فرماتے ہیں کہ تجلی حق اچانک آتی ہے۔ لیکن واقف دل پر آتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ابتدا میں جب دل کا آئینہ اوصافِ بشریت و رنگارنگ طبیعت سے صاف ہو جاتا ہے تو بعض روحانی صفات دل پر تجلی کرتی ہیں اور یہ تجلیات انوار و روحانیت کے غلبہ کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ ذکر کا نور اور اطاعت کا نور انوارِ روح پر غلبہ کرتا ہے جس سے روحانیت کا دریا مٹھا ٹھیس مارنے لگتا ہے اور لہریں دل کے ساحل پر حملہ آور ہوتی ہیں جس سے آئینہ دل کی صفائی میں تجلی حق نمودار ہوتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ روح تمام صفات سے تجلی میں آتی ہے اور یہ حالت تمام بشری صفات کے مٹ جانے سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن تجلی حق کی دو قسمیں ہیں۔

ایک تجلی ربوبیت ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر ہوئی: فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكَاةً وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا۔ پس جس وقت اُس کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی کی تو اُسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ (الاعراف: ۱۴۳)

تجلی الوہیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی، جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری ہستی لٹ گئی اور وجودِ محمدی کے عوض ذاتِ الوہیت کے وجود کا ثبوت فرمایا۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ، يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (الفتح: ۱۰) بیشک جو لوگ

تیری بیعت کرتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی بیعت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھ پر ہے۔“
اس سعادت کی کمالیت کسی اور پیغمبر کو نصیب نہیں ہوئی۔ البتہ اس کھلیان کے خوشہ چینوں
کو اس خرمین سے یہ خوشہ عنایت فرمایا :

لَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَتَقَرَّبُ إِلَىٰ بِالنَّوَافِلِ حَتَّىٰ أَحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتَهُ كُنْتَ لَهُ سَمْعًا وَبَصَرًا وَيَدًا
وَلِسَانًا فَبِئْسَ مَسْمُوعٌ وَبِئْسَ مَبْصُورٌ وَبِئْسَ مَسْمُوعٌ وَبِئْسَ مَبْصُورٌ - بندہ بذریعہ نوافل میرا قرب حاصل کرنے کی
خواہش کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور اس کے لیے کان اُنکھ ہاتھ اور
زبان ہو جاتا ہوں۔ پھر وہ مجھی سے سنتا ہے۔ مجھی سے دیکھتا ہے۔ مجھی سے ٹوٹتا ہے اور مجھی سے بولتا ہے۔
یہ سعادت ذات الوہیت کی تجلی کی خاصیت سے ہے۔

الغرض جب سالک سری اور جہری ازکاد سے اپنی طبیعت کو لفظ اللہ کے مفہوم
کی طرف منتقل کرتا ہے، تو وہ رحمتِ کاملہ سے اس کے ذہن پر اس طرح مستوی ہو جاتا ہے
کہ اس کی بھر بھیرت ہر وقت اس مفہوم کی طرف مرکوز رہتی ہے۔ اس کی تمام قوائے دراکہ
اُنکھ کی طرح اس مفہوم پر ٹھکنگی لگائے رہتی ہیں۔ سوائے اس کے اور کسی طرف متوجہ
نہیں ہوتیں۔ اس وقت تجلی حق سبحانہ و تعالیٰ سالک کے سب سے لطیف بجز روح سے
مل جاتی ہے اور اسے اپنی طرف کھینچتی ہے اور ”روح“ جو عالم قدس سے ہے اور نفس
عنفری میں مقید ہو جانے کے سبب اپنی اصل کو بھول چکی ہوتی ہے۔ اس کے ادراک کے
آئینہ پر زنگ کی نہیں جھی ہوتی ہیں۔ تجلی کے نواسے جب اس کے زنگ خوردہ ادراک کو
جلانصیب ہوتی ہے تو اسے کمالات حق کا عکس اپنے اندر دکھائی دینے لگتا ہے۔ اس
وقت اُسے اپنا بھولا ہوا وطن یاد آ جاتا ہے اور وہ اپنے اصل کی طرف متوجہ ہوتی ہے
اور خطیرۃ القدس کی طرف صعود کرنے کا ارادہ کرتی ہے۔ لیکن عبادہ بشریت مانع ہوتا ہے۔
اس وقت نفس اور روح کے درمیان مزاحمت واقع ہوتی ہے جس سے اُس کی روح میں
شورش اور گرمی پیدا ہو جاتی ہے اور طالب پروارفتگی کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ عقل و فکر
برباد ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں سالک اکثر اوقات قانونِ شریعت اور ادب سے
بھی باہر ہو جاتا ہے۔ مکاتوں اور مجلسوں سے اس کو وحشت ہونے لگتی ہے۔ اُنٹھوں پر

آہ و فغاں اور اشکباری سے واسطہ نہ ہوتا ہے۔ چہرے کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے کسی سے ملنے کو جی نہیں چاہتا۔ اسی کیفیت کا نام عشق ہے۔ میرے حضرت جو بحر عشق کے زبردست شاعر تھے۔ اس الم انگیز کیفیت میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

یارب چہ چشمہ البیت محبت کہ من ازاں
 یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم
 ایک اور مقام پر سوزدروں کو اس طرح ظاہر فرمایا ہے۔

پیا عشق آساڈی آن سنگت گئی شد مد زیر زبردی بھت
 کل دسرے علم علوم اسان گل بھل گئے رسم رسوم اسان
 ہے باقی درد ری رسوم اسان
 بی ہر ہوندی یاد رہیوسے گت
 حضرت ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

رباعی

تا دوٹے ترا دیدم اے شمع طراز! نے کار کم نہ دوزہ دارم نہ نماز
 چوں با تو بوم مجاز من جملہ نماز چوں بے تو بوم نماز من جملہ مجاز
 ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

رباعی

جسم ہمہ اشک گشت و چشم بگر لبت در عشق تو بے جسم ہے باید نہ لبت
 از من اثرے نماذ این عشق از کیست چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست
 اس کا یہ مطلب نہیں کہ ارباب عشق اور مواجید قانون شرع کے پابند نہیں رہتے مقصد
 ہے کہ اس منزل میں طالب صادق مشاہدہ جمال ذوالجلال میں اس قدر محو ہوتا ہے کہ اوامر و
 اہی کا احساس تک نہیں رہتا۔ بقول عارف۔

مذہب عاشق نہ مذہب ہاجد است عاشقان را مذہب و ملت خدا است

حضرت شہید ملت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا ارشاد ہے :

» عارف وہ شخص ہے کہ ہر لحظہ اس میں عالم اسرار سے ہزار ہا اسرار پیدا ہوں اور وہ "عالم سکر" میں رہے اور اگر اس حالت میں اٹھارہ ہزار عالم اس کے سینہ میں ڈالے جائیں تو بھی اُسے خبر نہ ہو «

چراغ دہلوی مفتح العاشقین میں لکھتے ہیں :

» جب عارف عالم تخیر میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ وہ ہر وقت مدہوش اور قدرتِ حق

کی آفرینش میں متخیر رہتا ہے۔ اگر کھڑا ہے تو بھی دوست کی یاد میں۔ اگر بیٹھا ہے

تو بھی اسی کی یاد میں۔ اگر لیٹا ہوا ہے تو بھی دوست کی قدرت و عظمت کا تماشا کر

رہا ہے۔ اگر بیدار ہے تو بھی دوست کے حجاب و عظمت کے گرد ہے «

اس وقت آپ نے یہ رباعی ادا فرمائی ہے

عاشق بہ ہوائے دوست مدہوش بود و زیادِ محبت خویش بے ہوش بود

فردا کہ ہمہ بخشر حیراں باشند نام تو دو دن سینہ در جوش بود

ایک اور عارف نے کہا ہے یہ

یکے بین و یکے دان و یکے گو یکے خواہ و یکے خوان و یکے بو

اگر سالک کو اپنے مطلب کے حصول کا گمان استماع منرا میر، عشق مجازی شغل برزخ

اور ترک اذکار و عبادت میں ہو تو اس کی طبیعت کا میلان اسی طرف ہو جاتا ہے

لال شہباز اور بوعلی تلندر اسی قبیل کے درویش تھے اور اگر بوجہ دینداری وہ اپنے تئیں

نہ بردستی ان امور ممنوعہ سے روکے رکھے۔ تو یہ سالک کا کمال ہے۔ اس مرحلہ میں مرشد

کے ساتھ قلب کا تعلق شدت پکڑ جاتا ہے۔ کیونکہ عشق کی پیر پیچ وادیوں میں صرف یہی ایک

ذات خضر راہ کا کام دیتی ہے۔ چنانچہ کسی عاشق نے کہا ہے :

» اگر اللہ تعالیٰ میرے مرشد کے سوا کسی دوسرے لباس اور شکل میں تجلی فرمائے

تو میں کبھی اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوں گا «

اور یہ بھی اسی عالم کی کیفیات کا خاصہ ہے کہ سالک کو علم اور طاعات ظاہری کی قطعی پرواہ نہیں رہتی۔ جیسے امام عاشقین حضرت فرید ثانیؒ نے کہا ہے۔

جداں عشق فرید استاد تھیا سب علم عمل برباد تھیا

پر حضرت دل آباد تھیا سو وجد کنوں لکھ حال کنوں

یعنی جب سے ہم نے عشق کی شاگردی اختیار کی ہے۔ علم و عمل رخصت ہو چکا ہے۔ ہاں

مگر حضرت دل وجد اور حال کی کیفیات سے خوب آباد ہے۔

ثمرات عشق | جب لوہے کے ٹکڑے کو آہنگر بٹھی میں ڈالتا ہے تو آگ لپک کر اُسے چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے اور اس کے اجزائے لطیفہ لوہے

کے نفس و جوہر میں اثر کر کے اُسے ہم رنگ، ہم شکل و ہم صفات بنا لیتے ہیں۔ اس وقت لوہا

آگ اور آگ لوہا بن جاتی ہے۔ کوئی اس ٹکڑے اور انگاروں میں تمیز نہیں کر سکتا۔ جلانا اور

بھوننا جو آگ کی خاصیت ہے اس لوہے کو حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر اس وقت لوہے کی

زبان ہوتی تو وہ ضرور پکا اٹھتا کہ میں وہی آگ ہوں کہ جس سے لوہاروں، زرگروں اور

دیگر کالہ گیروں کے کالہ و بار انجام پاتے ہیں۔ یہی کیفیت سالک کی اُس وقت ہوتی ہے

جب وہ دریائے وحدت میں غوطہ زن ہوتا ہے۔ بہ سبب حدت اور شدت کیفیت عشقیہ

اور کمال جذب روح الہی عبار شہادت سالک پر منکشف ہو جاتا ہے اور نور و ظلمت کے

جہاںات مہٹ جاتے ہیں۔ اس وقت حسب وعدہ وَالْمَذِينِ جَاهِدُوا فِيْنَا لِنَهْدِيَنَّهُمْ

سَبِيْلَنَا۔ یعنی جو کوئی میری راہوں کو تلاش کرتا ہے۔ میں اس کو اپنی راہیں دکھا دیتا ہوں۔

مشاہدہ جمال بے مثال سیر آتا ہے اور بفرجائے حدیث اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عِبْدِيْ بِيْ وَاَنَا مَعَهُ

اِذَا ذُكِرْتِيْ۔ میں اپنے بندہ کے گمان کے نزدیک ہوں اور میں اُسی کے سامنے ہوتا

ہوں، جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اس قلق اور اضطراب کے عوض جو سالک نے فراق میں

اکٹھایا تھا۔ خلعتِ مکالمہ مرحمت ہوتی ہے۔ وحشت انس سے بدل جاتی ہے اور نثار و بقا

کے مقامات بے حجاب نظروں میں پھر جاتے ہیں۔ اس وقت یہ مشتِ خاک بکھر و حدت میں غوطہ زن ہو کر لوہے کے ٹکڑے کی طرح اپنی اصلیت کو بھول کر انا الحق رہیں خدا ہوں، اور لَیْسَ فِی جَبَّتِیْ سِوَى اللّٰهِ - (اس جبت میں سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں ہے) پکا اٹھتا ہے۔ شیخ الاسلام احمد جام قدس سرہ نے بھی اسی عالم میں کہا تھا۔

ماتاج سرفراز ہمہ خلقِ خدا ایم
 ہستیم و نہ ہستیم نہ در قرب و نہ در بعد
 مابادشاہ مملکت ہر دو سر ایم
 مایم نہ مایم نہ مایم نہ مایم
 ماخانہ و ماخانگی و خانہ خدا ایم
 ماغرقِ محیطیم و گر آبِ بخونیم
 اے بر لبِ ساحلِ توجہ دانی کہ کجا ایم
 احمد چہ بروں رفت ز جائے کہ مکا است

آیا تو کجائی کہ ندائیم کجا ایم

شیخ عبداللہ بلیانی کی ایک رباعی اسی مضمون کو اس طرح ادا کرتی ہے۔

باجملہ خدائے پاک پاکیم
 از ہستی و نہستی ہمیشہ
 نے نہ آتش و باد و آب و خاکیم
 عریاں شدہ ایم و جامہ چاکیم
 قرآن مجید میں آتا ہے خضر علیہ السلام نے کہا وَمَا فَعَلْتُمْ عَنْ آمْرِئِیْ - یعنی کشتی کا ٹوٹنا وغیرہ میں نے خود نہیں کیا۔ اسی طرح حدیثِ قدسی میں آیا ہے :

”میں ہی اُس کے کان ہو جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے اور میں ہی اُس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں ہی اُس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور میں ہی اُس کے پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ پس وہ میرے ذریعے سے سنتا، میرے ہی ذریعے سے دیکھتا۔ میرے ہی ذریعے سے پکڑتا اور میرے ہی ذریعے سے چلتا ہے۔“

مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسری مرحوم کتاب سوانح احمدی میں لکھتے ہیں :

”یہ بہت باریک اور نازک مسئلہ ہے اس کے پیچھے پڑنا نہیں چاہیے۔ لیکن جب کسی سالک پر یہ باتیں ظاہر ہوں تو اس سے انکار بھی نہ کرے۔ کیونکہ جب وادیِ مقدس میں

آگ نے کہا تھا اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ دَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (میں جہانوں کا اب ہوں) اگر نفس کا ملہ اس اشرف موجودات کا کہ نمونہ ذات الہی کا ہے۔ کلمہ "انا الحق" کہے تو جائے تعجب نہیں ہے۔
 آگے چل کر فرماتے ہیں:

”اس مقام پر پہنچ کر ایسے بزرگوں سے خرق عادات، قبول دعوات اور دفع بلیات کثرت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اگر بندہ (ایسے حال میں، مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اس کو فوراً دے دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو میں پناہ دیتا ہوں اور ایسے بزرگوں کے دشمنوں پر غضب الہی اور وبال نازل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں فرمایا ہے کہ جو کوئی میرے دوست سے مخالفت کرتا ہے، اُسے میری طرف سے جنگ کا چیلنج ہے۔“

اس حدیث شریف کے مخاطب اگرچہ بنی نوع انسان ہیں۔ مگر قانون الہی تمام حیوانات کے لیے ہے۔ اگر کسی جانور نے اللہ والوں کے حق میں گستاخی کی ہے تو وہ بھی قہر الہی کی لپیٹ سے نہیں بچ سکا۔ مولانا خدابخش صاحب خیر لوہری کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ آپ ملتان کے ایک کوچہ سے گزر رہے تھے۔ ایک کتیا آپ کو بھونکی۔ آپ نے مڑ کر اُسے ایک نظر سے دیکھا اور چلے گئے۔ جب واپس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کتیا مری پڑی ہے آپ ایک لمحہ کے لیے رُک گئے اور فرمایا:

”اے کتیا! اس فقیر نے تجھے کچھ نہیں کہا۔ خدائے غفور سے اس کے بندے کے حق میں تیری گستاخی گوارا نہیں ہو سکی۔“

حضرت شیخ الاسلام ہمام الدین
 حضرت شیخ الاسلام عشق کی وادی میں
 ذکر یا ملتان رحمة اللہ علیہ اپنے

زمانے کے بہت بڑے عارف تھے۔ ان کا سینہ بے کینہ بھی عشق الہی کی بھٹی بنا ہوا تھا۔ اگرچہ یاد الہی سے آپ ایک لحظہ بھی غافل نہیں ہوتے تھے۔ زندگی بھر میں ایک لمحہ اگر اس قسم کا پیش آیا، تو آسمانوں میں آپ کی موت مشہور

ہو گئی۔ حیاتِ طیبہ کا بیشتر حصہ عالمِ صحویں گزرا۔ لیکن کبھی کبھی آپ عالمِ تجیر میں اس قدر کھو جاتے تھے کہ کئی کئی دنوں تک آپ کو تن بدن کا ہوش نہیں رہتا تھا۔ حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر

لے ایران کی مرزین سے چند درویش حضرت شیخ الاسلام کی زیارت کے لیے ملتان کو چلے آتے تھے، جب کوہ سلیمان کی تلہی میں پہنچے، چند چڑیوں نے جو یہاں کسی درخت پر بیٹھی چھپا رہی تھیں۔ درویشوں کو گھور گھور کر دیکھا شروع کیا۔ ایک نے کہا: یہ درویش شیخ لڑکھیا کو ملنے ملتان جا رہے ہیں۔ دوسری بولی: مگر ان کا تو آج انتقال ہو چکا ہے۔

تیسری چڑیا نے افسوس کرتے ہوئے کہا: آہ! بے چاروں کا یہ سفر ایسا کیا گیا۔

درویش ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے اور ایک دوسرے کا منہ تھکنے لگے۔ ایک درویش بولا: صاحبو! جب شیخ ہی نہیں رہے، ملتان جانے کی کیا ضرورت ہے؟ چلو واپس چلیں۔

ایک درویش نے کہا: دوستو! اگر شیخ کی زیارت ہماری قسمت میں نہیں لہ ہی تو کیا ہم ان کی قبر پر فاتحہ بھی نہ پڑھیں؟ نہیں نہیں! ہمیں ملتان ضرور جانا چاہیے۔ دوسرے تمام درویشوں نے بیک زبان جواب دیا۔

یہ گروہ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ ملتان آگیا۔ درویش قلعہ کے بڑے دروازے سے لمبے لمبے ڈگ بھرتے خانقاہِ معلیٰ پر پہنچے۔ وہاں یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حضرت شیخ الاسلام منبر پر بیٹھے وعظ فرما رہے ہیں۔

درویش حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تھکنے لگے کہ کیا معصوم پرندے بھی جھوٹ بول سکتے ہیں؟

حضرت شیخ الاسلام نے کشف کے ذریعے ان کے دل کا تردد معلوم کر لیا۔ جب وعظ ختم ہوا اور درویش قریب پہنچ کر قدم بوس ہوئے تو فرمایا: "یاران! تعجب نہ کرو۔ تم نے جو کچھ راستے میں سنا وہ بھی صحیح تھا اور جو کچھ اب دیکھ رہے ہیں، یہ بھی درست ہے۔"

درویشوں کے ماتھے پر فکر کے آثار ظاہر ہوئے، وہ سوچ میں پڑ گئے کہ یہ دونوں باتیں درست کیسے ہو سکتی ہیں؟ حضرت شیخ الاسلام نے انہیں پھر مخاطب کیا اور فرمایا:

"ایک لمحہ اس فقیر پر ایسا آیا تھا کہ اس کا دل خدا کی یاد سے غافل ہو گیا تھا۔ جس پر فرشتوں نے مشورہ کر دیا کہ بہاؤ الدین مر گیا۔ چڑیوں نے یقیناً کسی فرشتے سے یہ بات سنی ہوگی۔ (حاشیہ اردو ترجمہ کشف المحجوب از مترجم)

اللہ اللہ! یہ وہ با عظمت لوگ تھے جو خدا کی یاد میں غافل ہونے کو موت سے تعبیر کرتے تھے۔ اسی واقعہ سے ان کی عبادت و ریاضت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ع۔ قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

نے یہ واردات کئی بار مشاہدہ کی ہیں۔ فرماتے ہیں :

ایک دن آپ حالت شوق و ذوق میں مستغرق تھے اور ہر بار نئی نئی کیفیت اور حالت پیدا ہوتی تھی۔ ہائے ہائے کر کے زار زار دوتے تھے اور بے خودی کے اسی عالم میں یہ اشعار پڑھتے تھے :

بادرد بساز چوں دوائے تو منم در کس منگر چوں آشنائے تو منم
گر بر سر عشق من کشتہ شوی شکرانہ بدہ کہ خون بہائے تو منم

سات دن انہی دو شعروں میں مستغرق رہے کہ دنیا و مافیہا کی خبر تک نہ تھی۔ یہ بھی حضرت گنج شکرؒ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلام اپنے محل کے دروازے پر کھڑے تھے۔ ایک ہاتھ ایک کواڑ پر اور دوسرا دوسرے کواڑ پر رکھے، یہ شعر بار بار پڑھتے تھے :

کردی ظاہر سہرما یار دگر ما ہیچ نہ کردیم خدامے داند

حضرت گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ خدا معلوم وہ کون سی بات تھی جو بار بار آپ سے یہ شعر کہلاتی تھی :

ایک دفعہ حضرت گنج شکرؒ اور حضرت شیخ الاسلام بغداد کہنہ کی مسجد کھت میں بیٹھے تھے۔ چند بزرگ عشق کے بارہ میں گفتگو کر رہے تھے۔ ایک صاحب نے کہا :

”عشق ایک سلطنت ہے جس کا دار الخلافہ شوق ہے۔ اس میں تخت کے اوپر رضا کے ہاتھ میں زرگس وصال کی ایک شاخ ہے جس پر تیغ ہجر اور خنجر فراق کا پہرہ ہے اور اگر کوئی ادھر کا رخ کرتا ہے تو اس پر خنجر اور تلوار کے وار شروع ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک دقیقہ وصال کا میسر آجائے تو ان تلواروں اور خنجروں سے سینکڑوں امرا منکشف ہوتے ہیں۔ پس اے دوستو! جسے عشق کی دولت حاصل ہے، اگر اسے

۱۔ اردو ترجمہ اسرار الاولیاء، ص ۵۶۔

۲۔ ازلیات خنجر فراق و تیغ ہجران کشیدہ دیک شاخ زرگس وصال بدست رضا دارہ و در وصال ہر نفس ہزار ہزار امرا۔ ازاں تیغ برے دارند (خلاصۃ العارفین، تصحیح ڈاکٹر شمیم محمود زیدی، ضمن احوال و آثار، ص ۱۴۱)۔

ہزار خنجر لگیں اور سینکڑوں تلواریں پڑیں۔ خواہ ہزار دفعہ اس کی گردن کاٹیں۔ آہ
تک نہیں نکالے گا۔“

اس کے بعد شیخ الاسلام نے رقت بھری آواز اور انتہائی سوز و گداز سے یہ رباعی پڑھی اس
کے سننے سے ہر دل میں وہ ذوق پیدا ہوا کہ اس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔

رباعی

در یاد تو اے دوست چناں مدہوشم صد تیغ اگر زنی سرخسروشم
آپے کہ زخم بیا د تو وقت سحر گرہر دو جہاں دہند واللہ نفر وشم

اسی طرح ایک مرتبہ جامع اُمیہ دمشق میں اللہ والوں کی مجلس گرم تھی۔ پانچ سو کے قریب
اہل علم موجود تھے۔ دفعۃً شیخ الاسلام تشریف لائے۔ حضرت گنج شکر اتفاق سے اس اجتماع
میں شریک تھے۔ آپ کو دیکھ کر تعظیم کے لیے اٹھے اور مل کر وہیں ان کے پہلو میں بیٹھ رہے۔
وہ عشق و حیرت کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی۔ باری باری ہر بزرگ نے عشق کے اسرار و
دہوز بیان کئے۔ جب شیخ الاسلام کی باری آئی۔ آپ نے فرمایا:

عشق کی تعریف یہ ہے کہ عارف سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو نہ دیکھے بہشت و

دوزخ، عذاب و ثواب اور مال و منال و اصلین حق کے نزدیک.....

اتنا کچھ فرمایا تھا کہ آپ پر تحیر کا عالم طاری ہو گیا۔ یہ رباعی پڑھتے تھے اور بے تابانہ
رقص کرتے تھے۔

اں کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند فرزند و عیال و خانماں را چہ کند

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بدہی دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند

آپ کے ساتھ اولیائے کرام کے عشق کی دبی ہوئی چنگاری بھی بھڑک اٹھی۔ وہ بھی محبت
کے ناپید اکنار سمندر میں کھو گئے۔ ”دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند“ پڑھتے تھے اور بے اختیار
بھوم بھوم جاتے تھے۔

حضرت محبوب الہی دہلوی فرماتے ہیں کہ ملتان سے ایک بزرگ ہمارے پاس آئے
انہوں نے بیان کیا کہ ایک روز شیخ الاسلام ذکر یا ملتان فی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ

غلیات شوق میں سر بسجود ہو کر یہ فرماتے تھے کہ ”عشق اندر آیا اور اس نے اپنے سوا باقی سب کو نکال دیا اور ہمارا بھی نشان مٹا دیا“ میں نے شمار کیا تو حضرت نے ٹھیک سو مرتبہ سجدہ کیا اور یہی فرمایا۔

حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا پر عشق و محبت اور جذبات و سکر کی کیفیت طاری تھی۔ آپ نے فرمایا :

”دوستو! جب عاشق حقیقی کے دل سے آہ نکلتی ہے تو آتش عشق سے تمام دنیا جل

کر خاکستر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کوئی آگ آتش محبت سے زیادہ جلانے والی نہیں۔ اس

وقت اپنے یہ رباعی کہی اور ایک مہینہ تک حیرت کے سمندر میں کھوئے رہے۔

عاشقاں ہر دو جہاں بے تو بیک جو خزند ہر زمان خستہ دلاں تیر بلارا سپرند

شرف آنروز کہ غوغا بقیامت باشد عاشقاں برورد رگاہ تماشا نگرند

حضرت گنج شکر سے روایت ہے کہ ایک دفعہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا پر عشق و اشتیاق

کا عالم طاری تھا۔ اسی حالت میں فرمایا :

قیامت کے دن بعض عاشقوں کی گردن میں نور کی زنجیر ڈال کر فرشتے بہشت کیطین

کھینچیں گے۔ مگر وہ لوگ نہنجیر کو ہاتھ سے ہٹاتے ہوئے عرش کے نیچے کھسک

جائیں گے کہ دیدارِ الہی سے دل کو ٹھنڈا کریں۔ پھر حکم ہو گا کہ نور کی اور زنجیریں

ڈالی جائیں۔ چنانچہ ان کی گردن میں اسی ہزار زنجیریں اور ڈالی جائیں گی۔ مگر پھر بھی

یہ کھینچیں گے اور شور مچائیں گے۔ اس وقت ندا آئے گی کہ دیدار کا وعدہ تو بہشت میں

تھا۔ اس وقت یہ لوگ بہشت میں داخل ہو کر دلی مقصد سے شاد کام ہوں گے۔“

یہ بھی حضرت گنج شکر کی روایت ہے کہ ایک دفعہ میں اور قطب العلیین سید جلال بخاری برادر م

مولانا بہاء الدین زکریا کے پاس بیٹھے تھے۔ اس وقت حضور عالم مشاہدہ و مکاشفہ میں تھے۔ جب

محبت کے سمندر میں غوطہ زن ہوئے تو عین اس حالت میں اپنے محبوب حقیقی سے درخواست کی :

يَا رَبِّ اعْطِنِي خَيْرًا مِنَ الدَّارَيْنِ وَمَا فِيهَا

آواز آئی: أَنْتَ قُطْبُ الْعَالَمِينَ (آپ جہانوں کے قطب ہیں)

عرض کی: زِدْنِي يَا رَبِّ (اے رب مجھے اس سے بھی زیادہ عنایت کیجئے)

جواب ملا: أَنْتَ عَزُوتُ الْعَالَمِينَ (آپ جہانوں کے عزت ہیں)

پھر عرض کی: زِدْنِي يَا رَبِّ (اے رب! مجھے اس سے بھی زیادہ عنایت کیجئے)

جواب ملا: بَعْدَ هَذَا رَجَاةُ الْأَنْبِيَاءِ وَ لَيْسَتْ الرِّسَالَةُ بَعْدَ خْتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ

مُحَمَّدٍ وَالْمُطَفَّعِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنْ أَعْطَيْتُكَ اسْمًا مِنْ سَمَائِي أَنْتَ السَّيِّمُ الْكَبِيرُ
الْمُنِيرُ وَاللَّهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَأَدْعُوهُ بِهَا -

ایک دفعہ حضرت شیخ الاسلام عالم مکاشفہ میں تھے۔ احوال عالم کے علم و اطلاق
خشیتِ الہی کے بعد آپ پر اس قدر خوف و ہراس چھایا کہ اٹھ کر حجرے کا دروازہ بند کر دیا

اور توبہ استغفار کے لیے سجدے میں گر گئے۔ اتنی گریہ و زاری کی کہ مصلیٰ آنسوؤں سے تر ہو گیا۔
کئی دن اسی حالت میں گزر گئے۔ ہائے ہائے کی مسلسل دردناک آواز آ رہی تھی۔ جس سے لوگوں کے دل
پھٹے جاتے تھے۔ صاحبزادگان اور جاں سپار اراکت مندوں نے دروازہ کھولنے کے لیے ہر چند الحاج کی
مگر کسی کا عرض قبول نہ ہوا۔ انجام کار حضرت کے پیارے پوتے شیخ رکن الدین کو لے آئے۔ انہوں نے
دو تین مرتبہ زور سے پکارا:

”دادا جان! دروازہ کھولئے۔۔۔“

شیخ الاسلام فرطِ محبت سے اٹھے اور حجرہ کا دروازہ کھول دیا۔

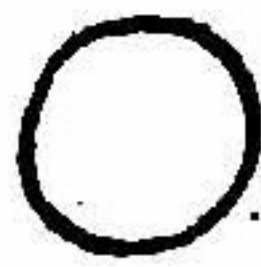
شیخ رکن الدین نے دیکھا کہ خدا شناس آنکھیں کثرتِ مجاہدہ سے سُوج آئی ہیں اور ان سے
آنسوؤں کی بجائے خون کے قطرات ٹپ ٹپ کر رہے ہیں عرض کی: حضور! اس گریہ و زاری کا سبب کیا
فرمایا: بیٹا! میں نے عالم مکاشفہ میں دیکھا کہ ایک شخص بہاء الدین جو زہد و رعب میں صاحبِ
کمال اور علم و عمل میں یگانہ روزگار تھا۔ فوت ہو گیا۔ اس کی عبادت و طاعت کسی کام نہ آئی
اس کے تمام اعمال اس کے مُنہ پر مارے گئے اور ایمان سلب کر لیا گیا۔ یہ حال دیکھ کر مجھ پر
خوف طاری ہوا کہ خدا جانے اس فقیر بہاء الدین سے کیا سلوک ہو گا؟ دوسرا یہ کہ روزِ ميثاق جب

تمام ارواح خداوند کریم کے حضور پیش ہوتیں۔ ارشاد ہوا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟ جو اب عرض ہوا۔
 ”بلی“ حکم ہوا۔ ”میں تمہارا معبود ہوں، مجھے سجدہ کرو!“

پہلے حکم پر کئی سجدے میں چلے گئے اور کئی کھڑے رہے۔ دوسرے پر پہلے لوگوں کے ساتھ کئی
 اور بھی شریک ہو گئے، یہ سب مخلصین کہلائے۔ اول مسعود آخر محمود۔ لیکن جنہوں نے سجدہ نہیں کیا تھا وہ
 ”حسرا الدنیا والآخرۃ“ کے مصداق بنا دیئے گئے۔ خدا معلوم یہ ناچیز کس گروہ میں تھا؟ حضرت رکن عالمؑ
 اس وقت اگرچہ کسب تھے لیکن مادر زاد ولی تھے اور قطبیتِ عظمیٰ کے درجہ پر فائز تھے۔ آپ نے عرض کی:

”داداجان! آپ ہر دو امور کی بابت تسلی فرمائیں۔ کیونکہ حضور کی روح مخلصین کے اس
 گروہ میں سے ہے جس نے ہر دو مرتبہ خلوص دل سے سجدہ کیا اور اپنے مالکِ حقیقی
 کو وحدانیت اور یگانگت میں پہچانا۔ مجھے بخوبی یاد ہے کہ آپ کی روح اغواث کی
 صف میں تھی اور میں اقطاب کی صف میں تھا۔ میں نے چاہا کہ انبیاء علیہم السلام کی
 صف میں جا کر کھڑا ہوں۔ حضرت جبرائیلؑ کو حکم ہوا کہ ”رکن الدین“ کو اس صف سے
 ہٹا دو۔ حضرت جبرائیلؑ نے ایک پر لگایا، جس سے میرا پاؤں زخمی ہو گیا۔ میں اقطاب
 کی صف میں لوٹ آیا اور آپ کی روح پر فتوح کو دیکھا کہ اغواث کی صف میں کھڑی
 رب العزت کی حمد و ثنا کر رہی تھی۔“

قطب الاقطاب کے بیان سے شیخ الاسلام کی تسلی ہوئی۔ اسی وقت ”جمین نیاز“ ادا نے شکر
 کے لیے خاکِ عبودیت پر رکھ دی اور پھر باہر تشریف لاکر مشاقانِ جمال کو شہرت دیدار سے
 شاد کام فرمایا۔





بعض مشائخ کرام نے سلوک کے سو مراتب مقرر کئے ہیں اور کشف و کرامات کو سترھواں درجہ دیا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک کامل مرد وہ ہے جو اپنے تئیں سترھویں درجے پر کشف نہ کرے۔ اگر کرے گا تو اگے ترقی نہیں کر سکے گا۔ اگر سوئیں درجے پر پہنچ کر کشف کرے، تو جائز ہے۔ حضرت بایزید اور شاہ شجاع کرمانی نے سلوک کے پچاس مرتب مقرر کئے ہیں، جن میں دسواں درجہ کشف و کرامات کا ہے۔ جو درویش دسویں مرتبے پر پہنچ جائے، وہ ان کے نزدیک صاحب کشف و کرامات ہے۔ خواجگانِ چشت اہل بہشت نے سلوک کے پندرہ مراتب مقرر کئے ہیں، جن میں پانچواں درجہ کشف و کرامات کو دیا ہے۔

شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ اپنی کتاب "اعلام اللہ" میں لکھتے ہیں :
 "ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اولیاء اللہ ہیں۔ جن سے کرامات صادر ہوتی ہیں۔ اسی طرح ہر ایک رسول کے زمانے میں ان کے تابعین ہوتے تھے۔ جن سے کرامات و خرق عادات ظاہر ہوا کرتے تھے۔ اولیاء کی کرامات انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا تتمہ ہے۔ لیکن جو شخص کہ احکامات شریعہ کا ملزم نہیں اور اس کے ہاتھ پر خرق عادات کا ظہور ہو تو ہمارے اعتقاد میں وہ شخص زندیق اور بے دین ہے اور جو کچھ اس سے ظاہر ہوتا ہے، وہ مکروہ استدراج ہے۔"

لہ و نعتقد ان للاولیاء من امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم کرامات و اجابات و هكذا کان فی زمن کل رسول کان لہم کرامات و مخرقات للعادات و کرامات الاولیاء من تتمۃ معجزات الانبیاء و من ظہر لہ و علی یدک من الخرقات و هو علی غیر اللتزام باحکام الشریعۃ نعتقد انه زندیق و ان الذی ظہر لہ مکروہ استدراج (عقیدت ارباب التقی بحوالہ اعلام اللہ مصنفہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی)

مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے نفحات الانس میں کرامات و خرق عادات پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

خرق عادات کے اقسام تو بہت ہیں، جیسے معدوم کا موجود اور موجود کا معدوم کر دینا پوشیدہ امر کو ظاہر اور ظاہر کو پوشیدہ کرنا، دُعا کا مقبول ہونا، مسافتِ بعید کو محو کرنے عرصہ میں طے کر لینا۔ امور غائب سے باخبر کرنا۔ ایک ہی وقت میں متعدد مکانوں میں حاضر ہونا، مُردوں کو زندہ کرنا، زندوں کو مارتا، حیوانات، نباتات اور جمادات کا کلام اور تسبیح وغیرہ سُننا بوقتِ ضرورت بغیر کسی ظاہری سبب کے طعام کا مہیا کر لینا۔ پانی اور ہوا پر چلنا اور ہوا میں سیر کرنا۔ وحشی حیوانات کا مسخر کر لینا۔ ان کے اجسام میں قوت کا آجانا۔ مثلاً ایک شخص ”سکر“ اور ”وجدان“ کے عالم میں اپنے پاؤں سے درخت کو بڑے سے اکھیڑ دے یا دیوار پر ہاتھ مارے تو وہ پھٹ جائے اور بعض اپنی انگلی سے کسی کی طرف اشارہ کیا کرتے ہیں کہ وہ گر جائے۔ پھر وہ اسی وقت گر جاتا ہے۔ یا کسی کی گردن اڑانے کا اشارہ کریں تو فوراً اُس کا سر اڑ جائے۔ خلاصہ یہ کہ جب حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے دوستوں میں سے بعض کو اپنی قدرتِ کاملہ کا منظر بناتے ہیں، تو جس طرح وہ چاہتے ہیں، تصرف کر سکتے ہیں۔ درحقیقت وہ اثر و تصرفِ خدا تعالیٰ کا ہی ہوتا ہے، جو ظاہر ہوتا ہے، اس وقت وہ درویش درمیان میں نہیں ہوتا۔“

گو خرق عادات تمام مذاہب کا ایک ضروری عنصر ہے۔ لیکن بعض معتزلی المشرب اولیاء اللہ کی کرامات کا انکار کرتے ہیں اور یہ سلسلہ صد ہا سال سے پہلے چلا آتا ہے۔

۱۔ وغیر ذلک من فنون الاعمال الناقضة للعادة كالمشي على الماء، والسياسة في الهواء، وكالاكل من الكون، وكستخيرا الحيوانات الوحشية، وكالقوة المظاهرة على ابدانهم كالذي اقتلع شجرة برجله من اصلها وهو يدور في السماع، وضرب اليد على الحائط فيشق، وبعضهم ينشرب باصبعه الى شخص ليقع فيقع او ليضرب عنق احد بالاشارة فيطير راس المثار اليه (نفحات الانس، مطبوعہ نوکسٹور پبلسنگ پریس لاہور) ص ۱۹

فتوحات میں درج ہے کہ ۵۳۶ھ میں ایک فلسفی شیخ ابن العربیؒ
 نارِ نمرود کی غلط تاویل کی خدمت میں آیا۔ یہ شخص خوارقِ عادات اور انبیاءِ علیہم السلام
 کے معجزات کا منکر تھا۔ اتفاق سے جاڑے کا موسم تھا اور مجلس میں انگلیٹھی جل رہی تھی۔ اس
 فلسفی نے کہا :

”عام لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا تھا، لیکن وہ نہیں جلے تھے
 یہ امر محال ہے، کیونکہ آگ کا کام بالطبع یہ ہے کہ جو چیزیں جلنے کے لائق ہوں،
 انہیں جلا دے۔“

پھر فلسفی تاویل کرنے لگا :

”قرآن میں جو آگ مذکور ہے، اس سے مراد نمرود کے غضب کی آگ ہے اور ابراہیمؑ
 کو آگ میں ڈالنے سے یہ مراد ہے کہ نمرود سخت جھنجھلایا اور غصہ سے لال پلپلا ہو
 گیا۔ حضرت کے نہ جلنے سے مقصود یہ ہے کہ چونکہ حضرت ابراہیمؑ دلیل و حجت سے اس
 پر غالب آگئے تھے، اس لیے نمرود کا غصہ فرد ہو گیا۔
 جب فلسفی نے اپنی تقریر ختم کی تو حاضرین شیخ کی طرف متوجہ ہوئے کہ وہ اس کا کیا

جواب دیتے ہیں ؟

شیخ نے بڑی متانت سے فلسفی پر نظر ڈالی اور فرمایا :

”کیا تم قرآن کے اس قصہ کا انکاد کرتے ہو ؟ میں یہ بات تمہیں اسی جگہ دکھا
 دیتا ہوں۔ اس سے مقصود معجزہ کی صحت کا یقین دلانا ہے۔ اپنی کرامت کا
 اظہار منظور نہیں۔“

فلسفی نے کہا : یہ قطعاً ناممکن ہے۔“

شیخ نے دونوں ہاتھوں سے انگلیٹھی کو پکڑ کر اپنے قریب کر لیا اور فرمایا کہ کیا یہ آگ وہی ہے
 جس کے متعلق تم کہہ رہے ہو کہ جلانے کی خاصیت رکھتی ہے۔

کہا ”ہاں ! یہ وہی آگ ہے۔“

شیخ نے انگلیٹھی اٹھا کر فلسفی کے دامن میں انڈیل دی۔ پہلے تو وہ گھبرایا لیکن جب اس

نے دیکھا کہ اس سے نہ کپڑے جلتے ہیں اور نہ بدن کو حرارت محسوس ہوتی ہے، تو وہ حیرت سے ان لال لال انگاروں کو تکیے لگا۔

شیخ بے تکلفی سے انگاروں کو الٹ پلٹ رہے تھے۔ بظاہر دیکھتے ہوئے انگاروں کو اٹھا کر فلسفی کے سر اور بدن سے بچا دیا۔ وہ ادھر ادھر گرے پڑتے تھے مگر کوئی چیز ان کی حرارت سے متاثر نہیں ہوتی تھی۔ اب فلسفی نے بھی انگاروں کو ہاتھ میں اٹھانے کی جرأت کی۔ واقعی حرارت کی خاصیت ان سے زائل ہو چکی تھی۔

شیخ نے اس آگ کو پھر انگلیٹھی میں ڈال دیا اور اس فلسفی سے فرمایا:

”اپنا ہاتھ اس میں ڈال“

جب فلسفی نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو وہ جلنے لگا۔

آپ نے فرمایا!

”اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ آگ کا جلانا یا نہ جلانا خدا تعالیٰ کے حکم میں ہے نہ یہ کہ اُس کی طبیعت کا خاصا ہے۔“

فلسفی نے اقرار کیا اور ایمان لے آیا۔

روح سے ملاقات | فتوحات میں شیخ نے ایک اور پُر لطف واقعہ درج کیا ہے لکھتے ہیں:

”میں جمعہ کی نماز کے بعد کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ طواف کرتا ہے لیکن کسی سے مزاحم نہیں ہوتا اور نہ کوئی اس کی مزاحمت کرتا ہے بلا تکلف دو آدمیوں کے درمیان آجاتا ہے اور انہیں جدا نہیں کرتا۔ میں نے سمجھ لیا کہ یہ روح ہے اور انسانی قالب میں طواف کرتی پھرتی ہے۔ میں نے اس کا خیال رکھا۔ جب وہ شخص قریب آیا تو اُسے سلام کیا۔ اُس نے مجھے جواب دیا۔ اور میں اس کے ہمراہ ہولیا۔ ہم نے آپس میں چند باتیں کیں۔ وہ شیخ احمد سیسی کی روح تھی۔“

جب میں اس سے رخصت ہو کر اپنے دوستوں کے پاس آیا، تو ایک صاحب نے کہا:

”یار! وہ کون آدمی تھا؟ جو مطاف میں آپ سے باتیں کر رہا تھا۔ میں نے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا۔“

میں نے سارا قصہ کہہ سنا یا تو حاضرین نے تعجب کیا۔

مولانا جامی فتوحات کے حوالے سے لکھتے ہیں :

شہزادی کو بچا لیا ”ایک درویش نے شیخ اکبر سے کہا کہ بادشاہ کی لڑکی سخت بیمار

ہے۔ چونکہ فقراء اور مساکین کی پرورش کرتی ہے اور بڑی نیک بخت ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ آپ وہاں تشریف لے جا کر شہزادی کو دعا کریں۔ یہ سن کر شیخ شاہی محل کو روانہ ہوئے۔ شہزادی کے شوہر نے استقبال کیا اور شیخ کو مریضہ کے سر ہاتے بٹھا لیا۔ شیخ نے دیکھا کہ وہ حالت

نزع میں ہے۔ فرمایا :

”جلدی پکڑو، یہ تو چلی!“

اُس کے خاوند نے گھبرا کر عرض کی۔

”حضور! میں اسے کیسے پکڑوں؟“

حضرت مریضہ کے تنفس کی طرف متوجہ تھے۔ فرمایا :

”اسے خرید لیا ہے، اس کا پورا خون بہا لے آؤ۔“

نزع اور جان کنڈنی کی حالت میں توقف پڑ گیا۔ لڑکی نے آنکھ کھولی اور شیخ کی طرف دیکھ

کہ لڑکھرائی، ہوئی زبان سے کہا :

”السلام علیکم!“

شیخ نے کہا :

”بیٹی! قطعی خوف نہ کر۔ ہم نے تجھے ملک الموت سے چھڑا لیا ہے۔ تو بڑی قدر اور

مرتبہ والی ہے۔ اگر تو زندہ رہے گی، تو لوگوں کو تجھ سے فائدہ پہنچے گا۔ میری ایک

بچی ہے جو مجھے بہت پیار ہے، میں اُسے تجھ پر سے تصدق کرتا ہوں۔“

پھر ملک الموت کی طرف متوجہ ہوئے۔ فرمایا :

”تم بغیر کوئی جان لیے واپس جانے والے نہیں ہو۔ اچھا میری بیٹی کی روح اس کے بدلے

میں لے لو۔ شہزادی کو تو میں خدا تعالیٰ سے خرید چکا ہوں۔“

اس کے بعد شیخ اپنی لڑکی کے پاس گئے۔ اسے کوئی بیماری نہ تھی۔ گھر کے صحن میں بیٹھی کام کر رہی تھی۔ باپ کو آتا دیکھ کر اوبسے کھڑی ہو گئی۔ شیخ نے کہا:

”اے لختِ جگر! مجھے اپنی جان بخش دے، کیونکہ نفعِ رسائی میں تو شہزادی کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔“

اس معصومہ نے بلاتامل عرض کیا:

”اے پدرِ بزرگوار! میری جان آپ کے حکم میں ہے، جو مناسب سمجھتے ہیں، عمل میں لائیں۔“

شیخ نے ملک الموت سے فرمایا:

”اگے بڑھ اور اس کی رُوح قبض کر!“

اسی وقت شیخ کی لڑکی فرش پر گر پڑی اور مر گئی۔

پتھر سے درخت پھوٹ نکلا | شیخ عدی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک مُرید آیا۔
اور بولا:

”اے شیخ! میں چاہتا ہوں کہ اس جنگل میں رہوں اور لوگوں سے قطع تعلق کر لوں،
کیا اچھا ہوتا کہ یہاں پانی ہوتا کہ میں پیا کرتا اور کچھ کھانے کو مل جاتا کہ میں
اپنی قوت بنانا۔“

شیخ اٹھا وہاں پر دو پتھر پڑے تھے۔ ایک پر پاؤں مارا تو اس سے میٹھے پانی کا چشمہ
جادی ہو گیا۔ دوسرے پر پاؤں مارا تو اناہ کا ایک درخت پھوٹ نکلا۔ اناہ سے کہا:
”اے درخت! ہر روز خدا کے حکم سے ایک اناہ شیریں اور دوسرے دن
کھٹا دیا کر۔“

امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ہم نے اس اناہ کا مشاہدہ کیا تھا۔ واقعی وہ دُنیا

کے بہترین اناروں میں سے تھا۔

وقت میں فراخی پیدا ہوگئی | شیخ الشیوخ ابن سکینہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید قرآن مجید پڑھ رہا تھا جب فی یومِ کَانَ مَقْدَارُهُ خَمْسِينَ اَلْفَ

سَنَةِ پُر پھینچا۔ تو اس کے دل میں ترود سا پیدا ہوا کہ ایک دن ہزار سال کا کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہ شخص فن زرگری میں ماہر تھا۔ جمعہ کے دن شیخ کی خانقاہ سے درویشوں کے مصالے مسجد جامع میں لے جا کر بچھاتا اور نماز کے بعد انہیں لپیٹ کر واپس خانقاہ میں لے آتا۔ جمعہ کا دن تھا۔ اُس کے ہاں چند مہمان اُئے ہوئے تھے۔ اُس نے بازار سے مچھلی خرید کر گھر میں دی کہ اُسے مہمانوں کے لیے تیل کر رکھیں۔ نماز کا وقت قریب تھا۔ اُس نے مصالے مسجد میں پھینچانے تھے۔ لیکن اُس نے سوچا کہ پہلے دریا پر جا کر غسل کر لوں۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا دجلہ پر پہنچا۔ کپڑے اُتار کر کنارہ پر رکھے اور خود پانی میں اُتر گیا۔ ڈبکی لگا کر جب سر باہر نکالا تو کیا دیکھتا ہے کہ نہ وہ دریا ہے اور نہ وہ شہر۔

لوگوں سے پوچھا یہ کون سا دریا ہے؟

انہوں نے جواب دیا۔ ”دریائے نیل!“

سنار تعجب میں پڑ گیا۔ پانی سے باہر نکل آیا۔ شہر قریب ہی نظر آ رہا تھا۔ وہی تہمد پہنے شہر میں گیا اور ایک سنار کی دوکان پر جا کر چپ چاپ ٹھہر گیا۔ دوکاندار نے فراست سے معلوم کر لیا کہ یہ کوئی سنار ہے۔

بلا کر قریب بٹھایا اور آزمائش کے لیے تھوڑا سا کام دیا۔ جسے اس نے عمدگی سے کر لیا۔ دوکاندار نے اس کی بڑی عزت کی۔ گھر لے گیا اور اپنی لڑکی کا اس سے نکاح کر دیا۔ سات سال اس شخص کو اسی طرح مہر میں گزار گئے۔ اس بیوی سے اس کے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک دن معمول کے مطابق نیل پر آیا۔ نہانے کے لیے ڈبکی لگائی۔ جب سر باہر

۱۔ تاریخ مرآة الجنان عبرة الیقظان فی معرفت حواری الزمان۔ از امام عبداللہ الیاقعی البیہقی رحمۃ اللہ علیہ
۲۔ ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔

نکالا تو دیکھا کہ بغداد کے درجہ میں کھڑا ہے اور کپڑے جو سات سال پہلے پہن کر آیا تھا، جوں کے توں ایک پتھر پر رکھے ہیں۔

سنار نے جلدی جلدی کپڑے پہنے اور افتاں و خیزاں خانقاہ میں آیا۔ دیکھا کہ مصطلے اسی طرح بندھے پڑے ہیں۔ چند درویش جو خانقاہ میں بیٹھے تھے۔ بولے:

”جلدی مصطلے مسجد میں لے جا۔ کیونکہ جماعت کے کئی درویش صبح سے مسجد گئے ہوتے ہیں۔“

سنار دم بخود مصطلے اٹھا مسجد پہنچا اور نماز کے بعد انہیں لپیٹ کر خانقاہ میں لے آیا۔ گھر گیا تو بیوی نے تلی ہوئی مچھلی سینی میں رکھ کر پیش کی کہ مہمانوں کو کھلاؤ۔ سنار نے مہمانوں کو کھانا کھلایا اور اس کے بعد شیخ ابن سکینہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ تمام ماجرا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا:

”مصر جا کر اپنے بچوں کو لے آ، پھر اس امر پر غور کریں گے۔“

سنار چند دنوں میں ہی اپنی بیوی بچوں کو مصر سے لے آیا۔ بغداد کے ہر گھر میں اس کا پوچھا ہونے لگا۔

شیخ نے سنار سے پوچھا کہ اب یہ بتا کہ اس دن تم کس فکر میں تھے اور تمہارے دل میں کیا بات آئی تھی؟

اس نے دل کا تردد بیان کیا۔ فرمایا:

”خدا نے تیرے ایمان اور اعتقاد کی درستی کے لیے زمانے کی درازی اور فراخی کا نمونہ پیش کیا۔ وہ اس امر پر قادر ہے کہ بعض بندوں کی نسبت زمانے کو فراخ اور دراز کر دے۔ باوجودیکہ دوسروں کے لیے وہ زمانہ ٹھوڑا ہو اور یہی زمانہ کے قبضن کا حال ہے کہ اگر چاہے تو طے زمانہ کو ٹھوڑا کر دے۔ واللہ قادر علیٰ من یشاء۔“

۱۔ خرق عادت کے منکرین کا تمام تر استدلال یہ ہے کہ خرق عادت، قانونِ فطرت کے خلاف ہے اور جو چیز قانونِ فطرت کے خلاف ہو وہ ممتنع ہے۔ اس دلیل کے دوسرے حصے سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن پہلے حصے کے ثابت ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ کیا فطرت کے تمام قوانین منضبط ہو چکے ہیں؟ کیا اس پر اطمینان ہو چکا ہے کہ

(باقی صفحہ نمبر ۲۳۵ پر)

ایک مرتبہ قطب الاقطاب چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں سلوک کا ذکر ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا:

”سلوک کی دنیا میں کامل مرد وہ ہے کہ جب ولایت کے مرتبہ کو پہنچے۔ اگر اُس وقت مردے کی حق میں دعا کرے تو وہ زندہ ہو جائے“

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۴ سے) ہم جن امور کو قانونِ فطرت سمجھ رہے ہیں، وہ درحقیقت قانونِ فطرت ہیں۔ علومِ جدیدہ کی تحقیقات اور تجربہ نے سینکڑوں ایسے قوانینِ فطرت دریافت کئے جو پہلے مطلق معلوم نہ تھے اور یہ سلسلہ برابر قائم ہے۔ صدہا سال سے فقراء کے متعلق یہ واقعات منقول چلے آتے ہیں کہ وہ محض توجہ قلب سے دوسرے شخص کو مدہوش و متاثر کر سکتے تھے۔ موجودہ زمانے کا مادہ پرست طبقہ اس بناء پر انکار کر رہا ہے کہ یہ خلافِ قانونِ فطرت ہے کہ ایک مادہ بغیر اس کے کہ دوسرا مادہ اس سے ملاتی ہو، کسی قسم کا اثر قبول نہیں کرتا۔ لیکن جب مسمریزم کے تجربوں نے قوتِ نفسانی کا اثر ثابت کیا تو پچھلے تمام واقعات تسلیم کرنے پڑے۔ آج مسمریزم کا ایک مشاق علی رؤس الاشهاد دوسرے اشخاص کو محض قوتِ نظر سے یا قوتِ نفس سے بے ہوش کر سکتا ہے۔ اس سے جو بات چاہے کہلواسکتا ہے، جو کام چاہے کر سکتا ہے۔

قدیم عربی کتابوں میں مذکور ہے کہ مصر میں ایک مچھلی ہوتی ہے جس کے چھوٹے جسم پر ریشہ طاری ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر آدمی اس کو ہاتھ سے پھینک نہ دے۔ تو ریشہ کی شدت سے بے ہوش ہو کر گر جائے۔ یہ واقعہ ایک عرصہ تک خلافِ عقل قرار دیا جاتا رہا۔ لیکن موجودہ تحقیقات نے اس مچھلی کا وجود ثابت کر دیا اور معلوم ہوا کہ اس میں بجلی ہوتی ہے۔

نور دیورپ کے محققین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جس قدر تحقیقات بڑھتی جاتی ہے۔ ناممکن چیزیں ممکن ثابت ہوتی جاتی ہیں۔ فرانس کا مشہور فاضل کمیل فلامریان (فزیکل سائنس کا ماہر) لکھتا ہے کہ انسان کی فطری عادت یہ ہے کہ جو چیز بظاہر مشکوک ہوتی ہے یا جس کو وہ نہیں جانتا اور سمجھ نہیں سکتا۔ اس کے وجود سے انکار کرتا ہے۔ ہیروڈوٹس یا یلیں کا تحریروں میں اگر ہم یہ پڑھتے کہ ایک عورت کی ران میں چھاتی تھی اور وہ اس سے اپنے بچہ کو دودھ پلاتی تھی، تو

(باقی صفحہ ۲۳۴ پر)

خواجہ صاحب ابھی یہ بات کہہ رہے تھے کہ ایک بڑھیا روتی ہوئی آئی اور عرض کی :
 ” حضور! میری فریاد سنئے، بادشاہ نے میرے لڑکے کو بے گناہ پھانسی پر چڑھا دیا ہے“
 یہ سننے ہی آپ کھڑے ہو گئے، عصا ہاتھ میں لیا اور احباب کو ہمراہ لیے بڑھیا کے پیچھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۵ سے) ہمیں بے اختیار ہنسی آتی اور ہم استہزا کرتے۔ لیکن پیرس کی علمی کانفرنس منعقدہ ۲۵ جون ۱۸۷۲ء میں یہ واقعہ براء العین مشاہدہ کیا گیا۔ اسی طرح اگر کوئی ہم سے یہ کہتا کہ ایک شخص مر گیا اور جب اُس کی تشریح کی گئی تو اس کے پیٹ میں ایک بچہ پایا گیا جو اس شخص کا قوام تھا اور اس کے جسم میں پرورش پاتا رہا تھا تو ہم اس واقعہ کو محض خرافات سمجھتے۔ لیکن چند روز ہوئے ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بچہ چھین برس تک بدن ہی میں پرورش پاتا رہا۔ اور پھر ظاہر ہوا۔

ہیرڈوٹس کے ایک مترجم نے لکھا ہے کہ لوگوں کا یہ بیان کہ سکندر کی بیوی روکسان سے ایک بچہ دیا تھا، جس کا سر نہ تھا، خلاف عقل سمجھا جاتا تھا۔ لیکن آج تمام طبی ڈکٹریوں میں تسلیم کیا جاتا ہے کہ بہت سے بچے بغیر سر کے پیدا ہوتے ہیں۔“ اس قسم کے واقعات ہم سے کہتے ہیں کہ ہم کو احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ کیونکہ جو لوگ بغیر بصیرت کے انکار کر دیا کرتے ہیں، وہ جاہل اور کودن ہیں۔

دنیا میں خرق عادات سے ہمیشہ اس فرقے کو انکار رہا ہے جو طبعی اور مادہ پرست ہوتا ہے۔ یورپ کا ایک مدت تک یہی حال رہا۔ پھر ایک فرقہ پیدا ہوا۔ جس نے روح اور روح کے اثرات کی تحقیقات پر توجہ دی۔ ان لوگوں نے کافی تجربات کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ روح جسم سے ایک جداگانہ چیز ہے اور اس کے قوی اور ادراکات بالکل الگ ہیں۔ روح سینکڑوں کوس سے بغیر خواہ اس کی وساطت کے ہر چیز کو دیکھ سکتی ہے اور سن سکتی ہے۔ روح آئندہ واقعات کا ادراک کر سکتی ہے۔ روح کوسوں تک اپنا اثر پہنچا سکتی ہے۔ غرض روح کے ذریعہ سے بہت سے ایسے افعال ہو سکتے ہیں جن کو خرق عادت کہا جاتا ہے۔ اس فرقہ نے اپنے دعویٰ کو اس بلند آہنگی سے ظاہر کیا کہ لوگوں کو اس کی تحقیقات کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ ۱۸۸۹ء میں بمقام لندن ان امور کی تحقیقات کے لیے ایک بڑی مجلس منعقد ہوئی۔ اٹھارہ ماہ تک یہ مجلس برابر تحقیقات کرتی رہی۔ انجام کار اس نے جو رپورٹ مرتب کی اُس کے بعض فقرات یہ ہیں :

”مجلس نے اپنی رائے کا مدار صرف ان تجربات پر رکھا جو مجلس نے براء العین مشاہدہ کئے اور جن (باقی صفحہ ۲۳۷ پر)

روانہ ہوئے۔ وہ حضرت کولاشس کے پاس لے گئی۔ لڑکا پھانسی پر لٹکا ہوا تھا۔ شیخ نے مصلوب کی گردن پکڑ کر آسمان کی طرف نگاہ کی اور کہا:

”اے پروردگار! اگر یہ لڑکا بے گناہ سُولی پر چڑھایا گیا ہے تو اسے زندہ کر دے“

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۶ سے) میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ مجلس میں چارہ پانچ نمبر ایسے تھے جو شروع میں ایسے واقعات کے سخت مُنکر تھے اور سمجھتے تھے کہ ان واقعات میں یا تو فریب اور شعبدہ بازی سے کام لیا جاتا ہے یا خود انسان کے عصبی نظام کا اثر ہے۔ لیکن نہایت دقیق اور مکرر تجربوں کے بعد ان کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ یہ ترقی عادات حقیقی اور واقعی ہیں۔

اس کے بعد انگلستان اور امریکہ میں اس کی تحقیقات کے لیے ایک اور مجلس بیٹھی۔ جس کے صدر ہنزلیوب اور ہوڈسن تھے۔ یہ مجلس تقریباً بارہ برس تک تحقیقات میں مصروف رہی۔ بالآخر ۱۸۹۹ء میں اس نے اپنی تحقیقات ختم کی اور ان واقعات کی صحت کا اعتراف کیا۔ چنانچہ رپورٹ کے خاتمہ پر لکھا ہے:

”مجھے امید ہے کہ میں برس دن کے بعد تمام دُنیا کو بدلائل قطعہ یہ ثابت کروں گا کہ اس عالم فانی کے بعد ایک اور عالم ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے وہ ترقی عادات دیکھے جن کی نسبت کسی طرح شعبدہ اور فریب کا احتمال نہیں ہو سکتا۔“

ہوڈسن کی رپورٹ کے چند جملے ملاحظہ ہوں:

”دُنیا کو بہت جلد عظیم الشان اطلاعات موصول ہونے والی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ایک دو برس میں دُنیا کے لیے انسانی زندگی کے قوانین فطرت کی نئی تفسیر پیش کر دوں گا۔ اگر پروفیسر ہنزلیوب نے یہ دعوے کیا ہے کہ اس نے مردوں کی روحوں کے ساتھ باتیں کیں، تو اس نے بالکل سچ دعوے کیا ہے۔“

ایک اخبار کے نامہ نگار نے ہوڈسن سے اسی مسئلہ کے متعلق بات چیت کی تو اس نے یہ کہا:

”میں نے اور پروفیسر ہنزلیوب نے ایک ساتھ تحقیقات شروع کی، ہم دونوں دہریہ تھے اور کسی شے (باقی صفحہ ۲۳۸ پر)

ابھی یہ جملہ حضرت کے منہ میں تھا کہ لڑکا زندہ ہو گیا۔

حضرت محبوب الہی دہلوی یہ روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ مرد کا کمال اسی قدر ہوتا ہے، جب انسان اس درجے پر پہنچ جائے تو پھر اس سے آگے کا مقام سوائے اللہ تعالیٰ

(یقینہ جاشیہ صفحہ ۲۳۷ سے) پر یقین نہیں رکھتے تھے تحقیقات سے ہماری یہ غرض تھی کہ مدعیان روحانیت جو شعبہ بازیاں کرتے ہیں، ان کی پردہ درمی کی جائے۔ لیکن آج میں اس بات کا قائل ہوں کہ مردوں سے بات چیت ہو سکتی ہے اور اس کے متعلق ایسے دلائل ظاہر ہو چکے ہیں کہ اب شبہ کی مطلق گنجائش نہیں رہی۔“

رسل ویلز اپنی کتاب ”عجائباتِ روح“ میں لکھتا ہے :

”میں محض دہریہ تھا۔ مجھ کو ذرا معجز بھی خیال نہ تھا کہ میں روح کا معترف ہو سکوں گا۔ لیکن حیرت نیز مشاہدات نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں ان حقیقی چیزوں کو حقیقی اور واقعی تسلیم کروں۔“

۱۸۹۳ء میں بمقام میلان ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد ہوئی۔ نامور حکماء نے اجلاس میں ان امور کی تحقیقات کی اور بالآخر اپنی رپورٹ میں لکھا کہ جو خرق عادات ہم نے مشاہدہ کئے۔ ان میں کسی قسم کی شعبہ بازی اور چالاکی نہیں تھی اور یہ مشاہدات یہ درجہ رکھتے ہیں کہ مسائل علمیہ میں داخل کئے جائیں۔

اس قسم کی صد ہا شہادتیں ہیں، جنہیں نقل کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس لیے ہم بوعلی سینا کی رائے پر اکتفا کرتے ہیں کہ انہیں بھی ایک مدت تک خرق عادات سے انکار رہا۔ لیکن جو صوفیائے کرام اس زمانہ میں موجود تھے ان کی کرامات اس کثرت سے ان کے مشاہدے میں آئیں کہ بالآخر ان کو اعتراف کرنا ہی پڑا۔ اشارات میں خود ان کے الفاظ سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس پر پچولیزم والے تو صاف تسلیم کرتے ہیں کہ روح ایک مستقل جداگانہ چیز ہے اور یہ خوارق عادات اسی کے آثار ہیں۔ جو لوگ روح کے قائل نہیں، ان کو بھی مشاہدات اور تجربوں کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑا کہ انسان میں کوئی ایسی قوت ہے جس سے وہ خوارق عادات سرزد ہوتے ہیں جو جسم اور مادہ سے سرزد نہیں ہو سکتے۔

غرض خرق عادات و کرامات اہل اللہ کا ہر سلیم الفطرت انسان عام اس سے کہ وہ عالم ہو یا جاہل، رند ہو یا صوفی، متدن ہو یا وحشی کم عقل ہو یا فلاسفر، اعتراف و اقرار کرتا ہوا ”کوامات اللادلیاء حق“ کا نعرہ لگاتا ہے۔

(اقتباس از ذکر العارفين) از مولانا غلام قادر صاحب اشرفی فریدکوٹی، مطبوعہ حجازی پریس لاہور

کے اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں :

” درویشی کے ستر مرتبے ہیں۔ جن میں سے پہلا یہ ہے کہ جب درویش اسے طے کر لے تو اسے اتنی روحانی قوت حاصل ہو جاتی ہے کہ اگر زمین کی طرف نگاہ کرے تو تحت الثریٰ تک کی چیزیں دکھائی دینے لگیں اور اگر آسمان کی جانب نظر اٹھائے تو عرشِ عظیم بے حجاب نظر آئے۔ لیکن جو درویش ستر ہزار مرتبے طے کر لیتا ہے۔ اس کی روح عظمتِ کبریا کے ساتھ مل جاتی ہے۔ یہ بات عقل و فکر میں نہیں آسکتی۔ یہ عقل کی حد سے باہر ہے۔“

بعد ازاں فرمایا :

و جس طرح درویشی کا مقام ستر ہزار عالم سے بالاتر ہے۔ اسی طرح جو درویش ستر ہزار عالم سے باخبر نہیں، وہ درویش ہی نہیں۔ اس میں ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جب مراقبہ کرے تو اٹھارہ ہزار عالم کے گرد پھرائے اور جب واپس آئے تو اپنے تئیں سجادہ پر پائے۔“

یہ کسی عالمی کے الفاظ نہیں، حضرت سلطان المشائخ محبوب الہی نظام الدین اولیاء دہلوی کا دعویٰ ہے، جن کی عظمت اور جلالت کے اگے علاء الدین خلجی جیسے قہرمان سلاطین نے سر جھکا دیئے تھے۔ دنیا کے تقویٰ کا جلیل القدر شہریار کہ سات سو برس سے اس کی مرقد پاک مرجع خلایق چلی آتی ہے اور آج جبکہ کفرستان ہند میں کوئی مسجد اور کوئی خانقاہ محفوظ نہیں ہے۔ بھارت کے بڑے بڑے سکھ اور ہندو لیڈر حضرت کی آرام گاہ پر حاضر ہو کر عقیدت کے پھول پنچا اور کرتے ہیں۔ یہ شخصیتیں تفرقات اور کشف و کرامات کی دنیا سے وراء الوراہ ایسے مقام پر پہنچ چکی تھیں کہ طرفۃ العین میں اٹھارہ ہزار عالم کی سیر کر لیتی تھیں۔ ان کی روحیں عظمتِ کبریا کے ساتھ کچھ اس طرح سے مل چکی تھیں کہ انسانی عقل و فکر اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔ مادہ پرست حضرات اپنی جگہ سچے ہیں وہ بچارے ان باتوں کو کیا جانیں؟ سلوک کی واہی میں جیب کوئی شخص داخل نہیں ہوا۔ اس سے اس کے عجائبات کا کیا علم؟ بقول حکیم شیراز ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

کرامت معیارِ درویشی نہیں | محبوب الہی دہلوی فرماتے ہیں کہ جب اولیاء اللہ شروع

کے غلبات میں ہوتے ہیں تو "سکر" کے عالم میں ان سے
خوارق کا ظہور ہوتا ہے۔ لیکن جو کامل ہیں ان سے کسی قسم کا بھید ظاہر ہونے نہیں پاتا۔
مرداں ہزار دریا خوردند و تشنہ رفتند

اگے چل کر فرماتے ہیں کہ کرامت درویشی کے لیے حجاب کا مرتبہ رکھتی ہے۔ جن لوگوں
نے درویشی کا معیار کشف و کرامات مقرر کر رکھا ہے، انہیں یہ سن کر مایوسی ہوگی کہ مستقیم الاحوال
درویشوں سے خوارق اور کرامات کا اظہار بہت کم ہوتا ہے۔ اس موقع پر حضرت محبوب الہی نے
شیخ سعد الدین جمویہ کی ایک دلچسپ حکایت لکھی ہے کہ آپ کے ملک کا بادشاہ ایک دفعہ آپ کو
بلنے آیا۔ حضرت کے اگے سیبوں سے بھرا ہوا تھال رکھا ہوا تھا۔ آپ سیب چاقو سے کاٹنے کا
کر خود بھی کھا رہے تھے اور بادشاہ کو بھی کھلا رہے تھے۔ تھال میں ایک سیب سے بڑا
پڑا تھا۔ بادشاہ کی نظر اُس پر پڑی تو اُس نے خیال کیا کہ اگر شیخ میں کچھ کرامت اور صفاتی ہے
تو وہ سیب اٹھا کر مجھے دے گا۔

جو نہی بادشاہ کے دل میں یہ خیال آیا، شیخ نے ہاتھ بڑھا کر وہ سیب اٹھا لیا اور بادشاہ
کی طرف مخاطب ہو کر اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان کرنا شروع کیا۔ فرمایا:
"وہ ایک دفعہ میں سیر کرتے کرتے ایک شہر میں جا نکلا۔ وہاں ایک قلندر کو تماشا کرتے
دیکھا۔ بہت سے لوگ اس کے گرد اکٹھے ہو رہے تھے، میں بھی چلا گیا۔ دیکھا کہ اُس نے
ایک گدھے کی آنکھیں کپڑے سے باندھ رکھی ہیں۔ اسی اثناء میں قلندر نے ایک انگوٹھی
جیب سے نکال کر ایک شخص کے حوالے کی اور تماشائیوں سے کہا۔ اب یہ گدھا بتائے
گا کہ انگوٹھی کس کے پاس ہے۔ پھر گدھے کو پکڑ کر اس مجمع میں پھرا لیا۔ وہ ہر ایک کو
سونگھتا تھا اور اگے بڑھ جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب وہ انگوٹھی والے آدمی کے پاس
پہنچا تو اُس سے سونگھ کر ٹھہر گیا۔ قلندر نے اس آدمی سے انگوٹھی لے لی۔"

حکایت ختم کرنے کے بعد شیخ نے بادشاہ سے فرمایا:
"وہ اگر لوگ کرامت یا کشف دکھائیں تو اس گدھے کی مانند ہیں اور اگر نہ دکھائیں تو تم

لوگ سمجھتے ہو کہ یہ درویش صفائی اور کرامت سے خالی ہے۔
یہ کہہ کر سبب اس کی طرف پھینک دیا۔ بادشاہ بڑا شرمندہ ہوا۔
یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر کشف و کرامات سلوک میں محمود تصور نہیں ہوتی تو پھر اکابر
اولیاء اللہ سے اس قسم کے خوارق ظہور میں کیوں آئے؟ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ، داتا گنج بخشؒ،
شیخ الہند اجمیریؒ، شاہ یوسف گردیز اور شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمہم اللہ علیہم اجمعین
اس پایہ کے درویش ہیں کہ ان کی روحانی عظمت کا آج تک ان کے کسی مخالف نے بھی انکار نہیں
کیا۔ ان تمام سے کشف و کرامات کا صدور ثابت ہے۔ صاحب فوائح العرفان نے صفحہ ۹۸ پر
اس امر کو صاف طور پر واضح کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

وہ اگرچہ اہل کمال کے نزدیک کشف و کرامات کی کچھ وقعت نہیں، لیکن بوعارف مخلوق
کے افاضہ اور تلقین پر مامور ہو۔ اس سے خرق عادت باتیں سرزد ہوتی ہیں۔ جن سے
لوگوں کا اعتقاد ان کے حق میں راسخ ہو۔ اس سے ان کے کمال میں کچھ نقصان پیدا
نہیں ہوتا۔ خلافت اس کے سالک کے لیے جو بھی منازل راہ طے کر رہا ہو۔ ظہور خرق عادت
خلل کا باعث ہوتا ہے۔ حضرت گنج شکرؒ فرماتے ہیں:-

جو شخص ابتداء میں غلبات شوق کی وجہ سے اسرار ظاہر کرے۔ وہ اس کی خام کاری
ہے۔ کیونکہ جہاں تک نگہداشت کی حد ہے۔ وہاں تک اسے محفوظ رکھنا ہی چاہیئے،
لیکن جب درویش دوست کے اسرار سے مالا مال ہو جائے، اس وقت اگر اس کی
زبان سے کوئی بات نکل جائے، تو کوئی ہرج نہیں۔ کیونکہ جب جگہ ہی نہ رہے،
تو وہ پھر کیا کرے؟

امام عبدالوہاب شعرائی قدس سرہ ابیواقیت و الجواہر میں لکھتے ہیں کہ انبیاء معجزات کے
ذریعے مشرکین پر غلبہ بکڑتے ہیں اور اولیاء کرامات کے ذریعے تاکہ وہ اصلاح پذیر ہو جائیں
اور اطمینان حاصل کر لیں۔

حضرت امام حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال کیا گیا کہ صحابہ کرام سے کرامات اس کثرت سے وقوع میں کیوں نہیں آئیں۔ جتنی کہ ان کے بعد کے اولیاء کرام سے صادر ہوئیں۔ فرمایا: «صحابہ کرام کا ایمان بدرجہ غایت قوی تھا۔ اس لیے انہیں کرامات ظاہر کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ لیکن ان کے بعد جب لوگوں کا ایمان ضعیف ہو گیا، تو اسے تقویت دینے کے لیے اولیاء کرام سے کرامتوں کا اظہار ہوا۔»

حضرت محبوب الہی دہلوی نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پُر لطف واقعہ بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ بغداد میں قیصر روم کے قاصد مناظرہ کے لیے آئے۔ ہارون رشید نے امام شافعی سے درخواست کی کہ آپ ان سے بحث کریں۔

امام نے منظور فرمایا اور کہلا بھیجا کہ کل وجہ کے کنارے بحث ہوگی۔ دوسرے دن خلیفہ نے وجہ کے کنارے دربار لگایا۔ روم کے قاصد تخت کے پاس بیٹھے اور بحث کے لیے تقاضا کرنے لگے۔ اتنے میں امام صاحب بھی اُپہنچے اور مسلمانوں کو سلام کر کے دریا کی طرف بڑھے چلے گئے۔ منجدھار میں سطح آب پر مصلیٰ بچھا دوگانہ ادا کیا اور وہیں سے پکار کر کہا کہ جس کسی نے ہم سے بحث کرنا ہو، یہاں آ کر نیٹ لے۔

عیسائیوں نے جب یہ کرامت دیکھی، تو اُٹھ کر اپنی پگڑیاں گلے میں ڈالیں اور عرض کی:

«حضور! ہم نے اسلام کی حقانیت دیکھ لی۔ آپ تشریف لے آئیں تاکہ ہم معافی مانگیں»

آپ مصلیٰ سے اُٹھ کر دربارِ خلافت میں حاضر ہوئے۔ سب نے قدموں میں سر رکھ دیئے۔ جب یہ خبر قیصر روم نے سنی تو کہا:

«شکر ہے کہ امام صاحب یہاں نہیں آئے، ورنہ روم کے سارے لوگ مسلمان ہو جاتے»

۱۔ وقد سُئل الامام رضي الله عنه لم لم يشتهر عن الصحابة من كثرة الكرامات كما وقع لمن بعدهم من الالوية

فقال انما لم يشتهر عن الصحابة كثرة الكرامات لان ايمانهم كان في غاية القوة بخلاف ايمان من بعدهم فكلما ضعف

ايمان قوم كثرت كرامات اوليائهم هم تقوية ليقين ضعفاء منهم۔ (اليواقيت والجواهر، ج ۲ ص ۱۰۳)۔

امام صاحب کی اس کرامت کو "عالم سکر" اور شوقِ غلبات سے دُور کا واسطہ بھی نہیں۔
 آپ نے "عالم صحو" میں ہی اس کرامت کا اظہار کیا اور یہ حقیقت ہے کہ مناظروں سے متنازع فیہ
 امور کے فیصلے بہت کم ہوتے ہیں۔ اگر بغداد کے علماء و مشائخ ان عیسائیوں سے بحث کرنے
 پر آمادہ ہو جاتے۔ تو ان کے کئی دن اس مناظرہ کی نذر ہو جاتے۔ مگر پھر بھی یہ نتیجہ مترتب
 نہ ہوتا۔ شیخ الاسلام بہاء الحق والدین ابو محمد زکریا قدس سرہ العزیز کی کشف و کرامات بھی اسی
 قبیل سے ہیں۔ "عالم سکر" میں جو مکاشفات ہوئے اور جو کرامات صادر ہوئیں۔ ان کا ذکر
 ہم حضرت کے حالات میں ضمناً کر چکے ہیں۔ اب ہم چند اُن خوارق کا ذکر کریں گے جو "عالم صحو"
 میں آپ سے صادر ہوئے۔

اپ گزشتہ اوراق میں حضرت محبوب الہی دہلوی کی زبان مبارک سے
 شیخ الاسلام کا مرتبہ درویشی کی تعریف سن چکے ہیں۔ اب انہی بزرگوار سے حضرت شیخ الاسلام

کا مرتبہ بھی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں :

”شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ہفتاد ہزار علوم درویشی مرتب کردہ بود و آں جملہ را بکردار
 رسانیدہ بودند۔ مرتبہ ایشان بدار غایت رسیدہ بود کہ اگر نظر در آسمان مے کردند
 عظمتِ عظیم بدیدے۔ اگر نظر در زمین کردے تا تحت الثری معلوم گردیدے
 و بارہا فرمودے کہ مرتبہ درویشی ازیں بیشتر است اگر گویم شنوندگان را نہرہ آب
 شود و این ادنیٰ مرتبہ درویشی است“

یعنی شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے درویشی کے ستر ہزار علوم طے کر لیے تھے
 اور ان تمام پر اپنے عمل کو حدِ کمال تک پہنچا دیا تھا۔ انہیں اتنی روحانی قوت حاصل ہو چکی تھی کہ
 اگر آسمان کی جانب نظر اٹھاتے۔ عظمتِ عظیم بے حجاب مشاہدہ کرتے اور اگر زمین پر نظر
 کرتے تو تحت الثریٰ تک کی چیزیں دکھائی دینے لگتیں۔ بایں ہمہ وہ بارہا فرماتے تھے کہ درویشی
 کا مرتبہ اس سے بھی ارفع و اعلیٰ ہے۔ اگر کہہ ڈالوں تو سننے والوں کا نہرہ آب ہو جائے۔ یہ
 تو درویشی کا ادنیٰ درجہ ہے۔“

جن بزرگوں کا تصوف کی دنیا میں یہ مقام ہو۔ کشف و کرامات اور خوارقِ عادات سے

سہارا لینے کی انہیں ضرورت ہی کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کرامت کے اظہار کو حضور پند نہیں کرتے تھے، بلکہ اپنے خلفاء اور مریدوں کو بھی خوارق کے چھپانے کی ہدایت کر رکھی تھی۔ علی کھیری آپ کا نامور مرید تھا۔ جب اس سے بہیم کرامات صادر ہونے لگیں تو آپ سخت برہم ہوئے اور اسے اپنے حلقہ سے خارج کر دیا۔ خود بھی اس بارے میں بڑے محتاط تھے۔ ایک دفعہ شیخ المشائخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ شریک سفر تھے۔ اچانک شام کے وقت کسی ایسے دریا پر جا پہنچے، جہاں کشتی وغیرہ کا انتظام نہ تھا۔ حضرت گنج شکرؒ بلا تامل آگے بڑھے اور سطح آب پر چلنے لگے۔ لیکن حضرت شیخ الاسلامؒ دل سے فتویٰ لینے کے لیے دُک گئے کہ کرامت کا اظہار کروں یا نہ کروں۔

حضرت گنج شکرؒ نے کشف کے ذریعے حضرت کے اس تردد کو معلوم کر لیا۔ فرمایا: ”بھائی صاحب! یہ مقام بے حد خطرناک ہے۔ چوروں کا مسکن ہے۔ یہاں کرامت کے اظہار میں کوئی حرج نہیں، بلا تکلف چلے آئیے“ یہ سن کر حضرت نے بھی سطح آب پر قدم رکھا اور طرفۃ العین میں دریا عبور کر گئے۔

اسرارِ دوست فاش مکن | حضرت گنج شکرؒ رحمۃ اللہ علیہ کی بابت حضور کو اطلاع پہنچی کہ آپ سے مسلسل کرامات کا اظہار ہو رہا ہے آپ نے فوراً ان کے نام خط لکھا:

”اے درویش! یہ کیا نادانی ہے کہ دوست کے راز ظاہر کر رہا ہے۔ یہ بات اہل اسرار کے لیے ٹھیک نہیں“

حضرت گنج شکرؒ نے جواب میں تحریر فرمایا:

”بھائی جان! کام گفتگو سے گذر گیا۔ میرا سینہ اسرارِ محبوب سے اس قدر پرہو چکا ہے کہ ذرہ بھر جگہ خالی نہیں رہی۔ اب چونکہ گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے عالم انوار سے جو اسرار متجلی ہوتے ہیں، وہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اے بھائی! میں تو بڑی

کوشش کرتا ہوں کہ محفوظ رکھوں اور ذرہ بھر ظاہر نہ کروں۔ لیکن یہ میرے بس کی بات نہیں۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ میں کیا کروں؟

جب یہ خط شیخ الاسلام کی خدمت میں پہنچا، تو آپ نے سر جھکایا اور فرمایا :
 دو یار من! کارِ خویش یکمال رسانیدہ۔“

یعنی ہمارے یار نے اپنا کام انجام تک پہنچا لیا۔

اسی طرح ایک دفعہ ملتان میں عبداللہ نامی روم سے کوئی درویش آیا۔
عبداللہ رومی شہر بھر میں اس کی کرامتوں کا چرچا ہونے لگا۔ حضور کو علم ہوا تو حیران

ہو کر فرمایا :

”یہ شعبدہ باز کہاں سے ٹپک پڑا؟“

خود بنفس نفیس اس کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا :

”کھڑے ہو کر دو گانہ ادا کرو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم نماز کس طرح پڑھتے ہو؟“

شیخ عبداللہ آپ کی شخصیت سے متاثر ہو کر کھڑے ہو گئے اور دو گانہ ادا کیا۔ مگر دو قدموں کے درمیان فاصلہ ذرا زیادہ رکھا۔

آپ نے فرمایا :

”دوبارہ پڑھو! قدموں کا فاصلہ زیادہ ہے۔“

وہ دوبارہ پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا۔ مگر اس نے جتنی کوشش کی، قدموں کے فاصلہ کو درست نہ کر سکا اور اس کی ساری شیوخت کر گری ہو کر رہ گئی۔

آپ نے فرمایا :

”اچ تشریف لے جائیے اور وہاں قیام کیجئے۔“

چنانچہ عبداللہ رومی وہاں چلے گئے اور آپ کی توبہ سے بڑے مرتبہ پر پہنچے۔

لے ”اچ“ ریاست بہاولپور میں تلچ اور چناب کے سنگم پر قدیم تاریخی شہر ہے۔ جہاں شیخ الاسلام کے محبوب خلیفہ سید جلال بخاری قدس سرہ کا خاندان آباد ہے۔

درویشی کی نعمت سلب کر لی | محبوب الہی دہلوی فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین
 زکریا شریعت کے معاملے میں بڑے متشدد تھے۔ ان کے

زمانے میں علی کھیری نامی ایک شخص ہو کر رہا ہے۔ جس درویشی میں عشق اور ورد نہ ہوتا۔ یہ اس کا
 معتقد نہ ہوتا۔ خواہ وہ کتنا زاہد اور عابد کیوں نہ ہوتا۔ علی بر ملا کہہ دیتا کہ یہ تو کچھ بھی نہیں۔
 کیونکہ اس میں عشق نہیں۔ اس کی زبان سے بات تک درست نہیں نکل سکتی تھی۔ اس لیے عشق کو
 ”اشک“ کہتا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام کی شہرت سن کر حاضر ہوا اور جو کچھ سن کر آیا تھا، اس سے زیادہ
 پایا۔ دلی عقیدت سے مرید ہو گیا۔ حضرت نے اسے اور دو وظائف تلقین کئے اور وہ شہر کے
 باہر جا کر ایک حجرے میں معتکف ہو گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد ایک دفعہ حضرت شیخ الاسلام سیر کرتے ہوئے اس کے پاس چلے گئے اور
 دوران گفتگو میں علی کھیری نے مٹی کا ڈھیلہ زمین پر دے مارا، جس سے وہ زرخالص بن گیا۔ حضرت
 شیخ الاسلام نے فوراً انکھیں بند کر لیں اور فرمایا:

یا غفور! یا غفور! یا غفور! یا غفور! یا غفور! یا غفور! یا غفور! یا غفور! یا غفور!
 یہ کہہ کر آپ لوٹ آئے۔

دوسری مرتبہ جب ملنے گئے، تو شام کا وقت تھا۔ علی کھیری نے چراغ کو ذرا سا اشارہ کیا،
 وہ جگمگا اٹھا۔ شیخ الاسلام کو ملال پیدا ہوا کہ یہ عجیب آدمی ہے، جو مجھے بھان مٹی کے تماشے
 دکھا رہا ہے۔ فرمایا:

”و علی! شاید تجھے نفس اتارہ نے لے لیا ہے!“

یہ کہہ کر آپ چلے آئے۔ لیکن علی کھیری کا بُرا حال ہوا۔ واقعی اُسے نفس اتارہ نے شکنجہ میں
 کس لیا۔ وہ طرح طرح کے مکروہات میں پھنس گیا۔ منجملہ ان کے ایک جوع البقر کا عارضہ تھا
 کہ کھاتے کھاتے پیٹ نہ بھرتا۔ نہ عبادت میں لطف آتا اور نہ ہی وہ ذوق و شوق باقی رہا۔
 ناچار تنگ آکر بنگال کا رخ کیا۔ یہاں حضرت سید جمال الدین تبریزی مقیم تھے۔ ان کی خدمت
 میں حاضر ہو کر سارا حال عرض کیا۔

آپ نے فرمایا: بھائی! جب تک تمہارے واسطے شیخ الاسلام اجازت نہ دیں، بندہ

دُعا نہیں کر سکتا۔

علی کھیری کو اس جواب سے سخت مایوسی ہوئی کہ اتنے دُور دراز کے فاصلے پر جانے کو کون تیار ہو گا؟

شیخ نے ایک کاغذ پر لکھا

«راندہ آں برادر بما آمدہ است۔ اگر رخصت اُن برادر باشد در حق او دُعا کنیم»
اس خط کو حضرت نے مصلیٰ کے نیچے رکھ دیا اور کھڑے ہو کر دو رکعت نماز ادا کی، پھر مصلیٰ اٹھا کر دیکھا، تو اس کی پشت پر یہ الفاظ مرقوم تھے۔

«چوں بطرف شمار فتم است اگر ازاں فعل تو بہ کند در حق او دُعا بکنید»

شیخ جلال الدین نے پوچھا:

«اے علی! توبہ کرتے ہو؟»

عرض کی:

«ہاں! قبلہ توبہ کی»

اس پر شیخ نے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور علی کھیریؒ کو خواجہ علی ہو گیا۔

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کشف و کرامات کے سلسلہ میں کس قدر محتاط تھے۔ آپ سے جو خوارق صادر ہوئے، وہ اس کتاب کے مختلف اوراق میں بکھرے پڑے ہیں۔ ہم نے انہیں اپنے محل اور موقع پر درج کیا ہے۔ کئی یہاں پیش کر رہے ہیں۔ ان سب کی نوعیت جداگانہ ہے۔ آپ غوثِ زمان تھے۔ کئی خوارق آپ کے منصب سے متعلق ہیں۔ بعض خلق کے افاضہ اور تلقین سے تعلق رکھتے ہیں۔ کئی ایسے اسرار ہیں جو بحرِ وحدت میں مٹھاٹھ آجانے کے سبب شوقِ غلبات میں بے اختیار ظاہر ہو گئے۔ بعض ایسے ہیں، جن سے حضرت نضر علیہ السلام کی طرح محض حکمِ الہی کی تعمیل مقصود تھی۔ چنانچہ خواجہ بدر اسحاق رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ بھائی کاراندہ ہو یا ہاں آیا ہے۔ اگر اجازت ہو تو اس کے حق میں دُعا کی جائے۔

۲۔ چونکہ آپ کی طرف آیا ہے۔ اگر وہ اس فعل سے توبہ کرے تو اس کے لیے دُعا فرمائیے۔

۳۔ خلاصۃ العارفين، اردو مطبوعہ، نو لکھنؤ پریس لاہور، ص ۴۵-۴۶۔

نے اسرار الاولیاء میں حضرت گنج شکر قدس سرہ العزیز کی زبانی ایک واقعہ درج کیا ہے جس سے اس امر کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں :

آتشِ دوزخِ حرام | ایک مرتبہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا نے غلباتِ شوق میں یہ منادی کرادی کہ ”آج جو شخص میرا منہ دیکھ لے گا۔ میں ضامن ہوں کہ قیامت کے دن اسے دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا۔“

جب یہ آواز اہل اشتیاق نے سنی تو گروہ درگروہ آپ کی زیارت کو جمع ہوئے۔ یہاں تک کہ خانقاہ کا صحن لوگوں سے بھر گیا۔ اس وقت عوام کی سہولت کے لیے آپ نے سواری کا گھوڑا طلب کیا اور سوار ہو کر شہر کو روانہ ہوئے۔ اعلا پچی ہر طرف دوڑ پڑے اور جگہ جگہ اس امر کا ڈھنڈورا پٹ گیا۔ تمام شہر اپنا کاروبار چھوڑ کر حضرت کی زیارت کو دوڑا۔ آپ پر عجیب حالت طاری تھی۔ چہرہ مبارک چودہویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا اور حق بین نگاہیں جمالِ یار کے عکس کو منعکس کر رہی تھیں۔ آپ ایک ایک سے بڑے تپاک کے ساتھ مصافحہ کرتے اور فرماتے :
 ”اے بھائی! خدا کی قسم! قیامت کے دن تم دوزخ میں نہیں جاؤ گے۔“
 زہ زہ کر ارشاد ہوتا :

”ہاں بھائی! جب خداوند کریم نے اپنی مخلوق پر اس قدر انعام کیا ہے، تو میں بخل کیوں کروں؟“

ضعیفی اور عالمِ پیری کے باوجود شیخ الاسلام نے شہر کے تمام بازاروں کے چکر کاٹے اور محتاجوں اور بوڑھے آدمیوں کے ہاں خود چل کر پہنچے اور انہیں اپنی زیارت کرائی۔ اس وقت دوست نے ایک راز کے ظاہر کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسے کون چھپاتا۔

شیخ سعد الدین جمویہ کا جنازہ | حضرت گنج شکر فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ میں اور برادر

مولانا بہاء الدین زکریا ایک ہی جگہ بیٹھے تھے اور سلوک کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ دفعۃً آپ کھڑے ہو گئے اور ہائے ہائے کر کے رونے لگے۔ بار بار ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ پڑھتے اور زار زار روتے تھے۔

”میں نے پوچھا۔ بھائی! یہ کیا حالت ہے؟“

فرمایا :

دعا اٹھ کر دیکھ !

میں نے کھڑے ہو کر نگاہ کی ، تو بغداد کو سامنے پایا اور دیکھا کہ لوگ دروازہ کے باہر شیخ سعد الدین جمویہ کا جنازہ پڑھ رہے ہیں ۔

آپ کے مریدوں میں ایک صاحب بدر سبستانی تھے ۔ وہ لاہور میں رہتے تھے ۔

آپ کے مرید کو آسمان سے عیدی ملی

ایک دن عید پڑھنے کے لیے عید گاہ کو تشریف لے گئے ۔ جب نماز ختم ہوئی ، تو آپ نے آسمان کی طرف منہ کیا اور ہاتھ اٹھا کر عرض کی :

” خداوند ! ہر غلام اپنے مالک سے عیدی مانگتا ہے اور میں تجھ سے عیدی مانگتا ہوں “

بیک عمر در نعمت زیستم ! گدائے درت نیستم کیستم
اگر ہمت نہماتے از ویک سرم وگرنہ بحرماں مراں از درم

غیر از تو دگر در سے ندارم

دریاب کہ دیگرے ندارم

جب دعا کے الفاظ ختم ہوئے ۔ ایک حریر کا ٹکڑا سینہ خط سے لکھا ہوا آسمان سے نازل ہوا ۔ کھول کر دیکھا تو اس پر درج تھا ۔

” ہم نے اس عید سعید کی خوشی میں تجھ پر دوزخ کی آگ حرام کی “

عید گاہ لاکھوں آدمیوں سے پٹی پڑی تھی ۔ یہ کرامت دیکھ کر لوگ آپ کی طرف لپکے اور آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دینے لگے ۔ ایک شخص نے آگے بڑھ کر کہا :

” حضرت ! مجھے بھی عیدی ملنی چاہیے ؟ “

۱۔ اردو ترجمہ امرار الاولیاء ” شیخ سعد الدین جمویہ بڑے پایہ کے بزرگ تھے ۔ ان کی ایک دلچسپ حکایت درج ہو چکی ہے ،

ص ۱۲ ۔ طالب فضل دین چمن دین ، تاجران کتب کشمیری بازار لاہور ۔

شیخ نے حریر کا وہی ٹکڑا اُس کے حوالے کر دیا کہ یہ عیدی تجھے مبارک ہو۔ قیامت کے دن میں جانوں اور آتش دوزخ سے

اگر بخشے تو زہے رحمت نہ بخشے تو شکایت کیا

سہر تسلیم خم ہے جو مزاجِ یارہ میں آئے

سبحان اللہ! جس کے ادنیٰ مریدوں کے فضل و کمال کی یہ کیفیت ہو، اس کے اپنے مراتب کا کیا کہنا۔

حضرت شیخ الاسلام کا معمول تھا کہ اگر کوئی غریب الحال سید بناوٹی سید کو دگنی نذر

بلنے کو آتا، تو ایک خلعت اور سات اشرفی مرحمت کرتے

تھے۔ ایک مرتبہ قحط کے ایام تھے۔ ملتان کے مضافات کا کوئی کھار حاضر ہوا اور عرض کی کہ ”میں غریب سید ہوں، بھوکا مر رہا ہوں۔ خدا کے لیے مدد فرمائیے۔“

جونہی اس شخص نے اپنی گفتگو ختم کی، حضرت سرود کھڑے ہو گئے۔ بڑے ادب سے اُسے اپنی مسند پر لاکر بٹھایا اور غلام کو حکم دیا کہ چودہ اشرفیاں اور دو فاخرہ خلعتیں آپ کو پیش کرو۔“

تمام خدام اور احباب تعجب سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اس وقت تو ادب سے کچھ عرض نہ کر سکے۔ جب کھار اشرفیاں اور فاخرہ خلعتیں لے کر چلا گیا، تو ایک خادم نے بڑھ کر عرض کی:

”حضور! یہ تو فلاں گاؤں کا کھار ہے۔ جھوٹ بول کر حضرت سے اس قدر مال لے گیا۔“

حضرت نے فرمایا:

”تم ٹھیک کہتے ہو، مجھے بھی یہ بات معلوم تھی۔ لیکن جب وہ میرے سامنے پیش ہوا۔ اُس کے سر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بابرکت ہاتھ تھا۔ اس وقت میں نے آنحضرت کی ہی تعظیم کی تھی اور اسی وجہ سے عام سادات کے مقابلے میں اُسے دگنی نذر پیش کی۔“

نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں | ایک مرتبہ حضور ہاتھی پر سوار ہو کر شہر کو دیکھنے گئے۔ چوک میں ایک سوداگر غلاموں کو فروخت کر رہا تھا۔ اُس نے چوتھے پر پھوٹے چھوٹے لڑکے اور لڑکیاں بیچنے کے لیے کھڑی کر رکھی تھیں۔ اُس نے منشی کو حکم دیا کہ گھر کے لیے ایک لڑکی خرید لو۔ چنانچہ ایک قبول صورت اور ہونہار لونڈیا خرید لی گئی۔ حضرت شیخ الاسلام کے محل میں ایسی بیسیوں خادمائیں پہلے سے موجود تھیں۔ یہ بھی اُن کے ساتھ گھل مل گئی۔

دن گذرتے چلے گئے۔ لونڈیا جوان ہو کر بڑی حسین نکلی۔ اس زمانے میں غلاموں کی ہی حکومت تھی۔ خاندانی اونچ نیچ کی گنجائش تک نہ تھی اور پھر شیخ الاسلام کے گھرانے میں جہاں محض اِنَّا اَكْرَمُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ کا دور دورہ تھا اور یہ بھی اسی مجلسِ اکی شان تھی کہ خادمائیں چچی پر سے قرآن ختم کر کے اُٹھتی تھیں اور کئی ان میں ایسی باکمال عارفہ تھیں جن کا سارا وقت ذکرِ اذکار میں گزرتا تھا۔ بڑی بیگم لونڈیا کے حسن و جمال اور سنگھڑنے کو دیکھ کر کبھی کبھی دل میں یہ سوچ بیٹھتی تھیں کہ ممکن ہے حضرت شیخ الاسلام (رحمۃ اللہ علیہ) نے اُسے اپنے لڑکے کے لیے خریدا ہو، چنانچہ ایک دن کسی موقع سے اس کا ذکر حضرت شیخ الاسلام سے کر بیٹھیں۔

» کیا جوان ہو چکی ہے وہ لونڈیا ؟

حضرت نے فکر مند ہو کر پوچھا :

» اچھا آج کھانا اسی کے ہاتھ بھجوانا «

چنانچہ دوپہر کو جب حضرت شیخ الاسلام محل سرائے میں تشریف لائے، تو بڑی بیگم نے لونڈیا کو بلا کر حکم دیا کہ حضرت کی خدمت میں کھانا لے جاؤ۔

لونڈیا کو اس سے پہلے کبھی حضرت شیخ الاسلام کی بارگاہ میں حاضری دینے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ وہ خواجچہ اُٹھائے بڑے ادب سے پاؤں پر پاؤں رکھتی، دولت خانے میں داخل ہوئی۔ حضرت کی صاحبزادیاں اور پوتیاں پہلے سے حضور کے گرد جمع تھیں۔ حضرت ان سے دل لگی کر رہے تھے۔ لیکن جو نہی خادمہ پر نظر پڑی، دفعۃً سنجیدہ ہو گئے۔ ایک

بالہ پھر لونڈیا کو دیکھا۔ خوفِ الہی سے بدن مبارک پر پسینہ آگیا اور خُدا ترس نگاہوں سے آنسوؤں کے قطرات ٹپک پڑے۔ صاحبزادیوں نے یہ کیفیت دیکھی تو وہ گہرا گئیں۔ بڑی بیگم کو اطلاع ہوئی وہ ہانپتی کانپتی تشریف لائیں۔

ابھی تک خادمہ کھانے کا خوان اٹھائے کھڑی تھی اور اسی طرح حضرت شیخ الاسلام کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھارا بہ رہی تھی اور بچیاں سہمی ہوئی ایک طرف دُکھی بیٹھی تھیں۔ بڑی بیگم نے قریب پہنچ کر ادب سے پوچھا :

”حضور! یہ کیا حالت ہے؟ لونڈیا کبھی کی کھانا لے کھڑی ہے۔ کھانا تناول فرمائیے“

حضور نے آنسو پوچھتے ہوئے فرمایا :

”بیگم کیا بتاؤں؟ زکریا کے گھر میں ایک لڑکی پلے پوسے، عمر گزرا لے اور پھر دوزخ کا اندھن بنے۔ اس سے زیادہ میری بد قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے؟“

لونڈیا بڑے غور سے حضور کی تقریر سن رہی تھی۔ جب اُسے اپنی بابت یہ انکشاف ہوا تو اُس کے ہاتھ سے کھانے کا طبق گر گیا اور وہ پیچ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ خادما میں دوڑ کر آگئیں۔ کسی نے جگہ صاف کی اور کئی اس لونڈیا کو اٹھانے لگیں۔

بڑی بیگم نے پھر حضرت کی خدمت میں عرض کی :

”حضور والا! آپ زمانہ کے غوث ہیں۔ اس لونڈی کے لیے دعا فرمائیں۔ ممکن ہے اللہ میاں اس کی تقدیر بدل دیں“

حضرت نے فرمایا :

”اے نیک بخت! خدا کی مشیت میں دخل دینا فقراء کا کام نہیں۔ تجھے کچھ علم ہے کہ جب نوح علیہ السلام نے اپنے پیارے بیٹے کی بجات کے لیے دعا مانگی تھی، تو انہیں کیا جواب ملا تھا؟“

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک خادمہ نے آکر عرض کی :

”حضور! اجودھن سے حضرت فرید الدین تشریف لائے ہیں۔ فرماتے ہیں دوزخ

لوٹو یا کو میرے پاس بھیج دو“
 یہ سنتے ہی آپ کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا فرمایا :
 ”میرا بھائی آگیا۔ لوٹو یا کو جلد ہی بھیجو، وہ نجات کی کوئی راہ ضرور نکال لیں گے“
 خادما میں لوٹو یا کو حضرت گنج شکرؒ کی خدمت میں لے گئیں۔ آپ نے فرمایا :
 ”اے لوٹو یا ! پانی کا گوزہ بھر لا۔“

خادمہ پانی کا آفتابہ بھر لائی۔ آپ نے اُسے ہاتھوں پر بہا دیا۔ فرمایا :
 ”اور بھر لا۔“

لوٹو یا دوسری بار گوزہ بھر لائی۔ آپ نے اُسے بھی اسی طرح ہاتھوں پر بہا دیا اور فرمایا :
 ”اور گوزہ بھر لا !“

لوٹو یا تیسری دفعہ گوزہ بھر لائی۔ آپ نے اُس سے وضو کیا اور فرمایا :
 ”جا مبارک ہو ! خدا نے تجھے دوزخ سے نجات دی۔“

لوٹو یا دوڑتی ہوئی شیخ الاسلامؒ کی خدمت میں پہنچی۔ آپ اُسے دیکھتے ہی سجدے
 میں گر گئے اور خداوند کریم کا بڑا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد باہر تشریف لاکر حضرت گنج شکرؒ سے
 ملے اور فرمایا :

”بھائی ! تو نے کمال کیا، تین گوزوں سے لوٹو یا کی قسمت بدل ڈالی۔“
 حضرت فرید الدینؒ نے مسکرا کر عرض کی :

”ہاں بھائی ! آج طبیعت ذرا ادا اس تھی۔ آپ کے گھر کا حال معلوم کرنا چاہا۔
 مراقبہ میں سر جھکایا ہی تھا کہ حزن و ملال کا نقشہ نظروں میں پھر گیا۔ آپ کی محتاط
 طبع کا تو علم تھا، اس لیے آفتاں و خیزاں اپنے آپ کو یہاں پہنچایا۔ الحمد للہ ! کہ
 محنت برائی اور پانی کے چند چھینٹوں نے ہی اس لوٹو یا کی لوح تقدیر
 کو صاف کر دیا۔“

شیخ الاسلامؒ کے ایک مرید خواجہ کمال الدین مسعود
 شیروانی بہت مالدار سوداگر تھے اور اکثر

جہاز کو غرق ہونے سے بچا لیا

جواہرات کی تجارت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اردن سے بندرگاہ عدن کی طرف روانہ ہوئے
ابھی آدھا سفر طے کیا تھا کہ سمندر میں ہولناک طوفان آگیا۔ جہاز کا مستول ٹوٹ گیا۔ پانی کی لہریں
جہاز کے اوپر سے گزرنے لگیں۔ قریب تھا کہ جہاز ڈوب جائے۔ اس وقت خواجہ کمال الدین
انتہائی عاجزی سے شیخ الاسلام کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کی :

”اے پروردگار! المدد! المدد!“

خدا کے حکم سے اسی وقت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ جہاز پر ظاہر ہوئے اور اہل
جہاز کو بجات کی خوشخبری دے کر غائب ہو گئے۔ انا فانا ہوا بند ہو گئی۔ طوفان مٹ گیا اور
جہاز بندرگاہ عدن میں صحیح سلامت آ پہنچا۔ تمام اہل جہاز یہ کرامت دیکھ کر متحیر ہوئے اور
سوداگروں نے اپنا تہائی مال نہایت محبت اور اخلاص سے خواجہ کمال الدین کے سپرد کیا کہ
ملتان میں شیخ الاسلام کی خدمت میں پہنچاویں۔ خواجہ کمال الدین نے وہ مال لے کر اور نصف
جواہر اپنے شامل کر کے خواجہ فخر الدین گیلانی کی معرفت ملتان بھجوائے۔

خواجہ فخر الدین، خواجہ کمال الدین کے بھانجے تھے اور نہایت متورع اور دیانت دار
شخص تھے۔ قطع مسافت کے بعد ملتان پہنچے۔ انہوں نے شیخ الاسلام کو پہلی بار صرف تختہ
جہاز پر دیکھا تھا۔ اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو حضرت کو اسی صورت اور لباس
میں دیکھ کر زیادہ معتقد ہوئے اور تمام زر و جواہر جو کہ ستر لاکھ روپے کی مالیت کے تھے
بطور نذر کے پیش کئے۔ حضرت شیخ الاسلام نے وہ مال تین روز کے عرصہ میں مساکین اور
فقراء میں تقسیم کر دیا۔ خواجہ فخر الدین حضرت کی فیاضی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنا تمام مال
اسباب شیخ کی نذر کر کے حضرت کے حلقہٴ ادارت میں داخل ہو گئے اور تھوڑے سے عرصہ
میں ہی واصلانِ حق سے ہو کر ثرۃٴ خلافت حاصل کیا۔ حضرت خواجہ کم و بیش پانچ سال تک
حضرت کی صحبت میں رہے۔ انہیں شیخ الاسلام کے فرزند اکبر سلطان العارفین شیخ صدر الدین سے

۱۔ اب تک پاکستان کے ملاحوں میں یہ رسم چلی آتی ہے کہ جب کشتی کہیں بھنور میں پھنس جاتی ہے تو وہ ”مدد بہاء الحق“ کا
نعرہ لگاتے ہیں۔ خدا کے فضل و کرم سے وہ خطرہ ہٹ جاتا ہے۔

زیادہ محبت تھی۔ اکثر وقت ان کی خدمت میں گزرتا تھا۔ اس کے بعد اجازت لے کر زیارت بیت اللہ کے ارادے سے ارض پاک کو روانہ ہوئے اور جدہ پہنچ کر رحمتِ حق سے وصل ہوئے۔ مولانا جمالی لکھتے ہیں کہ اب تک ان کا مقبرہ سمندر کے کنارے موجود ہے اور مرجح خلعت بنا ہوا ہے۔ مولانا جمالی کے اصل الفاظ یہ ہیں :

”دو چوں بمقام جدہ رسید۔ برحمتِ حق پیوست۔ آلاں مقبرہ متبرکہ اور کنار دریا ہم
در مقام فرخندہ جام جدہ است و اغلب وقت اکثر مردم ہاں خطیرہ مکرمہ توجہ
دارند۔ و نذر و شکرانہ سے آرند۔“

ایک دفعہ شیخ الاسلام کے چند ارادت مند بغداد سے ملتان چلے
پیسوں کو پانی پلایا آتے تھے۔ اتفاق سے وہ ایسے بے آب و گیاہ صحرا میں

آپھنسے، جہاں انہیں پانچ روز تک پانی نہ ملا۔ پیاس سے سخت بدحواس ہوئے اور قریب
تھا کہ ہلاک ہو جائیں۔ موت و حیات کی اسی کش مکش کے اندر انہوں نے شیخ الاسلام کا نام لے کر
پکارا۔ اسی اثناء میں ایک درویش نمودار ہوا اور انہیں گوزہ سے پانی پلا کر چلا گیا۔ انہیں حضرت
شیخ الاسلام کی زیارت کا پہلے اتفاق نہیں ہوا تھا۔ جب ملتان پہنچے، تو دیکھا کہ جس درویش نے
لن و دق صحرا میں پانی پلایا تھا۔ وہی شیخ الاسلام کے نام سے مسندِ ارشاد پر بیٹھا خلقِ خدا
کو صراطِ المستقیم پر گامزن کر رہا ہے۔ بے اختیار اپنی ٹوپیاں اتار کر حضور کے قدموں
میں ڈال دیں۔

محبوب الہی دہلوی فرماتے ہیں۔ ایک روز کوئی درویش
درویش ہلاک ہو گیا حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین نے کرایا ملتان کی خدمت میں
حاضر ہو کر ثمرتِ بیعت سے مشرف ہوا۔ اس نے التماس کی کہ حضور! مجھے کوئی ایسی نعمت
عطا فرمائیں کہ ملتان سے دہلی تک میری آنکھوں کے سامنے کوئی حجاب نہ رہے۔ حضور

۱۔ خلاصۃ العارفین، مطبوعہ قومی کتب خانہ، لاہور، ص ۳۸۴۔

۲۔ خلاصۃ العارفین اردو، ص ۲۹، ۳۰۔

نے فرمایا: جاؤ یہ چلہ کرو۔ جب یہ چلہ پورا ہو گیا تو ملتان سے وہی تک اس کی نظروں میں کوئی حجاب نہ رہا۔

اس نے پھر آکر التماس کی اب میں چاہتا ہوں کہ فرش سے عرش تک میری نظروں میں کوئی حجاب نہ رہے۔ حضرت نے فرمایا:

”ایک چلہ اور پورا کرو“

جب پورا ہو گیا تو واقعی کوئی حجاب نہ رہا، تمام زمین اس کے سامنے تھی اور وہ ہر چیز کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ سخت التماس سے عرشِ معلیٰ تک تمام اشیاء اور انوار و برکات بے حجاب نظر آ رہی تھی۔ اس نے حاضر ہو کر یہ کیفیت عرض کی۔ فرمایا:

”بس کرو! اتنا کافی ہے“

لیکن درویش نے اس پر قناعت نہ کی۔ عرض کی:

”حضور! اب میں چاہتا ہوں کہ حجابِ عظمت تک کا مکاشفہ حاصل ہو!“
درویش کے اس مطالبے سے جبینِ غوثیت پر شکن آگئی۔ ناراض ہو کر فرمایا:

”ایسا نہ کہو! ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے“

ابھی زبانِ مبارک سے یہ فقرہ ادا بھی نہ ہوا تھا کہ درویش نعرہ مار کر گر پڑا اور وہ جاں بحق ہو گیا۔ یعنی واقعی وہ درویشِ جمالِ حقیقی کے مشاہدہ کی تاب نہ لاسکا اور حسنِ ازل کی شمع پر پروانہ وار تصدق ہو گیا۔

فلندروں نے ہر قدموں پر لکھ دیا | ایک مرتبہ چند ولق پوش فلندریخ شیخ الاسلام کے آستانِ قدس پر آئے۔ ایک ناشائستہ

باجوم ان کے ساتھ تھا۔ آپ اس وقت خلوت خانہ میں خواص کی تلقین و افاضہ میں مصروف تھے۔ انہوں نے بے ہنگم سا شور برپا کر دیا۔ خدامِ خانقاہ نے انہیں شور کرنے سے روکا۔ جب یہ بات نہ آئے تو حضرت کو اطلاع کی۔ آپ نے فرمایا:

”دروازہ بند کر دو“

خانقاہ کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ انہوں نے دروازے پر اینٹیں مارنی شروع کیں۔ آپ

کو علم ہوا، تو خلوت خانہ سے باہر نکل آئے اور بڑے جوش میں فرمایا :
 ”میں یہاں خود تو نہیں بیٹھا، مجھے شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بٹھایا ہے،
 مجھے مرد خدا نے یہاں بٹھایا ہے۔ دروازہ کھول دو“

جب کھولا گیا تو قلندروں نے سر قدموں پر رکھ دیا اور واپس چلے گئے۔

ایک اور کرامت | ایک مرتبہ حضرت مجلس میں تورات کی ایک حکایت بیان فرما رہے تھے۔ اتفاق سے تورات کا کوئی عالم بھی اس مجلس میں موجود تھا۔

اس نے اس واقعہ کی صحت سے انکار کیا۔ شیخ الاسلام نے غیب سے تورات کا ایک صحیفہ برآمد کر کے اس کے حوالے کیا۔ اس نے کھول کر دیکھا تو یہ واقعہ اسی طرح درج تھا، جیسے حضور نے فرمایا تھا۔

کرامت از درویشاں مطلب | لاہور کے قریب دریا کے کنارے حضرت شیخ الاسلام کا ایک مرید رہتا تھا۔ کچھ زمین اُسے معافی کے طور پر ملی ہوئی تھی۔ ایک دفعہ حاکم پنجاب کا تحصیلدار ادھر سے گزرا اور اس درویش کی زمین پیمائش کرنے لگا۔ بولا :

”اتنے سالوں سے تو سرکار کا محصول غنٹب کٹے بیٹھا ہے۔ اب کوئی کرامت دکھا
 ورنہ سب کھایا ہوا مال اگلوایا جائے گا“

اس درویش نے بڑی منت سماجت کی کہ فیروں سے نہ اُلجھ اور کرامت کا مطالبہ نہ کر۔ لیکن تحصیلدار اپنی ضد پر اڑا رہا۔ لوگوں نے بھی ہر چند سفارش کی، مگر کوئی کارگر نہ ہوئی۔ انجام کار درویش نے کہا :

”و آپ مجھ سے کیسی کرامت چاہتے ہیں؟“

۱۔ اردو ترجمہ، فوائد الفوائد، جلد اول صفحہ ۴۹۔ مرتبہ حضرت امیر حسن علی سجری رحمۃ اللہ علیہ۔

۲۔ خلاصۃ العارفین، مطبوعہ قومی کتب خانہ، لاہور، ص ۴۶، ۴۷۔

۳۔ از فقراء بگدرو کرامات از درویشاں مطلب (اسرار الاولیاء، ص ۱۳)۔

تخصیلا رنے کہا۔ اگر تو صاحب کرامت ہے تو پانی پر چل۔ درویش دریا کے کنارے جا
 کھڑا ہوا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ پڑھ کر اپنے پیر طریقت شیخ الاسلام کو یاد کیا اور دریا سے اس طرح
 گزر گیا جیسے کوئی خشک زمین پر چلتا ہے۔ تخصیلا ر خدا کی قدرت کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ جب
 درویش دوسرے کنارے پر پہنچا تو آواز دی کہ ”کشتی بھجوتا کہ واپس آؤں“
 کہا ”جیسے گئے تھے، ویسے واپس کیوں نہیں چلے آتے۔“
 فرمایا ”اس نفس شوم سے ڈرتا ہوں کہ کہیں اس میں عجب اور سخت پیدائش ہو جائے۔“
 چنانچہ وہ درویش کشتی پر سوار ہو کر واپس آیا۔

دست بائیں بے دست بدہ! ایک دفعہ حاکم وقت نے کسی قصور پر ایک شخص کے ہاتھ کاٹ

دیا۔ ایک دن اس کی یہ حالت دیکھ کر حضور کو بڑی رقت ہوئی۔ اس شخص کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:
 ”اگر کوئی آرزو ہو تو بیان کر؟“

اس نے دونوں کٹے ہوئے ہاتھ آگے بڑھائے۔

حضرت شیخ الاسلام نے آسمان کی طرف نظر کی اور عرض کی:

”دست بائیں بے دست بدہ“

اسی وقت اس کے دونوں ہاتھ درست ہو گئے۔

کتابیں جل گئیں | مولانا صدر الدین کوئی روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مولانا نجم الدین
 سنائی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے سوال کیا:

”آج کل کیا شغل ہے؟“

میں نے عرض کی ”تفسیر کا مطالعہ کر رہا ہوں۔“

فرمایا ”کون سی تفسیر؟“

عرض کی ”کشاف۔ ایجاز اور عمدہ۔“

فرمایا: "کشاف اور ایجاز کو آگ لگاؤ۔ عمدہ تیرے لیے کافی ہے۔"

مجھے یہ امر ناگوار گزرا۔ پوچھا: "کیوں؟"

فرمایا: "شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح فرماتے ہیں۔"

مجھے یہ بات اور بھی ناگوار گزری۔ جب رات ہوئی۔ چراغ جلا کر تینوں کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ ایجاز اور کشاف نیچے تھیں اور عمدہ اوپر۔ اسی اثنا میں نیند آگئی۔

اچانک شعلہ پیدا ہوا، آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ کشاف اور ایجاز تو جل گئی ہیں۔ لیکن عمدہ سلامت ہے۔

حضرت محبوب الہی دہلوی فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام کے بڑے صاحب زادے حضرت صدر الدین عارف نحو مفصل پڑھنے کے آرزو مند تھے۔

قبلہ گاہ سے اجازت طلب کی۔ فرمایا: "آج رات صبر کرو، صبح کو فیصلہ کریں گے۔"

جب رات ہوئی شیخ صدر الدین نے خواب دیکھا کہ ایک شخص کوزہ بخیروں میں جکڑے لیے جا رہے ہیں۔ پوچھا:

"یہ کون ہے؟"

کہا۔ یہ مفصل کا مصنف زکریا ہے، اسے دوزخ میں لیے جا رہے ہیں۔

مولانا جمالی "سیر العارفین میں لکھتے ہیں کہ ایک عبد اللہ نامی شیریں مقال اور خوش کلام قوال

روم سے ملتان آیا۔ اور حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں قدم بوس ہو کر عرض کی کہ شیخ الشیوخ نے مجھ سے قوالی سنی ہے آپ بھی سنیں۔

حضرت نے فرمایا:

"اگر شیخ الشیوخ نے تجھ سے قوالی سنی ہے تو زکریا بھی سنے گا۔"

عبداللہ کو اپنے پاس ٹھہرا لیا۔ رات ہوئی تو ایک شخص سے فرمایا کہ عبد اللہ اور اس

کے ساتھی کو حجرے میں لے چلو۔ تیسرا کوئی شخص نہ تھا۔ دو آدمی وہ اور ایک آپ۔
 عبداللہ کا بیان ہے کہ مجھے اور میرے رفیق کو حجرے میں پہنچا دیا گیا۔ عشاء کی نماز کے
 بعد جیب شیخ الاسلام اور اسے فارغ ہوئے، تو تنہا حجرے میں تشریف لائے اور بیٹھ کر تقریباً
 نصف پارہ قرآن کا تلاوت فرمایا۔ اس کے بعد اٹھ کر حجرے کے دروازے میں زنجیر لگا دی اور
 مجھے فرمایا:

”ہاں شروع کرو۔“

میں نے یہ شعر پڑھا۔

مستاں کہ شرابِ ناب خوردند

از پہلوئے خود کباب خوردند

جب اس بیت کی تکرار کی تو شیخ الاسلام وجد میں کھڑے ہو گئے اور چراغ گل کر دیا۔
 حجرے میں اندھیرا ہو گیا۔ ہم اسی طرح گاتے رہے۔ صرف اس قدر معلوم ہوتا تھا کہ شیخ الاسلام
 گھوم رہے ہیں۔ جب پاس آتے تھے تو دامن دکھائی دیتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت
 شیخ الاسلام جنبش اور حرکت کر رہے ہیں لیکن تاریکی کی وجہ سے یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ ضرب پر حرکت کرتے
 ہیں یا بغیر ضرب۔ جب سماع ختم ہوا، تو حضرت نے دروازہ کھول دیا اور حجرے سے باہر
 تشریف لے گئے۔ میں رات بھر مع اپنے رفیق کے اسی حجرہ میں رہا۔ صبح ہوئی تو شیخ الاسلام
 نے خادم کے ہاتھ خلعتِ فاخرہ اور بیس اشرفیاں بھجوا دیں۔

محبوب الہی دہلوی فرماتے ہیں کہ عبداللہ قوال ملتان سے رخصت ہو کر اجودھن آیا اور
 حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہ کی خدمت میں چند یوم بسر کئے۔ یہاں سے دہلی پہنچا۔
 حضرت محبوب الہی فرماتے ہیں کہ میں نے اس قوال کو دیکھا تھا۔ دہلی سے پھر واپس اجودھن
 آیا اور حضرت گنج شکر سے بمت عرض کی کہ میں ملتان جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ راستہ پر خطر ہے۔
 دعا فرمائیے تاکہ میں صحیح سلامت ملتان پہنچ جاؤں۔ آپ نے فرمایا۔ یہاں سے فلاں حوض تک

میرا علاقہ ہے۔ وہاں تک تو تم سلامت جا پہنچو گے۔ وہاں سے ملتان تک شیخ بہاء الدین کا علاقہ ہے۔

عبداللہ کا بیان ہے کہ میں حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات سُن کر چل پڑا جب حوض کے نزدیک پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہاں ڈاکہ پڑتا ہے۔ مجھے شیخ کی بات یاد آگئی اور بلا دھڑک چلا گیا۔ اللہ نے ڈاکوؤں کو اس راہ سے دُور پھینک دیا، وہ راستہ بھول گئے اور میں صحیح سلامت حوض پر جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر وضو کر کے دو گنا ادا کیا۔ بعد ازاں شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا کو یاد کیا اور کہا یہاں تک تو فرید الدین گنج شکر کی حد تھی، صحیح سلامت پہنچ گیا ہوں۔ اب آگے آپ کی حد ہے۔ اب آپ ذمہ دار ہیں۔ جب میں حوض سے آگے بڑھا، تو راہزن ننگی تلواریں ہاتھ میں لئے لٹکارتے ہوئے آ پہنچے۔ میں نے گھبرا کر شیخ الاسلام کو مدد کے لیے پکارا۔ راہزن اسی وقت ڈر کر بھاگ گئے اور میں صحیح سلامت ملتان پہنچ گیا۔ جب حاضر خدمت ہوا تو میں جامعہ سفر لاتی جو ناگور کے علاقہ میں بنا جاتا ہے پہنے ہوئے تھا۔ حضرت نے مجھے اس لباس میں دیکھ کر فرمایا ”یہ شیطانی لباس ہے۔ اسے اتار دے۔“

حضرت محبوب الہی دہلوی فرماتے ہیں کہ عبداللہ قوال کو یہ بات شاق گزری اور حوض اس لباس کے اتارنے میں مانع ہوئی۔ بے ساختہ کہہ بیٹھا کہ لوگوں کے گھر سونے چاندی سے بھرے پڑے ہیں، اس پر نظر نہیں کرتے اور ایک گلیم کہنے جو اٹھنی میں خریدی جاسکتی ہے، انہیں بُری معلوم ہوتی ہے۔ حضرت نے دیکھا کہ قوال دائرہ ادب سے نکلا جاتا ہے۔ فرمایا:

”عبداللہ ہوش میں آ! اور زبان سنبھال۔ حوض کے کنارے جب ڈاکوؤں نے مجھے ہراسیمہ کر رکھا تھا۔ ذرا اس وقت کو یاد کر کہ آخر زکریا ہی تیری نجات کا موجب بنا۔“

عبداللہ یہ فرمان سُن کر سخت نادم ہوا اور قد مبوس ہو کر اپنے قصور کی معافی چاہی۔ شیخ الاسلام کی توشان ہی یہی تھی کہ معافی پر معافی دیتے تھے اور جہین ولایت پر سکُن تک نہیں آنے دیتے تھے۔ عبداللہ کو نہ صرف معاف کیا، بلکہ اس کا دامن دینوی اور دنیاوی سعادتوں سے بھر دیا۔

حضرت شیخ الاسلام اور موسیقی

حضرت شیخ الاسلام سہروردی سلسلہ کے شیخ الكل مھے۔ سماع نہ خود سنتے مھے اور نہ ان کی خانقاہ میں کسی دوسرے کو سنتنے کی اجازت مھی۔ حضرت مولانا فخر الدین عراقیؒ کو جو حضرت کے داماد اور خلیفہ مھے۔ محض اس بناء پر خانقاہ سے نکلنا پڑا تھا کہ جب ان پر جذب و سکر کی حالت طاری ہوتی مھی، تو وہ اپنے جذبات و احساسات کا اظہار اشعار کی صورت میں کرنے لگتے مھے۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ موسیقی سے نہ تو شیخ الاسلام کو دلچسپی مھی اور نہ انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی محفل سماع کے انعقاد کا اہتمام کیا۔ حضرت شیخ الاسلام صحیح معنوں میں وارث نبوت مھے اور شریعت پر سختی سے پابند مھے۔ پروفیسر محمد شفیع مرحوم جب حضرت شیخ الاسلام کے احوال و آثار پر مقالہ مدون کرنے لگے تو انہیں عبداللہ قوال کے اس واقعہ سے سخت دھوکہ لگا اور انہوں نے محمد کرم امام خاں ٹانیک کی کتاب ”معدن الموسیقی“ کے حوالے سے لکھا ہے :-

”امیر خسرو کی طرح آپ نے بھی اس علم کے بہت سے راگ بنائے۔ چنانچہ منجملہ ان کے دھنا سری میں ملتا فی ملا کے ملتا فی دھنا سری کیا اور پوربی و دلسکار ملا کے بہادر کے نام رکھا۔“

پروفیسر محمد شفیع مرحوم بڑے فاضل انسان مھے۔ تحقیق و تجسس ان کا خصوصی میدان تھا۔ اور نیشنل میگزین میں انہوں نے بڑے معلوماتی مضامین لکھے اور بہت سی غلط روایات کی تکذیب کی۔ حضرت شیخ الاسلام سے متعلق ان سے جو غلطی ہوئی، اس سے ان کی عالمانہ صلاحیتوں پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ سہو اور نسیان انسان کا خاصہ ہے۔ وہ بہت بڑے عالم اور محقق ہونے کے باوجود بھی ایک انسان مھے۔ اگر ان فقرات کا انتساب وہ کسی دانشور اور ادیب سے کرتے،

۱۱) علماء امتی کا نبیاء پنج اسرائیل (الحدیث) (۲) الشیخ فی قومہ کا النبی فی امتہ

۱۲) مقالہ شیخ الاسلام بہار الدین زکریا، از پروفیسر محمد شفیع پرنسپل اور نیشنل کالج لاہور، ص ۲۱

تو ہم قطعاً بحث میں نہ پڑتے۔ مگر یہاں تو معاملہ ایسی سرکار کا ہے جو لاکھوں اور کروڑوں کا مقدا ہیں۔ اگر آج یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت شیخ الاسلام نے راگ اور سہرا ایجاد کئے تھے تو مصر سے فلپائن اور جاوا سماٹرا تک کروڑوں گھروں میں طبلے کھڑے لگیں گے اور ہر وہ شخص جو سروروی سلسلے میں داخل ہے، بجائے رکوع و سجود کے ٹھمریاں گانے لگے گا۔ اس لیے ہم مجبور ہو گئے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام کی پاک ذات کو اس الٹاش سے ملوث نہ ہونے دیں۔

پروفیسر محمد شفیع نے عبداللہ قوال کے واقعہ میں ایک لفظ کا اضافہ کر کے صحیح صورت حال کو مسخ کر دیا ہے کہ جب عبداللہ قوال نے عرض کی کہ (آپ کے مرشد) شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سروروی نے میری خوش الحانی سنی، آپ بھی سنیں۔ یہاں تک تو صحیح ہے لیکن آگے جو فقرہ آپ نے لکھا ہے، وہ غلط ہے۔ فرماتے ہیں: ”چنانچہ ایک شب مجلس سماع منعقد کی گئی، اس کا مطلب تو سوائے اس کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا کہ خاتقاہ عالیہ کے اندر حضرت نے عبداللہ قوال سے سماع سننے کا خصوصی انتظام کیا۔ شامیانہ نصب ہوا، دریاں اور غالیچے بچھائے گئے۔ چراغاں ہوا۔ مجلس میں حضرت اپنے صاحبزادوں، پوتوں، اکابر خلفاء، ذکر یا یونیورسٹی کے اساتذہ، سلطان ناصر الدین قباچہ فرمانروائے ملتان اور دوسارے شہر کے ساتھ قرینے سے تشریف فرما ہوئے اور پھر عبداللہ نے اپنے کمالات کا مظاہرہ شروع کیا۔“

آپ کسی بھی مبصر سے دریافت کر لیں، وہ ”ایک شب مجلس سماع منعقد ہوئی“ کا یہی مطلب لے گا۔ مگر حاشا وکلاً، صورت حال ایسی نہیں ہے۔ عبداللہ کا اپنا بیان ہے کہ ”مجھے اور میرے رفیق کو حجرے میں پہنچا دیا گیا۔ عشاء کی نماز کے بعد جب حضرت شیخ الاسلام اور اسے فارغ ہوئے، تو ہتھاجرے میں تشریف لائے اور بلیٹھ کر تقریباً نصف پارہ قرآن کا تلاوت فرمایا۔ اس کے بعد اٹھ کر حجرے کے دروازے میں زنجیر لگا دی اور مجھے فرمایا ”ہاں شروع کرو۔“ کیا اس واقعہ پر مجلس سماع کے ”العقاد“ کی تطبیق

ہو سکتی ہے ؟

امر واقعہ یہی ہے کہ حضرت نے عبداللہ سے سماع سننے پر امارگی کا اظہار اس لیے فرمایا کہ اس کے قول کے بموجب حضرت کے مُرشد کریم سن چکے تھے۔ پھر عبداللہ اور اس کے رفیق کو تنہا ایک حجرے میں بیٹھنے کا حکم دیتے ہیں۔ خود عشاء کی نماز کے بعد کافی دیر تک اوراد میں مصروف رہتے ہیں۔

جب یہ یقین ہو جاتا ہے کہ خانقاہ اور مدرسہ کے لوگ سو گئے ہوں گے۔ تو حجرے کا رخ کرتے ہیں۔ اندر داخل ہو کر خاموشی سے بیٹھ جاتے ہیں اور نصف پارہ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی خادم یا درویش صحن خانقاہ میں چل پھر رہا ہو، تو آپ کے فوراً ادھر تشریف لانے کے سبب تجسسِ حال کی کوشش نہ کرے۔

حضور اسی پر قناعت نہیں فرماتے اور پھر کھڑے ہو کر حجرے کے دروازے پر زنجیر لگا دیتے ہیں تاکہ اگر کوئی آنا چاہے تو نہ آسکے۔

عبداللہ کو حکم ہوتا ہے، شروع کرو۔

بات یہاں پر ختم نہیں ہوتی۔ حضور کھڑے ہو کر چراغ کو بجھا دیتے ہیں۔ حجرے میں گھپ اندھیرا ہو جاتا ہے۔

عبداللہ کا اپنا بیان ہے کہ ہم لوگ تاریکی میں اسی طرح گاتے رہے۔ صرف اس قدر معلوم ہوتا تھا کہ شیخ الاسلام جنبش اور حرکت کر رہے ہیں۔ لیکن تاریکی کی وجہ سے یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ ضرب پر حرکت کرتے ہیں یا بغیر ضرب۔ جب سماع ختم ہوا، تو حضرت نے دروازہ کھول دیا اور حجرہ سے باہر تشریف لے گئے۔

عبداللہ کہتا ہے :

صبح کو شیخ الاسلام نے خادم کے ہاتھ خلعتِ فاخرہ اور بیس اشرفیاں بھجوادیں۔

اور عبداللہ ملتان سے اجودھن کو رخصت ہو گیا۔

عبداللہ جب اجودھن اور دہلی کے سفر سے واپس آیا، تو حضرت نے پھر اس سے کچھ سنانے کی فرمائش نہیں کی اور نہ ہی خانقاہ کے کسی درویش، حتیٰ کہ عراقی نے اس سے سماع سننے کی

جسارت کی اور نہ ہی آپ کے صاحبزادوں اور اکابر خلفاء نے اُسے مُنہ لگایا۔ کیا اس ماحول میں ”دھنک دھیا“ کو راہ مل سکتی ہے اور اس خانقاہ کا نگران اعلیٰ راگ اور سُر میں ایجاد کر سکتا ہے۔

اور اصل جنہوں نے راگ اور سُر ایجاد کئے تھے وہ مخدوم بہاء الدین برناوی تھے۔

بہاء الدین برناوی تھے فقیر اللہ

نہ کہ حضرت مخدوم بہاء الدین زکریا علیہ السلام

نے راگ درپن میں اور محمد کرم امام خان نائیک نے انہی کا ذکر کیا ہے۔ خود مولوی محمد شفیع مرحوم نے بحیثیت مدیر رسالہ ”اورنٹیل میگزین“ کی اشاعت نومبر ۱۹۲۶ء میں مخدوم بہاء الدین برناوی پر ایک تفصیلی مضمون شروع کیا تھا۔ اس کی تیسری قسط میں آپ نے مخدوم صاحب اور ان کے منظور نظر قوال ”محبت“ کے بارے میں یہ عبارت درج کی تھی۔

(مخدوم بہاء الدین برناوی) کے ہاں ایک قوال محبت نامی سرائے کا متوطن تھا، وہ نسبتاً اور قوالوں کے زیادہ مستعد اور ذکی تھا۔ شعردانی اور کبیری میں اپنے اقران پر ممتاز تھا۔ اس کی آواز بڑی رسیمی تھی۔ حتیٰ کہ امراء و سلاطین میں بھی مشہور ہو گیا تھا۔ ایک دن بیداری کے پردے میں ایک خیال آپ (مخدوم صاحب) نے موزوں کیا اور قوالوں کو سکھانے لگے۔ ان میں محبت قوال بھی موجود تھا۔ وہ ہندوستانی قیدی تھے، جس میں ایک ایسا مشکل نکتہ آگیا تھا کہ قوال اس کو ادا نہیں کر سکتے تھے۔ آپ نے محبت کو ملامت کی کہ میاں تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ راگ اور تان کے اور اک میں تمہارے متعلق لوگوں کا اس قدر اعلیٰ خیال ہے اور یہ ذرا سی پیچیدہ چیز نہیں سمجھ سکتے۔ آخر محبت نے محنت کر کے اس راگ کو ادا کر دیا اور برابر ایک ماہ تک اس کی مشق کرتا رہا۔

جب مولوی محمد شفیع مرحوم کا مقالہ میری نظر سے گزرا۔ میں نے مرحوم کے صاحبزادے مولوی احمد ربانی صاحب کو لکھا کہ موسیقی کا انتساب حضرت شیخ الاسلام زکریا ملتانی سے قطعاً غلط

ہے۔ یہ چیز حضرت کے مسلک کے خلاف ہے۔ اگر آپ یہ مقالہ دوبارہ شائع کرائیں تو اس روایت کی تردید کریں۔ جس سے انہوں نے اتفاق نہیں کیا اور لکھا:

جناب احمد ربانی صاحب اپنے والد کے نہایت سعادت مند فرزند ہیں۔ خدا تعالیٰ ایسی اولاد ہر شخص کو نصیب کرے۔ وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کے والد ماجد سہو اور نسیان سے پاک تھے۔ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ پتھر کی لکیر ہے اور عین صواب ہے۔ چنانچہ انہوں نے مجھے تحریر فرمایا:

رو شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات بڑی تحقیق کے بعد لکھے گئے ہیں۔ اس کے بعد اگر یہ معلوم ہو کہ انہیں راگ سے دل چسپی تھی، تو یہ ان کی بڑائی ہے۔ ورنہ آپ حضرت داؤد علیہ السلام، خسرو، حضرت شیخ الکبیر فرید الدین مسعود گنج شکر کو کیا کہیں گے؟

ہمیں بھی اس سے اتفاق ہے کہ شیخ الاسلام کا مقالہ مدون کرنے میں ان کے والد مرحوم نے خاصی محنت کی ہے، لیکن اس امر کے اعلان میں ہمیں قطعاً باک نہیں کہ موسیقی کے معاملے میں ان کے والد ماجد کو سخت دھوکہ ہوا ہے۔ اگر ان کے نزدیک راگ میں دل چسپی عظمت کی نشانی ہے تو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام کی ذات گرامی اس عظمت و شوکت سے پاک تھی۔

بے چارے فقیر اللہ اور محمد کرم امام خان نائیک کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو گا کہ ہم بھارت کے جس مخدوم بہاء الدین کا ذکر کر رہے ہیں۔ آنے والے دور کے محققین اسے حضرت مخدوم بہاء الدین زکریا سمجھ لیں گے۔

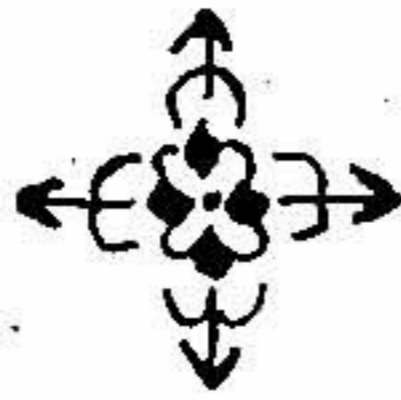
میں نے جناب احمد ربانی صاحب کو لکھا کہ آپ نے راگ کے سلسلے میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کیا ہے۔ ہم لوگ داؤدی شریعت کے پیرو نہیں۔ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ کے متبع ہیں۔ نیز حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمۃ کا معاملہ جدا ہے۔ آپ چشتیہ سلسلہ کے بزرگ تھے۔ ان کے مسلک میں سماع مباح تھا۔ وہ سنتے تھے۔ اس سے ان کی روح کو وجد آتا تھا اور سر کا عالم طاری ہو جاتا تھا، مگر نہ تو

انہوں نے کوئی راگنی ایجاد کی (معاذ اللہ) اور نہ ہی خود کسی مجلس میں ٹہر اور تان سے غزل
گا کر سنائی۔

باقی رہا حضرت امیر خسرو کا معاملہ، تو وہ متعدد سلاطین کے مصاحب اور منصب دار
رہے ہیں اور اپنے دور کے امیر کبیر تھے۔ ساتھ ہی فقراء اور درویشی سے بھی بہرہ وافر
رکھتے تھے۔ لیکن امیر خسرو سب کچھ ہونے کے باوجود شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا جیسے اکابر
اولیاء اللہ کی صف میں کھڑے ہونے کی جسارت نہیں کر سکتے۔

ہر درویش کا اپنا مقام ہے۔ جو مرتبہ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھا وہ
قطب الاقطاب شاہ رکن عالم علیہ الرحمۃ کو حاصل نہیں اور جس مقام پر حضرت شاہ رکن عالم
فائز تھے، وہ بعد میں آنے والوں کو نصیب نہیں ہوا۔ اولیاء اللہ کے معاملے میں ہمیں اتنی
جسارت سے کام نہیں لینا چاہیے۔

بکار نے چرادست باید کشید
کہ از دین و دنیا تواند بُرید





حضرت شیخ الاسلامؒ کی تصانیف کے سلسلے میں اتنا پتہ چلا ہے کہ آپ نے ایک کتاب "اوراد" سے متعلق لکھی تھی۔ جو صدیوں تک متداول بین الناس رہی۔ حضرت قطب الاقطاب کے زمانے میں ان کے ایک فاضل مرید مولانا علی بن احمد غوریؒ نے اس کی ایک مبسوط شرح "کنز العباد" کے نام سے مدون کی تھی۔ جس کا ایک ضعیف قلمی نسخہ بڑی کوششوں کے بعد نواب محمد مرید حسین قریشی سجادہ نشین بارگاہ غوثیہؒ نے چکوال کے ضلع سے برآمد کیا ہے۔ فاضل شارح اس کتاب کا آغاز ان الفاظ سے کرتے ہیں :

"اعظم المعامد لله العظيم واكرم الصلوات على رسوله الكريم - اما بعد فان هذا شرح اوراد الشيخ الاجل الكبير محي السنة ما حي البدعة كاشف الحقائق مظهر الدقائق حجة الحق والدين على الحق بهاء الحق والشرع والدين اسكنه في اعلى عليين الفقه العبد الضعيف اصغر خدام الشيخ الاعظم المعظم المكرم الاكرم قدوة الثقلين سلطان المشائخ الخافقين دكن الحق والشرع والمدين رضی الله عنه وارضاه عنا وجعل الفردوس مثواه وهو على بن احمد الغوري الساكن بخطة كرتة -

وسميته بكنز العباد في شرح الاوراد فالها مول من الله القوى القدير ان يكون مقبولاً لدى الصغائر والكبير -

اور آخر میں اس کتاب کا خاتمہ ان الفاظ میں ہوتا ہے :-

والله الموفق وقع الفراغ من تسويد هذه النسخة الشرقية الميخونة المسماة
بشرح الاوراد والله اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب -

شرح کی زبان اگرچہ عمومی طور پر عربی ہے۔ مگر شیخ الاسلام کی اصل کتاب فارسی زبان میں ہے اور گو اس کا نام ”اوراد“ ہے۔ حقیقتاً وہ ”اوراد و وظائف“ کی کتاب نہیں، بلکہ وہ صوفیانہ رنگ کی فقہی تصنیف ہے۔ جس میں نماز، روزہ، طہارت، توبہ اور اخلاص وغیرہ کے مسائل درج ہیں۔ انہی مسائل کی تشریح شرح میں فقہی ابواب کی تقسیم کے ساتھ کی گئی ہے۔ چونکہ حضرت شیخ الاسلام کا مسلک تصوف شریعت سے ایک اچھ بھر بھی ادھر ادھر نہیں تھا۔ اس لیے ان کے ”اوراد“ بھی گویا مسائل شریعت میں اتہماک کا دوسرا نام ہے۔ اور ”اتباع شریعت“ سے علیحدہ ہو کر کوئی چیز بھی ان کے ہاں ورد نہیں کہلا سکتی۔ ہم حضرت شیخ الاسلام کے ”اوراد“ کی ایک عبارت یہاں نقل کرتے ہیں جو شرح میں بطور متن آگئی ہے۔ اس سے کتاب کی زبان، حضرت کے انداز بیان اور ان کے ”اوراد“ کی حقیقی آکن بان پوری شان کے ساتھ منظر عام پر آجاتی ہے۔

قولہ

و آنچه بر کاغذ بسیار با نولیسند که ”افعل و لا تفعل“ آن نباید کرد کہ بدعت است و استخراج رافضیانست و توکل رازیاں دار و بریں نباید رفت متابعت سنت باید بود و برکت در آنست“ (ص ۱۶۵)

”یعنی جو لوگ احکام شریعہ میں ”افعل و لا تفعل“ بہت لکھتے ہیں ”ایسا کرنا چاہیے اور ایسا نہ کرنا چاہیے“ یہ بدعت ہے۔ شیعوں کی مجوزہ ہے اور توکل کو نقصان دیتی ہے۔ اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ سنت نبویہ پر عمل کرنا لازمی ہے کیونکہ برکت اسی میں ہے“

شرح میں صرف فقہی تشریحات ہی نہیں، بلکہ ادعیہ و آیات قرآنیہ کی لغوی توضیحات، تفسیری نکات، متصوفانہ تفسیقات اور تعریفات بھی درج ہیں اور ہدایہ و محیط کے حوالوں کے ساتھ ساتھ بستان ابولینث، عوارف اور شرعہ ایسی کتابوں کے حوالے بھی ملاحظہ ہو جو ہیں۔ غرض حضرت شیخ الاسلام کا متن اگر کوزے میں دریا کی مثال ہے، تو مولانا غوری کی شرح ایک بحر محیط ہے۔ جس کا ایک کنارہ اگر فقہ و تصوف سے شروع ہو رہا ہے، تو دوسرے

کنارے کا پتہ ملنا دشوار ہے۔
 بس علوم کا ایک بحر بیکراں ہے، جس میں طالب علم اور طالب مولیٰ دونوں کے لیے
 اپنے اپنے رنگ کی چیزیں موجود ہیں۔ متن اور شرح کی غالب کے اس شعر کے سوا اور کوئی
 تعریف نہیں ہو سکتی ہے۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
 سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

سورۃ فاتحہ کی
 تفسیر میں فرماتے ہیں؛

کنز العباد کے ایک حسین و جمیل پارے کا اردو ترجمہ
 قوله تعالیٰ - الْحَمْدُ لِلَّهِ - الحمد کے معنی ثنا ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے
 معنی شکر ہیں۔ اللہ پاک نے اپنی تعریف آپ کی ہے تاکہ اپنے بندوں کو سکھائیں کہ خدا کی
 تعریف کس طرح کی جاتی ہے۔ اس جگہ قولوا مقدر ہے۔ یعنی تم کہو الْحَمْدُ لِلَّهِ -

رب العالمین یعنی مخلوق کے تمام انواع و اقسام کو پالنے والا ہے۔ مخلوق کی ہر قسم ایک
 علیحدہ عالم ہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کریم نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا
 فرمائے ہیں۔ ان میں سے دنیا ایک عالم ہے۔ مقاتل بن حبان کے نزدیک کل اسی ہزار
 عالم ہیں۔ چالیس ہزار خشکی میں ہیں اور چالیس ہزار پانی میں۔ کعب فرماتے ہیں کہ علمین
 کی تعداد بے شمار ہے۔ گنتی میں نہیں آسکتے۔ وَمَا يَعْلَمُ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْيَسَّاجِعِ ہے جس کا
 واحد نہیں ہے جیسے اناہ اور دھط عالم علامت سے مشتق ہے۔ جس کے معانی دلیل کے
 ہیں۔ گویا تمام مخلوق اللہ پاک (صانع حقیقی) کی دلیل ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - "رحمن" لفظ خاص ہے۔ مگر "عام" کے مفہوم کو ادا کرتا ہے۔
 اس حیثیت سے کہ ہر نیک و بد کو رزق دیتا ہے اور ان سے مصائب و آلام کو دفع کرتا ہے۔
 اللہ پاک کے بغیر اس لفظ کے ساتھ کسی کا نام رکھنا جائز نہیں ہے۔ "رحیم" لفظ "عام"
 ہے۔ مگر اس کے معنی "خاص" ہیں۔ اس حیثیت سے کہ غیر کا نام بھی اس لفظ کے ساتھ رکھا
 جاسکتا ہے۔ جیسے قرآن پاک میں آیا ہے۔ رَحْمَاءٌ بَيْنَهُمْ

الغرض "الرحیم" کے معنی ہیں، وہی اللہ پاک خاص مومنین پر معرفت کے ساتھ مہربانی کرنے والا ہے۔ انہیں بخشے گا اور جنت میں داخل کرے گا۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ "رحمن" اس ذات کا نام ہے کہ اگر اس سے سوال کیا جائے تو خالی واپس نہ کرے اور "رحیم" وہ ہے کہ اگر سوال نہ کیا جائے، تو ناراض ہو جائے۔

صَلِّ يَوْمَ الدِّينِ یعنی قیامت کے دن کا قاضی اور حاکم ہے۔ قیامت کے دن کو محض اس لیے خاص کیا ہے کہ اس دن تمام املاک ختم ہو جائیں گے۔ دعاوی باطل اور مالک مہرنگوں ہوں گے۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ - ہم تیری توحید کے معتقد ہیں جس طرح کہ مطیع ہیں۔

وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ - یعنی تیری عبادت کرنے کے لیے تجھ ہی سے توفیق طلب کرتے ہیں اور تیرے احکام کی بجا آوری پر تجھ سے مدد چاہتے ہیں۔ لفظ "إِيَّاكَ" مکر اس لیے لایا گیا ہے کہ اخلاص پر زیادہ دلالت کرے۔

إِهْدِنَا یعنی ہم کو ثابت قدم رکھ۔ امر کا صیغہ ہے۔ یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر قاری ہدایت یافتہ ہو تو پھر اِهْدِنَا کیوں کہے۔ اس لیے کہ انجام کا پتہ نہیں کہ کیسے ہوگا۔ اسی لیے دُعائمانگی کہ ہمارا خاتمہ بھی ہدایت پر ہو۔ عقلمند کو ظاہری حال پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ بہت سے لوگ ایسے گزرے ہیں کہ مرتے وقت انہیں ایمان تک نصیب نہیں ہوا۔ جیسا کہ ابلیس، برصیغاً، بلعم اور ثعلبہ کے حالات سے پتہ چلتا ہے۔ بقول کسے

”اے رات کے پہلے حصّے میں خوشی سے سونے والے! ہو سکتا ہے کہ رات کے

آخری حصّے میں تو حوادث اور مصائب کا شکار ہو جائے“

رات کا پہلا حصّہ اگر آرام سے گزر رہا ہے تو غرور نہ کر۔ کیونکہ رات بسا اوقات آخری حصّہ میں آگ بھڑکا دیتی ہے۔

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ - یعنی واضح اور سیدھا راستہ اور وہ اسلام ہے۔

۱، ۲، ۳، ۴ - امم سابقہ کے عابدوں کے نام ہیں جو آخر کو ابلیس کی طرح گمراہ ہو گئے۔

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ یعنی جن پر تو نے اپنا انعام کیا ہے اور احسان فرمایا ہے، یہ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ جیسا کہ اللہ پاک نے انبیاء کے ذکر کے بعد فرمایا۔
 أُولَئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ الْخِرَاطَ كَأَدْوَمِ الْفِظِ پیلے سے بدل النکل من النکل ہے۔
 غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ۔ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے الْمَغْضُوبِ
 کی بابت سوال کیا گیا۔ آپ نے فرمایا۔ وہ یہود ہیں اور مخالفین کے بارے میں ارشاد ہوا کہ وہ
 نصاریٰ ہیں۔

آمین۔ یہ لفظ قرآن پاک میں سے نہیں ہے، بلکہ دعائیہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 فرماتے ہیں کہ جب میں فاتحہ پڑھنے سے فارغ ہوں۔ تو جبرائیل علیہ السلام نے مجھے ”آمین“
 پڑھنے کی تلقین کی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا! ہم نے جو سوال کیا ہے اُسے قبول فرما۔
 کبیرتی میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب نمازی فاتحہ پڑھنے سے فارغ ہو اور ”آمین“ ص کی
 شد (۳) سے پڑھے، تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ لفظ اس جگہ کوئی ربط نہیں رکھتا
 اور کہا گیا ہے کہ حضرت ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔ اس لیے کہ
 قرآن پاک میں اس جیسا لفظ پایا جاتا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور مناسب ہے ”آمین“ الف
 کی مد سے کہے نہ کہ میم کی تشدید کے ساتھ۔

وضو کے احکام

عوارف میں لکھا ہے کہ متوضیٰ کو نماز کے وقت سے پہلے وضو کی تیاری کرنی
وضو کی تیاری چاہیے۔ جامع الخانی کے نزدیک وضو کے آداب میں سے ایک ادب یہ
 بھی ہے کہ وضو نماز کے وقت سے پہلے کیا جائے۔

تانبے اور پتیل کے برتنوں سے وضو نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ خدا کے فرشتے اُن
وضو کا برتن کی بو سے نفرت کرتے ہیں۔ مستحب یہ ہے کہ مٹی کے برتنوں سے وضو کیا

جلئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہا تہی کے برتن میں وضو کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔ سراجیہ نے اس امر کو مکروہ گردانا ہے کہ کوئی شخص وضو کے برتن کو اپنے لیے خاص کر لے (اس صورت میں کہ اُس سے دوسرے شخص کو وضو کرنے کی اجازت نہ دے) استنجا کے وقت برتن کو دائیں ہاتھ میں اور وضو کے وقت بائیں ہاتھ میں پکڑنا چاہیے۔

وضو کا پانی جو پانی سورج کی حرارت سے گرم ہوا ہو، اس سے وضو نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ بعد میں اُسے سرد کیوں نہ کر لیا جائے۔ مگر وہ پانی جو سمندروں، دریاؤں اور حوضوں میں سورج کی حرارت سے گرم ہوا ہو، بالاتفاق جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک آب زمزم سے وضو کرنا مکروہ نہیں۔ مگر امام احمد نے اس مسئلہ میں اتفاق نہیں فرمایا۔ پانی میں اسراف نہ کرنا بھی وضو کی سنتوں میں داخل ہے اور نہ ہی بخل کرے کہ جس سے وضو کا استنجاب بھی جاتا ہے۔ بلکہ پانی کا استعمال دونوں حالتوں کے درمیان میں ہو۔ اس لیے کہ ایک موقع پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو فرمایا کہ پانی میں اسراف نہ کر۔ خواہ تو بہتی نہر کے کنارے کیوں نہ بیٹھا ہو۔ فتاویٰ الحجۃ میں لکھا ہے کہ اعضائے وضو پر مسنون تعداد سے زیادہ پانی ڈالنا مکروہ ہے۔ ایک خبر میں آیا ہے کہ جو شخص وضو میں اسراف کرے۔ وہ میری امت کے شہیروں میں سے ہے۔

استعانت غیر مناسب یہ ہے کہ وضو میں غیر سے مدد نہ لی جائے۔ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اپنی طہارت میں غیر سے استعانت طلب نہیں کرتے۔ یہاں اگر متوضیٰ اعضائے وضو خود دھوئے تو پھر جائز ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے وضو کرنے میں مدد لی تھی۔ اس صورت میں کہ وہ اعضائے شریفہ پر پانی ڈالتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اپنے اعضاء کو دھوتے تھے۔

وضو کرنے کی جگہ ناپاک جگہ پر وضو نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ ایک تو چھینٹوں کے پڑنے کا اندیشہ ہے اور دوسرے وضو کا پانی بھی حرمت اور تعظیم کا مستحق ہے۔ اسے نجس جگہ پر گرانا مناسب نہیں۔ نیربیت الخلاء اور استنجا کی جگہ پر بھی وضو نہیں کرنا چاہیے۔ جیسا کہ بعض جہلاء کرتے ہیں، شرح السنۃ کے نزدیک متوضیٰ او سچی جگہ قبلہ رخ بیٹھ کر وضو کرے تاکہ چھینٹیں اُس پر نہ پڑیں۔

وضو کرنے سے پہلے متوضیٰ یہ دُعا پڑھے :
وَضُو سے پہلے کی دُعا دَبَّ اَعُوذُ بِكَ فِي هُمَزَاتِ الشَّيْطَانِ - یعنی اے اللہ! ہم شیطان کے وساوس سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔

اعضائے وضو دھوتے وقت دل کا اللہ کی طرف متوجہ ہونا صوفیائے کرام کا طریقہ ہے۔ میں نے بعض صالحین سے سنا ہے کہ اگر وضو کے وقت دل "حاضر" ہو تو نماز میں بھی حاضر ہوتا ہے اور اگر وضو میں سہو ہو جائے تو نماز میں بھی شیطانی وساوس داخل ہو جاتے ہیں۔
 صلوٰۃ النخشی میں لکھا ہے کہ وضو میں تسمیہ سنت ہے۔ پس مناسب ہے کہ وضو کی ابتداء میں تسمیہ پڑھے تاکہ یہ برکت تمام اعضاء کو حاصل رہے۔ ورنہ کسی ایک عضو کے دھونے پر پڑھی گئی، تو یہ برکت کسی کے لیے ہوگی اور کسی کے لیے نہیں۔ الجامع الصغیر الخانی میں درج ہے کہ جو شخص وضو کی حالت میں "بِسْمِ اللّٰهِ" شریف پڑھتا ہے۔ گویا وہ اپنا تمام بدن پاک کر لیتا ہے اور نہ پڑھنے کی صورت میں طہارت صرف مغسولہ اعضاء کو حاصل ہوگی نہ کہ سارے بدن کو۔

ہاتھوں کا دھونا ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا فرض ہے۔ لیکن ان کا پہلے مورچوں تک ہاتھوں کا دھونا دھونا سنت ہے۔ مگر یہ بھی فرض کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ جب نمازی وضو کا ارادہ کرے تو پہلے ہاتھوں کو تین دفعہ دھولے۔

۱۔ کنز العباد قلمی بحوالہ سراجیہ، فتاویٰ الحجۃ، شرح السنۃ

۲، ۳۔ کنز العباد قلمی بحوالہ منافع، ذخیرہ جامع الصغیر الخانی۔

پہلے تین مرتبہ دائیں ہاتھ سے مُنہ میں پانی ڈال کر کھلی کرے اور ہر دفعہ نیا مُنہ دھونا | پانی استعمال کرے۔ کھلی کرنے کی حد تمام مُنہ کو پانی سے بھر لینا ہے اور مبالغہ یہ ہے کہ حلق کے بالائی حصے تک پانی پہنچ جائے۔ ناک میں پانی ڈالنے کی حد ناک کی ہڈی تک پانی کا پہنچانا ہے۔ اور مبالغہ اس سے اوپر تک ہے۔ اس وقت یہ دُعا پڑھنی چاہیے :

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ دَوَائِحِ النَّارِ - مُنہ کی حد ماتھے کے بال کترنے کی جگہ سے ٹھوڑی کے نیچے تک ہے اور عرضاً ایک کان کی لُو سے دوسرے کان کی لُو تک۔ پانی کو پیشانی پر اس طرح سے ڈالے کہ وہ ٹھوڑی سے نیچے تک بہنے جائے اور پہلے رخساروں اور ناک پر نہ بہائے۔ پیشانی پر نہ رو سے نہ مادے۔ اپنی مونچھوں اور ڈاڑھی کے بالوں کو دھوئے اور ان بالوں کو بھی جو ٹھوڑی کے ہیں۔ ڈاڑھی کے اندر پانی پہنچانا واجب نہیں۔ ہاں اگر بال ٹھوڑے ہوں اور اُن کی جڑیں دکھائی دیتی ہوں، تو پھر ان تک پانی کا پہنچانا ضروری ہے۔ مُنہ پر پانی ڈالتے وقت یہ دُعا پڑھے :

”اللَّهُمَّ بَيِّضْ وَجْهِي بِنُورِكَ“ الخ ”اے اللہ! میرے منہ کو اپنے نور سے روشن کر۔“

چہرے کی سفیدی اور سیاہی کے بارے میں علمائے اُمت نے اختلاف کیا ہے۔ بعض علماء نے حقیقی سفیدی اور سیاہی مراد لی ہے۔ اس حدیث شریف کی لُؤ سے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا اس حال میں تشر ہو گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند سے بھی زیادہ روشن ہو گا اور کافر اس حال میں اُٹھے گا کہ اس کا چہرہ حد درجہ سیاہ ہو گا۔ بعض علماء نے سفیدی اور سیاہی سے فرحت اور لبشاشت اور اُوسی و غلگنی مجازاً مراد لی ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے : إِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ۔ جب انہیں لڑکی پیدا ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے، تو ان کا چہرہ غمی کی وجہ سے سیاہ ہو جاتا ہے۔ یہاں سیاہی سے مراد حقیقی سیاہی نہیں، بلکہ غمی ہے یعنی اُن کے چہروں پر افسردگی چھا جاتی ہے۔

سر کا مسح سر کے پوتھائی حصے کا مسح فرض ہے۔ کانوں کا مسح اندرونی اور بیرونی حصے پر اسی پانی سے کرے جس سے سر کا مسح کیا ہے۔ یہ سنت ہے۔

پاؤں کا دھونا اس کے بعد پاؤں کو ٹخنوں تک اس طرح دھوئے کہ برتن کو دائیں ہاتھ سے پکڑے اور پاؤں کے اگلے حصے پر پانی ڈالے اور بائیں ہاتھ سے اس کو ملے۔ اس کو تین دفعہ دھوئے۔ ازاں بعد اپنے بائیں پاؤں کے اگلے حصے پر پانی ڈالے اور اس کو بائیں ہاتھ سے ملے۔ صلوٰۃ مسعودی میں لکھا ہے کہ پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا فرض ہے۔ لیکن لفظ کعب کی مراد میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق کعب سے وہ ہڈی مراد ہے جو باہر نکلی ہوئی ہے۔ جس کا ترجمہ ٹخنے سے کیا جاتا ہے۔ امام زفر نے بھی اسی سے اتفاق کیا ہے۔

خلال ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال صلوٰۃ مسعودی کے نزدیک تین طرح سے ہے۔ جو انگلیاں آپس میں چمپی ہوئی ہوں، ان کا خلال فرض ہے۔ اگر ایک دوسری کے اوپر تلے ہیں۔ مگر آپس میں چسپاں نہیں ہوتیں، تو ان کا خلال واجب ہے اور اگر ایک دوسری سے جدا ہیں تو ان کا خلال سنت ہے۔

”ذخیرہ میں درج ہے کہ اگر انگلیاں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہوں اور متوضی برتن سے وضو کر رہا ہو تو ان کا خلال فرض ہے۔ لیکن حوض یا جاری پانی سے وضو کر رہا ہے اور اس نے اپنا پاؤں حوض یا نہر میں ڈال کر دھویا ہے تو خلال نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، خواہ انگلیاں ملی ہوئی ہی کیوں نہ ہوں۔ زندقوی نے بھی اپنی نظم میں اسی طرح سے بیان کیا ہے۔“

خلاصۃ الصلوٰۃ کے مؤلف نے خلال کرنے کا طریقہ اس طرح لکھا ہے کہ اپنے دائیں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھوئے اور اپنے بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے اس کا خلال کرے۔ پاؤں کی چھنگلی سے شروع کرے اور انگوٹھے پر ختم کرے۔ اس وقت متوضی کو یہ دعا پڑھنی چاہیئے :

اللَّهُمَّ ثَبِّتْ وَقْدَمِي الصِّرَاطَ مَعَ أَقْدَامِ الْمُؤْمِنِينَ - اس کے بعد اپنے بائیں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھوئے اور خلال انگوٹھے سے شروع کر کے چھنگلی پر ختم کرے اور یہ دعا پڑھے :

اللَّهُمَّ اَعُوذُ بِكَ مِنْ اَنْ تَنْزِلَ قَدَمِي عَنِ الصِّرَاطِ يَوْمًا تَنْزَلُ فِيهِ اَقْدَامُ الْمُنَافِقِينَ -

و اسے پروردگار! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میرے قدم اس دن پھسل جائیں جبکہ منافقین کے قدم پھسل رہے ہوں گے۔“

اگر کسی نے پاؤں کی تیل سے مالش کر رکھی ہو اور دھوتے وقت چکنا چٹ کے سبب اس پر پانی نہ ٹھہرے تو وضو ہو جائے گا۔ کیونکہ متوضی پر دھونا فرض ہے۔ پانی کا ٹھہرانا فرض نہیں۔ اگر متوضی کے پاؤں میں دراڑیں ہیں، تو ان کے اندر ونی چھتے میں پانی پہنچانا واجب ہے۔ (عوارف)

اگر متوضی نے پاؤں کی کسی دراڑ میں چربی ڈال رکھی ہو اور وضو کے وقت پانی سے پاؤں دھوئے، مگر چربی کے سبب اس دراڑ تک پانی نہ پہنچ سکے، تو وضو جائز ہے۔ بشرطیکہ پانی سے نقصان کا احتمال ہو۔ اگر پانی نقصان نہ دیتا ہو، تو پانی پہنچانا ضروری ہے۔ مسح کافی نہیں کیونکہ یہ شخص دوا کے نیچے پانی پہنچانے پر قادر ہے اور اگر دوا گر جائے، تو اس پر چپڑیوں کا حکم لگے گا۔ یعنی زخم کے اچھے ہونے پر چپڑی گر جائے، تو ذیلی چھتے کا دھونا واجب ہو جاتا ہے اور اسی طرح اگر دراڑوں کو سی دیا جائے، تو اس کے ماحول کا دھونا واجب ہے۔

۱۔ الثبیت مصدر ہے، ثبت کا، یعنی ثابت قدم رکھ۔
 ۲۔ ”مَنْ اَنْ نَزَلَ“ اذلال میں سے ہے پھسلانا۔
 ۳۔ ۱۔ کنز العباد، قلمی بحوالہ الساب و نسخہ۔

۴۔ بازو کی ہڈی ٹوٹ جانے پر لکڑی کی تختیاں رکھ کر اوپر سے باندھ دی جاتی ہیں، ان پر مسح کرنے کی اجازت ہے۔ اگر زخم کے اچھے ہو جانے پر وہ تختیاں گر جائیں، تو مسح ٹوٹ جاتا ہے۔ یہی حکم اس دوا کا ہے جو دراڑوں میں ڈالا جائے۔ اس وقت اگر پانی سے زخم کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو مسح کی اجازت ہے۔ لیکن شکاف یا زخم کے اچھے ہو جانے سے دوا گر جائے، تو مسح ٹوٹ جائے گا اور پاؤں کو دھونا پڑے گا۔

شروط اربعین

حضرت شیخ الاسلام نے ایک رسالہ ”شروط اربعین“ کے نام سے بھی تحریر فرمایا تھا جس میں اعتکاف کے آداب و شرائط درج ہیں۔

دنیا سے منہ موڑ کر اور محبوب ازل کو معبود ذہنی بنا کر گوشہ نشین ہو بیٹھنا درویشی کی پہلی منزل ہے اور یہ واوی اس قدر ناگزیر ہے کہ کوئی سالک اسے طے کئے بغیر فقر و تصوف کی ولایت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ شریعت و طریقت کی اصطلاح میں اس صورت حال کا نام ”اعتکاف“ ہے۔ یہ ذہنی انتشار کا علاج اور قلب کی نکیسوٹی کا بہترین ذریعہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص صدقِ دل سے چالیس یوم ذکر الہی میں مصروف رہے۔ اس کے قلب سے زبان کی طرف حکمت و دانائی کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص خلوصِ دل اور خالی پیٹ سے چالیس دن عبارتِ الہی میں گزارے۔ ہم اس پر علوم دینیہ کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ قرآن شریف میں آتا ہے :

”وَعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمَّمْنَا لِعَشْرَةِ فِتْنَةٍ مِّيْقَاتٍ رَبِّهِ اَرْبَعِينَ لَيْلَةً“

ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تیس شب کا وعدہ کیا۔ پھر دس روز میں پورا کیا۔ اسی طرح تیرے رب کا وعدہ پورے چالیس یوم میں تکمیل کو پہنچا۔ چالیس یوم کی تجدید اور قید میں یہ حکمت ہے کہ اللہ جل شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر چالیس دن رکھا تھا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے : خَمَّرَ اللَّهُ طِينَةَ آدَمَ بِبَيْدِهِ اَرْبَعِينَ صَبَاحًا۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ قلب انسانی میں چالیس پرزے ہیں جو اربعین سے چالیس کے چالیس کھل جاتے ہیں۔ عوارف شریف کی اصل عبارت یہ ہے :

۱۔ من انقطع الى الله اربعين يوماً مخلصاً متعابداً نفسه بخفت المعرة لفته عليه علوم الدينيه۔ (کنز العبار قلبي) ۱۱۷ الاعراف : ۲۲۔
۲۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی مٹی کو چالیس دن خمیر میں رکھا۔ (الحديث بجواله كنز العبار قلبي)

أَرْبَعِينَ صَبَا حَابِهِ أَرْبَعِينَ حَبَابًا لَنْ يُحَضَّرَ إِلَهِيًا فَذَا قَامَتِ اللَّادِعُونَ ذَالَتِ
الْحُجُبُ وَصَبَّتْ عَلَيْهِ الْعُلُومُ وَالْمَعَارِفُ بِاتِّصَالِ نُورِ الْعُظْمَةِ إِلَهِيًا -

یعنی چالیس یوم سے چالیس پروے اور حجاب دور ہو جاتے ہیں۔ جب چالیس یوم ختم ہوتے
ہیں تو حجاب رُفح ہو کر قلب میں علوم و معارف کے خزانے ڈال دیئے جاتے ہیں۔ جن کے ساتھ
عظمت الہی کا نور وابستہ ہوتا ہے۔ الغرض "اعتکاف" بڑے فضل و برکت کی چیز ہے۔ مگر اس کے
لیے چند شرائط کی بجا آوری نہایت ضروری ہے۔ ان کے بغیر خاطر خواہ فائدہ مترتب نہیں ہوتا۔
اسی خیال کے پیش نظر حضرت شیخ الاسلام نے اپنے مریدوں کے لیے "اوراد" کے نام سے ایک
مبسوط دستور العمل مرتب فرمایا تھا جس کا دھندلا سا عکس ہم گزشتہ اوراق میں پیش کر چکے ہیں۔
اب وہ چالیس شرائط قائمین کرام کے سامنے رکھتے ہیں۔ جن میں حضرت نے معتکفین کے لیے
ایک روشن اور واضح راہ متعین کر دی ہے۔ اگر سالک ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے
تو "جمال یار" کا نصیب ہونا کوئی مشکل نہیں رہتا۔ افسوس ہے کہ حضرت کی اصل عبارت جو
فارسی میں تھی، میسر نہیں آسکی۔ مرور زمانہ سے وہ "گنج شائگان" رائیگاں ہو گیا۔ اس لیے اس
کے ترجمہ پر قناعت کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

(۱) سالک کو چاہئے کہ ایسی نیت سے غسل کرے گویا یہ اُس کا آخری غسل ہے اور
وہ مُرُوہ ہے۔ کَمَا قَالَ الْمُشَاطِحُ إِنَّ مِنْ لَوَائِمِ حَالِ الْمُرِيدِ الْجُلُوسِ فِي الْخُلُوعِ وَأَنْ
يَتَّقِلَ وَيَنْوِي فِي غُسْلِهِ أَنْ غُسْلَ الْمَيِّتِ لِيَكُونَ بَيْنَ يَدَيْ الْغَسَالِ فِي عَدَمِ حُطُوطِ النَّفْسِ
وَهُوَ آهَا۔ جیسا کہ مشائخ کا قول ہے کہ "مرید کے واسطے خلوت نشینی لازم ہے اور وہ لذات
دنوی کو ترک کر کے اپنے آپ کو مُرُوہ تصور کرتے ہوئے غسل کرے اور یہ خیال کرے کہ
میں خداوند کریم کے دستِ رحمت سے غسل کرتا ہوں۔ جیسا کہ غسال مُرُوہ کو غسل دیتا ہے۔
وَأَمَّا النَّيِّتُ فَلِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْتُوْا قَبْلَ أَنْ تَمُوتُوا۔ موت کی نیت حدیث مذکور
سے ظاہر ہے یعنی ع

خاک شو پیش از آنکہ خاک شوی

وَلَا يَخْفَى أَنَّ الْمُرَادَ بِالْمَوْتِ قَبْلَ أَنْ تَرَعَ لِنَفْسِهِ مَيِّتًا فِي عَدَمِ حُطُوطِ النَّفْسِ

وَهَوَاهَا وَهَذَا هُوَ نَيْتُ الْمَوْتِ اور اس موت کا مطلب حقیقی یہ ہے کہ طالب اپنے آپ کو عدم محفوظ نفس اور ترک خواہش میں مردہ تصور کرے اور یہی موت کی نیت ہے۔
بقول اکسے

نمیری گر بیرون خوب گیری

بمیراثہ خویش تا ہرگز نمیری

(۲) سالک کو چاہیے کہ اپنے دل میں نیت کرے کہ میں نے خلق خدا کو بہت تکلیف دی ہے اور اب اس حالتِ اعتکاف میں خلق میرے شر سے امن میں رہے۔ دل میں یہ نیت نہ ہو کہ اس اعتکاف سے میں اپنے آپ کو خلق خدا سے بچا کر رکھوں اور ان کے شر سے محفوظ رہوں۔

(۳) اعتکاف حجرہ یا مسجد میں کرے۔ قرآن شریف میں آیا ہے :

”وَأَنْتُمْ عَالِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ“ ”تم مسجدوں میں اعتکاف کرنے والے ہو۔“ (البقرة: ۱۸۷)

(۴) سالک کو چاہیے کہ اعتکاف کی حالت میں اہل و عیال سے دور رہے کہ یہ موجب فتنہ ہیں۔

”إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ“ (التغابن: ۱۵)

(۵) سالک کو مناسب ہے کہ ماسوی اللہ ہر قسم کے تفکرات اور وساوس کو دور کر دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

”وَإِذْ كُودِبْتَ إِذَا نَسِيتَ“ (الکہف: ۲۴) ”یٰ اے اللہ! (یعنی جب تو ماسوی اللہ کو ترک کر دے تو اپنے اللہ کا ذکر کرے“

آنا نکہ بجز روئے تو جائے نگر اند

کو تا تہ نظر اند چہ کوتاہ نظر اند

(۶) سالک کے لیے ضروری ہے کہ ہمیشہ کلمہ طیبہ (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) کا ذکر جاری رکھے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں : (الاحزاب: ۵۶)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ”یعنی اے ایمان والو! خدا سے

ڈرو اور کلمہ شریف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا ورد کرے وہ

رفتم بطیبے کہ زحق آگاہ است بر تخت ولایت حقیقت شاہ است

گفتم کہ دوائے دل بیمارم چیست خوش گفت کہ لا الہ الا اللہ است

(۷) سالک کو چاہیے کہ قدرت الہی کا مشاہدہ کرے اور اس میں غور و خوض کرے۔ جیسا کہ کلام ربانی میں ہے :

”الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“

یعنی جو لوگ کہ حالت قیام و قعود اور لیٹے ہوئے اپنے مولا کا ذکر کرتے ہیں اور زمین و

آسمان کی پیدائش اور ان کی نیرنگیوں میں سوچتے ہیں اور غور کرتے ہیں۔ (آل عمران: ۱۹۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

”تَفَكَّرْ سَاعَةً خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةٍ سِتِّينَ سَنَةً“ کہ ایک گھڑی کا سوچنا اور غور کرنا ساٹھ

سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (احیاء علوم الدین، ج ۱، ص ۱۰۹)

سے باہر کہ ذکر و فکر نمودند نہ ابتداء

ذکرش چو شہد آمد و فکرش چو انگبین

(۸) کھانے میں احتیاط اور اعتدال ہونا چاہیے۔ یعنی نہ بہت زیادہ کھائے اور نہ بہت

کم۔ کیونکہ اگر بہت کم کھائے گا تو صنعت کے سبب عبادت نہیں کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں :

”كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا“ یعنی کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو۔ (الاعراف: ۳۱)

معتدل گشت ہر کہ اہل دل است

در جمیع امور معتدل است

ہر کہ بیروں زاعتدال اُفتد !

زود در عرصہ زوال اُفتد

چوں خوری بیش پیل باشی تو !

کم خوری جسریل باشی تو

(۹) ہمیشہ حلال کھائے اور حلال پہنے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
 كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا (البقرة: ۱۶۸) ”یعنی اے لوگو! زمین کی چیزوں میں
 سے حلال پاکیزہ کھاؤ۔“ حدیث میں ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص
 چالیس یوم کسبِ حلال سے لقمہ کھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو منور
 فرماتے ہیں۔ اور اس کے قلب سے زبان کی طرف حکمت کے چشمے جاری
 ہو جاتے ہیں۔“

اور لباس ! بہترین لباس جو تمہارا ہونا چاہیے، وہ پرہیزگاری ہے۔
 وَبِالْبِئْسِ التَّقْوَىٰ أَخْبِرُ۔

(۱۰) اعتکاف میں بیٹھنے سے پہلے اپنے شیخِ طریقت سے اجازت ضروری ہے۔ اللہ کریم
 فرماتے ہیں :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔ ”یعنی اے مسلمانو! خدا سے
 ڈرو اور ہمیشہ صادقین (اولیائے کرام) کی رفاقت اختیار کرو۔“

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

الشَّيْخُ فِي قَوْمِهِ كَالنَّبِيِّ فِي أُمَّتِهِ وَمَنْ لَا شَيْخَ لَهُ فَشَيْخُهُ الشَّيْطَانُ (التوبة: ۱۱۹) شیخِ طریقت
 اپنی قوم میں ایسا ہے، جیسا نبی اپنی اُمت میں ہوتا ہے اور جس کا مرشد نہیں ہوتا
 وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔“

شیطان آنکس کے بجا لمس نباشد پیرے از قول نبی مرید شیطان باشد
 یعنی فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جس شخص کا شیخ نہیں ہے، وہ شیطان
 کا مرید ہوتا ہے۔

تا تو نرسی بشیخ با حق نرسی زیرا کہ میان شیخ و حق نیست دوئی
 یعنی اے درویش! جب تک تو شیخ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوگا۔ خدا تک نہیں
 پہنچ سکے گا۔ کیونکہ شیخ اور حق کے درمیان دوئی نہیں ہے۔

(۱۱) ہمیشہ وضو سے رہنا چاہیے۔ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا

وَاللَّهُ يَجِبُ الْمَطْهَرِينَ -

با وضو باش در ہمنہ اوقات
بر وضو کس مواظبت نکند
تا ترا نورِ دل تیریں باشد
غیر مومن کہ پاک دیں باشد
قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْوَضُوءُ سَلَاحُ الْمُؤْمِنِ - وضو مومن کا ہتھیار ہے اور وہ اس کے
طفیل جن اور شیاطین کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔

(۱۲) نیند نہ کر اور اپنا پہلو زمین پر نہ لگا۔ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ تَتَجَافَى جُنُوبَهُمْ عَنِ
الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ بِهِمْ تَوْفًا وَطَمَعًا (السجده: ۱۶)

در خواب مشوکہ خواب با مرگ است
از خواب کسے را گل شادی نشکفت
برخیز و نیاز کن بدرگاہِ خدا
کاندر لحد تنگ سے خواہی نخت

گہ تو ہستی مرد عاشق شرم دار

خواب را بادیدہ عاشق چہ کار

چشمے کہ در رخسار بود چوں خسید
آنرا کہ غم یاد بود چوں خسید

اے آنکہ گنہ کنی وے خسپی
آنکس کہ گناہگار بود چوں خسید

(۱۳) معتکف کو چاہیے کہ ہمیشہ روزہ دار رہے۔ جیسا کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا
ارشاد ہے۔

وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا لِبُصُورٍ وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا فِي مَسْجِدٍ جَامِعٍ

یعنی روزہ کے سوا اعتکاف درست نہیں اور اعتکاف ہمیشہ جامع مسجد میں
ہونا چاہیے۔

رقوٹ، جامع مسجد کا ارشاد ثواب کی زیادتی کے لیے ہے۔ ورنہ محلے کی مسجد میں بھی
اعتکاف جائز ہے۔

(۱۴) پانچوں وقت نماز کا باجماعت ادا کرنا اعتکاف کی نہایت ضروری شرط ہے۔ چنانچہ
ارشاد ہوتا ہے: "وَادْكُوعُوا مَعَ التَّرَاكِعِينَ" - "یعنی نماز باجماعت ادا کرو" (البقرہ: ۴۳)
ایک صاحبِ دل نے کیا خوب کہا ہے۔

پہوں نماز است احسن الاعمال باجماعت نماز بگزارید
یعنی جب نماز احسن الاعمال ہے تو ضروری ہے کہ اسے جماعت کے ساتھ ادا
کیا جائے۔

(۱۵) معتکف کو چاہیے کہ وہ دانائی حاصل کرے، تاکہ اُس کے ذریعے حق و باطل میں
تمیز کر سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

«فَقِيهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْفَاعِلِ» «ایک فقیہ (عالم) شیطان کے

مقابلے میں ہزار عابد کی طاقت سے زیادہ قوت رکھتا ہے»

یعنی اگر ہزار عابد مل کر شیطان کو بھگانا چاہیں تو شاید وہ نہیں بھگا سکیں گے۔ لیکن ایک
باعمل عالم اُسے فوراً چاروں شانے چت گرا دے گا۔

(۱۶) معتکف کو لازم ہے کہ دنیا کی فضول باتوں سے ہمیشہ اجتناب کرے اور خاموشی کو اپنا
وطیرہ بنائے۔ کیونکہ خداوند کریم فرماتے ہیں:

«مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ» «انسان جو کام کرتا ہے اور جو کچھ بولتا ہے۔

اُسے اُس کا جواب دہ ہونا پڑے گا۔ کیونکہ اس کی زبان پر پہرہ دار مقرر ہیں» (ق: ۱۸)

لیکن مطلق خاموشی بھی درست نہیں۔ معتکف کو چاہیے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
سے زبان بند نہ کرے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں آیا ہے:

«وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ» (لقمان: ۱۷)

یہ سُننِ سیار دانی اند کے گوئیے راصد مگو صد رایے کے گوئیے

(۱۷) معتکف کو چاہیے کہ جائے اعتکاف سے سوائے حاجتِ انسانی (بول و براز) کے
باہر نہ آئے اور اگر بلا عذرِ شرعی باہر چلا آئے گا، تو اس کا اعتکاف نہ رہے گا۔

(۱۸) ہمیشہ اپنی نظر اور معبودِ ذہنی عقبتی ہی کی طرف رکھے اور دنیائے دوں کی طرف رغبت
نہ کرے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں:

«وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا
نُوْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ» «یعنی جو شخص کہ آخرت کی کھیتی

چاہتا ہے، ہم اس کی کھیتی میں برکت اور زیادتی عطا کریں گے اور جو شخص اس دنیا کی کھیتی اور خیر و برکت چاہتا ہے، تو اُسے یہ عنایت کریں گے، مگر آخرت میں اسے کچھ نہیں ملے گا۔ (التوری : ۲۰)

نزد مرداں حُبِّ دُنیا زہرِ قاتلِ اُمَدہ است

زہرِ خوردنِ اے جواں جز کارِ جمعی کے بود

خدا پرستوں کے نزدیک حُبِّ دُنیا زہرِ قاتل ہے اور زہر کا کھانا احمق ہی کا کام ہے (۱۹) معتکف کو چاہیے کہ دنیا کے عیش و آرام اور فانی نعمتوں سے مجتنب رہے۔ ارشاد

ہوتا ہے :

«وَمَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ» یعنی جو کچھ تمہارے پاس ہے، وہ تو فنا ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے، وہ باقی رہنے والا ہے۔

سُرُودُكَ فِي الدُّنْيَا عُرُودٌ وَعَقْلَةٌ

وَعَيْشُكَ فِي الدُّنْيَا مَحَالٌ وَبَاطِلٌ

(۲۰) اپنے دل کو فضولیات سے پاک کر لے۔ جیسا کہ اللہ کریم فرماتے ہیں :

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا؟ کیا اللہ اپنے بندوں کے لیے کافی نہیں ہے؟ (العنکبوت: ۲۰)

(۲۱) معتکف کو لازم ہے کہ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرے جیسا کہ اللہ کریم ارشاد

فرماتے ہیں :

«وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا» یعنی جو لوگ ہماری طرف سعی اور

جدوجہد کریں گے۔ ہم انہیں اپنا راستہ دکھائیں گے۔

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّاهِدُونَ فِي الدُّنْيَا الْمُرَاجِعُونَ فِي الْآخِرَةِ

وَهُمُ الْآمِنُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ ”حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

جو لوگ دنیا سے کنارہ کش اور آخرت کے شائق ہیں، وہ قیامت کے دن

امن میں ہوں گے۔“

(۲۲) معتکف کو ہمیشہ یاد حق میں معروف رہنا چاہیے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں :

”يَذْكُرُونَ لِلَّهِ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ“ (آل عمران: ۱۹۱) میرے بندوں کا خاصا ہے کہ وہ ہر وقت مجھے یاد کرتے ہیں، خواہ قیام اور قعود میں ہوں، خواہ لیٹے ہوں۔
 ۷ ہر آں کہ غافل از حق یک زمان است
 در اں دم کافر است اما نہان است

(۲۱) طالب مولیٰ کو چاہیے کہ تلاوت قرآن پر مداومت کرے۔ ارشاد ہوتا ہے :
 ”إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ“ (بنی اسرائیل: ۹) ”یہ قرآن مجید ایسا راستہ دکھاتا ہے جو نہایت سیدھا اور مستقیم ہے۔“

”وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقِيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“
 ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن مجید اور روزے قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔“

(۲۲) طالب مولیٰ کے لیے ضروری ہے کہ نفع و نقصان اور خیر و شر میں خداوند کریم کی تقدیر پر شاکر رہے اور رضائے الہی کو پیش نظر رکھے۔ اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں :
 ”لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ“ (ابراہیم: ۷)

”اے بندو! اگر تم شکرو گے، تو میں تمہیں اور نہ زیادہ دوں گا۔“

حدیث قدسی میں آیا ہے کہ ”نعمت کا عطا کرنا ہمارا کام ہے اور شکر کرنا تمہارا اور بلاء یعنی آزمائش ہمارے جناب سے ہے اور اس پر صبر کرنا تمہارا فرض ہے۔ قضاء ہماری طرف سے ہے اور اس پر راضی ہونا تمہارا کام ہے۔“
 ایک بزرگ کا قول ہے ۷

ہر کہ دریں بزم مقرب تراست جامِ بلا بیشترش سے دہند
 یعنی جو آدمی اس بارگاہ سے زیادہ مقرب اور پیارا ہے۔ اسی کو آزمائش اور ابتلاء کا پیالہ زیادہ ملتا ہے۔

(۲۵) طالب مولیٰ کو چاہیے کہ اپنا سر ننگا نہ رکھے، بلکہ اُسے ڈھانپ کر رکھے۔
 (۲۶) معتکف کے لیے ضروری ہے کہ سر منڈائے اور مونے لب سنت کے مطابق رکھے۔

(۲۷) پاؤں ننگا رکھنا مناسب نہیں۔ جوتے کا استعمال ضروری ہے۔
 (۲۸) طالبِ مولیٰ کو مناسب ہے کہ آسمان کی طرف نگاہ نہ کرے اور اوپر کو نہ دیکھے۔
 ایک صاحبِ دل کا مقولہ ہے ع

سالکاں از بارِ اندوہ بر نہی دارند سر

یعنی "سالک بارِ اندوہ سے سر نہیں اٹھاتے"

(۲۹) معتکف کو چاہیئے کہ ایسے مشاغل اور تعلقات ترک کر دے جو اُس کے اور محبوبِ حقیقی کے درمیان حجاب کا باعث بنتے ہوں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔
 تعلق حجاب است وبے حاصلی جو پیوند ہا بگسلی و اصلی
 اے انسان! یہ تعلقات اور دنیاوی مشاغل حجاب ہیں اور جب تو یہ پردے اور
 مخمضے چھوڑ دے گا۔ واصل بحق ہو جائے گا۔

(۳۰) ضروری ہے کہ معتکف اپنے آپ کو عجب اور تکبر سے بچائے رکھے۔ جیسا کہ حضرت

شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

العیوب کثیرۃ اعظمتھا اعجاب المرء بما فعل من الطاعات۔ کہ انسان میں یوں
 تو عیب بہت ہیں۔ مگر سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ اپنی اطاعت پر گھمنڈ اور غرور کرے۔

(۳۱) طالبِ مولیٰ کو چاہیئے کہ خلوت دین کی سلامتی کے واسطے اختیار کرے نہ کہ شہرت اور

ناموری کے واسطے۔ کیونکہ اس شہرت میں آفت ہے۔

گر شہرہ شوی بہ شہر شمر الناسی در گوشہ نشینی تو ہم از وسواسی

اں بہ کہ اگر نضر اگر الیاسی کس نشناسد ترا کس را نشناسی

یعنی اگر تو جہاں میں شہرت پیدا کرنا چاہتا ہے، تو شمر الناس ہے اور اگر گوشہ نشین ہے

تو بھی شہرت تجھے تباہ کر دے گی۔ بہتر یہ ہے کہ خواہ تو نضر اور الیاس کیوں نہ ہو۔ ایسی

حالت اختیار کر کہ نہ تو کسی کو جانے اور نہ کوئی تجھے پہچانے۔

(۳۲) تقدیر الہی پر کوئی اعتراض یا نکتہ چینی نہیں کرنا چاہیئے۔ ارشاد ہوتا ہے:

مَنْ لَمْ يَرْضَ بِقَضَائِي وَلَمْ يَصْبِرْ عَلَى بِلَائِي وَلَمْ يَشْكُرْ عَلَيَّ نِعْمَائِي وَلَمْ يَقْنَعْ بِعَطَائِي فليطلب

دَيَّاسِيَوَايَ - ”جو شخص میری تقدیر پر راضی نہیں ہوتا اور میری بلا پر صبر نہیں کرتا اور میری نعمتوں پر شاکر اور میرے عطیات پر قانع نہیں ہوتا۔ اس آدمی کو چاہیے کہ کوئی اور خدا تلاش کرے۔“

(۳۳) ایسے وساوس اور خطرات کو جو آفت میں ڈالنے والے ہیں، دل سے نکال دے۔
 الْخَوَاطِرُ هُوَ دُكْنٌ عَظِيمٌ لَّانَ الْقَلْبَ مَا لَمْ يَخْلُ مِنْ ذِكْرِ الْخَيْرِ لَا يُؤْتِرُ ذِكْرُ اللَّهِ فِيهِ اَصْلًا -
 یہ شرط بے حد اہم ہے۔ کیونکہ جب تک انسان کا دل غیر سے خالی نہ ہوگا۔ خدا کا ذکر اس میں ہرگز اثر پیدا نہ کرے گا۔

(۳۴) جمعہ بالا التزام ادا کرنا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :
 لِلْاَعْتِكَاتِ الْاَلَا فِي مَسْجِدِ الْجَامِعِ - یعنی اعتکاف ہمیشہ جامع مسجد میں ہونا چاہیے۔“

(۳۵) معتکف کو لازم ہے کہ کلمہ استغفار بلا ناغہ پڑھا کرے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں :
 وَاسْتَغْفِرُ اللَّهُ اِنْ اِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ -

وَفِي الْخُبْرِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى يَا اَبْنُ اٰدَمَ مِنْكَ اِلِ سْتَغْفَارٍ وَمِثِّي الْمَغْفِرَةُ - یعنی ”اے اولاد آدم ! استغفار تمہارا کام ہے اور مغفرت ہمارا کام ہے۔“

(۳۶) موت ہمیشہ پیش نظر رہے۔ حدیث میں آیا ہے :
 لِكُلِّ شَيْءٍ اَصْلٌ وَفَرْعٌ فَاِنَّ اَصْلَ الطَّاعَاتِ ذِكْوَالْمَوْتِ وَالطَّاعَةُ فَرْعُهُ وَاِنَّ اَصْلَ الْمَعَايِ نَسِيَانِ الْمَوْتِ وَالْمَعَايِ فَرْعُهُ - یعنی ہر چیز کی اصل اور فرع ہوتی ہے۔ عبادات کی اصل اور جڑ موت کا یاد رکھنا ہے اور اس کی فرع طاعت ہے۔ اسی طرح سے گناہوں کی جڑ موت کا بھلا دینا ہے اور اس کی شاخ گناہ اور عصیان ہے۔
 بقول شاعر سے

بامید وصال می دہم جاں وگر نہ طاقت ہجران کہ دارد !
 یعنی اے اللہ! تیرے وصال کی امید پر جان دیتا ہوں۔ ورنہ کسے تو نیتق ہے کہ وہ ہجر برداشت کر سکے۔

(۳۷) سالک کو چاہیے کہ ہمیشہ عذاب الہی سے خائف رہے اور گریہ سے محبت رکھے

ایک بزرگ فرماتے ہیں ۔
 گریہ گر کس کند برائے خدا عفو سازد خدا گنہ اورا
 گر چہ باشد گناہ آنکس را بیشتر از ستارگان سما
 یعنی کسی شخص کے گناہ خواہ آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ اگر وہ
 بارگاہِ الہی میں روئے اور زاری کرے تو اللہ کریم اُس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔
 حضور فرماتے ہیں :

مَنْ يَكُتُ نَفْسَهُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مُنَاجًا - جو شخص خوفِ خدا سے روتا
 ہے۔ خداوند کریم اُسے اس حال میں بہشت میں داخل کرے گا کہ وہ ہنس رہا ہوگا۔
 (۳۸) معذرت کو لازم ہے کہ محبوبِ حقیقی کے دیدار کا آرزو مند اور اُس کی رحمت کا طلبگار
 رہے۔ جیسا کہ ارشادِ الہی ہے :

لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا - اے میرے بندو! میری
 رحمت سے نا اُمید نہ ہونا۔ جس پر اپنا فضل کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے سارے گناہ
 بخش دیتا ہوں۔ ایک صاحبِ حال کا ارشاد ہے ۔

بخشش و فضل حق نہ حدیباں ہست این قول در جہاں شائع
 آنکہ بر کافراں بنجشاید مسلمان را کجا کند ضائع

یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش و فضل کا شمار نہیں ہو سکتا، تو پھر وہ رحیم و کریم
 خدا جو کافروں پر بھی عنایت کرتا ہے مسلمان کو کیسے محروم رکھ سکتا ہے ؟

(۳۹) بول و براز کے متعلق جو آداب مقرر ہیں، ان کا بھی خیال رکھے۔

(۴۰) ضروری ہے کہ خلوت میں بھی ادب پیش نظر رہے۔ حضرت علی کریم اللہ وجہہ فرماتے ہیں :

جو شخص بے ادب ہے، اُسے شرف حاصل نہیں ہوگا۔ یعنی ادب میں عزت ہے ۔
 بے ادب مرد کے شود مہتر گر چہ اورا جلالتِ نسب است

ادب تا جلیست از لطفِ الہی بہنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

۵۔ با ادب باش تا بزرگ شوی کہ نتیجہ بزرگی ادب است
رسالہ کے آخر میں اعتکاف میں بیٹھنے کی ترغیب دی گئی ہے جو چھ اشعار پر مشتمل ہے۔
یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کلام کس بزرگ کے فکر و سا کا نتیجہ ہے۔ ہم ان اشعار کو علیٰ حالہ
یہاں درج کر رہے ہیں۔

اے دل بیا بکوئے وفا خلوت گزین
از ہر چہ غیر دوست نباید اے دل
تجرید شو نہ ہر چہ دریں رہ نہ در خواست
تا ہر کہ در تیکہ بود با صفا شود
پس نور حق مشاہدہ افتد ترا بسر
سلطانِ تختِ مملکتِ سرمدی بعشق
در سلک سالکان برہ بے نشان نشین
وانگہ بحق نمائی توتی شو اہلِ دین
بر آستانِ دوست بر آور یک اربعین
از دستِ دیو نفس زہر جانِ نازنین
مرآتِ روئے دوست شوی از سر لقیں
شاہ ہے بود کہ کسب کند دولتِ چنین

حضرت مخدوم لال عین رحمۃ اللہ علیہ (کر وٹ لال عین) کے مزار مبارک کے
قلمی نسخے | سرہانے ایک قلمی قرآن شریف لکھا ہے۔ اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ
حضرت شیخ الاسلام کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے۔ پہلے یہ حضرت کے مقبرہ شریف میں لکھا
ہوا تھا۔ جب شیخ لال عین ملتان سے کر وٹ شریف لائے تو اس بے بہا تبرک کو بھی ہمراہ
لیتے آئے۔ نیا نہ مند نے کر وٹ پہنچ کر اس متحفہ کی زیارت کی ہے۔ رسم الخط تو چھٹی صدی ہجری
کا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس میں حضرت کے دستخط یا کوئی ایسی تحریر نہیں مل سکی، جس سے
اس دعوے کی توثیق ہو سکتی۔

اسی طرح "العزیز" بہاول پور کے شمارہ فروری ۱۹۴۵ء
کشف المحجوب کا قلمی نسخہ | میں ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ جس میں یہ ثابت کیا گیا تھا
کہ حضرت شیخ الاسلام نے سید علی ہجویری کی مشہور عالم تصنیف "کشف المحجوب" کو بھی اپنے
ہاتھ سے سپرد قلم فرمایا تھا۔ یہ قیمتی نسخہ پیرزادہ مولوی محمد حسین صاحب ایم اے متبرجم
عجائب الاسفار کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ ۱۹۴۵ء کے انقلاب کے بعد جب ان کے خاندان
کی حفاظت نہیں ہو سکی۔ ان کا علمی خزانہ کہاں محفوظ رہا ہوگا۔ خاکسار نے ان کے قریبی رشتہ داروں

سے ہر چند دریافت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس گنج شاہیگاں کا پتہ نہیں چل سکا۔
 چند سال گزرے اور ٹیبل کالج لاہور کے ریٹائرڈ پرنسپل پروفیسر محمد شفیع ایم اے نے
 یہ انکشاف کیا کہ کشف المحجوب کا وہ نسخہ جس کی ڈھونڈ یا پڑ رہی تھی، میرے پاس موجود ہے۔
 چنانچہ اُن کے انتقال کے بعد اُن کے فرزند جناب احمد ربانی صاحب نے محکمہ اوقاف پنجاب سے
 رابطہ پیدا کیا اور اس سے اس نسخہ کی طباعت کے لیے گران قدر رقم حاصل کی۔ جب یہ نسخہ
 چھپ کر منظر عام پر آیا، تو ارباب فہم و ادراک یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس پر تکمیلی دستخط
 ۱۹۶۴ء کے ہیں۔ حالانکہ حضرت شیخ الاسلامؒ کا موثق شہادتوں سے ۱۹۶۱ء میں فوت ہونا
 ثابت ہے۔

محدث دہلوی کی شہادت

محدث دہلوی حضرت مخدوم سید جمال الدین موسیٰ پاک
 شہید علیہ الرحمۃ کے مرید تھے اور کافی عرصہ ملتان میں اپنے
 مُرشد کے قدموں میں رہ کر انہوں نے اپنی معرکہ الاراکات "اخبار الاخبار" لکھی۔ آپ اکثر حضرت
 شیخ الاسلامؒ کے آستانِ پاک پر حاضر ہوا کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے شیخ الاسلامؒ کی جو تاریخ
 وفات لکھی ہے، وہ اپنے اندر خاصا وزن رکھتی ہے۔ آپ شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کی وفات کا ذکر
 اس طرح سے کرتے ہیں:

« متوفی رحمة اللہ سابع صفر ۱۹۶۱ھ (ص ۲۸۴) »

حضرت مخدوم سید جلال بخاری کا بیان

حضرت مخدوم سید جلال بخاریؒ حضرت شیخ الاسلامؒ
 کے مرید صادق، مصاحب، یار غار اور خلیفہ
 اعظم تھے۔ اپنے مُرشد کے انتقال کے وقت ملتان میں موجود تھے اور شیخ کے غسل اور تکفین و
 تدوین میں شریک رہے۔ انہوں نے اپنے مُرشد کے حالات بڑی احتیاط سے قلمبند فرمائے
 ہیں۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کے حالات پر مخدوم سید جلال بخاریؒ کا یہ تذکرہ ہر زمانے میں سند
 مانا گیا ہے۔ دوسری تمام روایات اس کے مقابلے میں ہیں۔ آپ کا اسلوب بیان اور طرزِ نگارش
 ملاحظہ ہو:

« (شیخ الاسلام) رحلت فرمود من دار الفناء الی دار البقاء یوم الثلاثاء بعد اذان الظهر

قرب دخول وقت العصر فی السابع من شهر الصفر سنہ احد وستون وست مائتہ و
کان عمرہ ستہ و تسعون“

(یعنی، صفر ۶۶۱ھ)

حضرت محدث دہلوی اور سید السادات جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی موثق شہادتوں
کے بعد یہ امر طے شدہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرت کا سنہ وفات ۶۶۱ھ ہے۔ اس لیے
کشف المحجوب کا یہ نسخہ جو جناب احمد ربانی صاحب نے طبع کرایا ہے، اس کا انتساب
حضرت شیخ الاسلام زکریا ملتانی سے صحیح نہیں۔

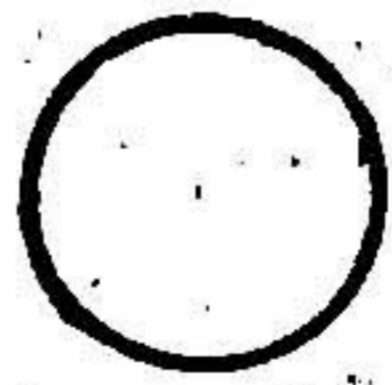
اگر بفرص محال جناب احمد ربانی صاحب کے دعویٰ کو صحیح مان لیا جائے کہ حضرت
شیخ الاسلام کا انتقال ۶۶۵ھ میں بعمر سو برس ہوا تھا۔ تو کیا کوئی صاحب فہم و ادراک
یہ تسلیم کرنے پر آمادہ ہو گا کہ ۹۶ برس کی عمر میں بھی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ کیا وہ دنیا
میں کوئی فرد واحد ایسا دکھا سکتے ہیں، جس نے ۹۶ برس کی عمر میں اتنی ضخیم کتاب قلمبرداشت
لکھی ہو اور پھر ایسے حالات میں جبکہ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں میر سیّدی،
سید جلال بخاری، سلطان التارکین حمید الدین حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الاسلام کے
صاحبزادوں کے علاوہ بے شمار عربی اور فارسی کے اساتذہ اور خطاط موجود تھے۔

انہیں کیا پڑی تھی کہ خود ضعیفی کے اس عالم میں، جبکہ مشہور یہ ہے کہ اخیر میں حضرت
نے دنیا سے قطع تعلق کر لیا تھا اور ہر وقت عبادت الہی میں مشغول رہتے تھے، کشف المحجوب
لکھنے کی زحمت گوارا کرتے۔ لہذا ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ نسخہ جسے احمد ربانی صاحب
نے اتنے اہتمام سے محکمہ اوقاف کی مدد سے طبع کرایا ہے، حضرت شیخ الاسلام کا
لکھا ہوا نہیں ہے۔

نیز جہاں تک ”دستخط“ کا تعلق ہے، یہ اس لیے بھی حضرت کے نہیں کہ بہاء الدین
حضرت کا نام نہیں، لقب ہے اور نام آپ کا نہ کر یا ہے اور ابو محمد کنیت ہے۔
اسی طرح آپ کے صاحبزادے کا نام ”محمد“ اور لقب ”صدر الدین عارف“ ہے۔ کوئی شخص
دستخط کرتے وقت اپنے نام کے ساتھ لقب درج نہیں کرتا۔ یعنی کوئی عالم اس طرح سے

دستخط نہیں کرے گا۔ ”شمس العلماء محمد شفیع بقلم خود“ بہاء الدین صرف حضرت شیخ الاسلام
 کا ہی نام نہیں۔ خواجہ بہاء الدین نقشبند، مولانا بہاء الدین مفتی اگرہ۔ سید بہاء الدین
 بخاری ایسے ہزاروں افراد گزر چکے ہیں۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ کسی نے حضرت کے
 نام پر اپنے بیٹے کا نام بہاء الدین ذکر کیا ہو۔ اور اس نے ۶۶۴ھ میں کشف المحجوب
 کا زیر بحث نسخہ کتابت کیا ہو۔ آج کل ایسے نام عام ملتے ہیں، جن میں نام کے ساتھ
 تخلص کو بھی اپنا لیا گیا ہے۔ جیسے گوجرانوالہ کے مرحوم مولانا عبدالرحمن جامی، مرحوم کمشنر
 ملتان سید محمد قاسم رهنوی، عثمان عینی اور علی المرتضیٰ وغیرہ۔

سب سے بڑا ثبوت اس مخطوطہ کے جعلی ہونے کا یہ ہے کہ حضرت شیخ الاسلام کے
 دست مبارک کا لکھا ہوا ترانہ مجید جو کہ وہ ضلع مظفر گڑھ میں حضرت مخدوم
 لال عیسیٰ قدس سرہ کی اولاد کے پاس محفوظ ہے، اس نسخہ کا خط اس مصحف مقدس کے
 خط سے نہیں ملتا۔ اس لیے جناب احمد بانی صاحب کے دعوے میں کوئی وزن
 نہیں ہے۔





حضرت شیخ الاسلام نے کافی عمر پائی تھی۔ اس لیے آپ کو کئی بادشاہوں کا دور دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ سلطان شمس الدین التمش جو علماء اور مشائخ کے بڑے قدر دان تھے۔ ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ کو فوت ہو گئے۔ ان کے بعد شہزادہ رکن الدین مسند نشین ہوئے، مگر چند ماہ بعد معزول کر دیئے گئے۔ ان کی جگہ سلطان التمش کی جواں بہمت شہزادی رضیہ تخت پر بیٹھی، لیکن ۳ برس کے بعد وہ بھی شہید کر دی گئی۔ اسے حضرت شیخ الاسلام سے گہری عقیدت تھی۔ اپنی عملداری کے زمانہ میں جب وہ ایک بغاوت فرو کرنے کی غرض سے پنجاب آئی، تو اُس نے ملتان پہنچ کر حضرت کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا اور ایک آباد موضع لنگر کے لیے نذر گزارا۔

۲۸ رمضان ۶۳۴ھ کو معز الدین بہرام شاہ نے ابائی تخت سنبھالا۔ لیکن ابھی اُسے دو سال بھی نہیں گزرے تھے کہ مخالف امراء نے تخت سے اُتار کر قتل کر دیا۔ اب بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ حکومت التمش کے خاندان سے رخصت ہو چکی ہے۔ امرائے سلطنت نے ملکہ اعز الدین بلبن کو تخت پر لا بٹھایا۔ لیکن ابھی اُس کا پہلو بھی گرم نہ ہوا تھا کہ یادوں نے باز سے پکڑ کر نیچے اُتار دیا۔ بھجوانے سے

بیٹھنے پائے بھی نہ تھے کہ نکالے بھی گئے

امراء پھر دوڑے اور سلطان رکن الدین کے بیٹے علاء الدین مسعود کو قصر سفید سے نکال لائے۔ یہ شہزادہ اپنے چچاؤں ناصر الدین اور جلال الدین کے ہمراہ اس محل میں قید و بند کی سختی جھیل رہا تھا۔ تخت پر بیٹھا تو بچوں کی مصیبت کا احساس ہوا۔ چنانچہ ملک جلال الدین کو تو قنوج مرحمت کیا اور ناصر الدین کو بھڑاچ۔ لیکن تخت و تاج اُسے بھی راس نہ آیا۔ چار سال بعد امر اس سے بھی تنگ آ گئے۔ انہوں نے شہزادہ ناصر الدین کو خفیہ عرضداشت بھیجی کہ دہلی کا تخت

میں ہے۔ آپ فوراً تشریف لے آئیں۔

ناصر الدین نے دہلی کا رخ کیا۔ اس سفر میں اس کی والدہ ملکہ جہاں ہمراہ تھی۔ اس نے مشہور کیا کہ سلطان بیمار ہے اور علاج کی غرض سے دہلی جا رہا ہے۔ اسے ایسا وہم تھا کہ جب رات ہوتی تو ناصر الدین کے مُتہ پر نقاب ڈال دیتی تاکہ کوئی پہچان نہ سکے۔ چنانچہ اس رازداری سے بیٹے کو دلی لے آئی کہ کسی کو علم تک نہ ہو سکا۔ الغرض ۲۳ محرم ۶۴۴ھ کو قصرِ سبز میں سلطان ناصر الدین نے اپنے باپ کے تخت پر قدم رکھا۔ غیاث الدین بلبن کو وزارتِ عظمیٰ کا قلمدان عنایت کیا اور سلطنت کے تمام کاروبار اس کے اعتماد پر چھوڑ دیئے اور اُسے تمام اعیانِ سلطنت کی موجودگی میں کہہ دیا کہ ایسا کوئی کام نہ کرنا کہ خدا کے رُوبرو اس کے جواب سے تجھے شرمندہ ہونا پڑے۔

سچ یہ ہے کہ اس وزیر نے ملک کا حق ادا کیا اور سلطنتِ ہند کو جو چند سالوں سے بازیچہٴ اطفال بنی آ رہی تھی، ہر لحاظ سے مضبوط بنا دیا۔ کسی امیر کو یہ جرأت نہ تھی کہ اُس کے آگے دم مار سکے۔ اس نے اپنے عم زاد بھائی شیرخان کو سرحدی صوبوں کا حاکم مقرر کیا جس میں غزنی، کابل، قندھار، بلخ، ہرات، لاہور، آچ اور ملتان سب شامل تھے۔ یہ بڑا منتظم اور بہادر سپہ سالار تھا۔ اُس نے اچھا انتظام کیا۔ صاحبِ تذکرہ ملتان کا بیان ہے کہ سلطان ناصر الدین ۶۴۹ھ میں براستہ لاہور، ملتان تشریف لائے ہیں۔ اس نے شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضری دی اور خدامِ بادشاہ کو خلعِ فاخرہ اور انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔

سلطان ناصر الدین باپ کی طرح ایک متقی اور پیرہیزگار بادشاہ تھا۔ اگرچہ اس کا دربار نہایت مکلف ہوتا۔ مگر گھر کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ ملکہ سلیمہ بیگم اپنا کھانا خود پکاتی تھی۔ ایک دن اس نیک بخت نے عرض کی کہ روٹی پکانے میں ہاتھ جلتے ہیں، کوئی لونڈی خرید لو۔ فرمایا۔ بیت المال رعایا کا حق ہے۔ میرا اس میں کچھ حصہ نہیں ہے کہ روپیہ لے کر لونڈی خرید لوں۔ صبر کر۔ خدا اس کا اجر دے گا۔ غرض ساری عمر درویشی میں بسر کر دی اور ایک کوڑی تک شاہی خزانے سے قبول نہ کی۔ ہمیشہ قرآن شریف کی کتابت سے گزر اور اوقات کرتا رہا۔

اتفاقاً ایک امیر اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید زیادہ قیمت میں لے گیا۔ اسے علم ہوا تو بڑا فکر مند ہوا۔ اس کے بعد وہ اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے قرآن شریف مخفیہ طور پر بیچنے لگا۔

سلطان کا ایک مصاحب ”محمد“ نامی تھا۔ یہ ہمیشہ اُسے نام سے پکارتا تھا۔ ایک دفعہ اُسے نام سے نہ پکارا بلکہ فرمایا۔ تاج الدین ادھر آ اور یہ کام کر۔ محمد کام کر کے گھر جو گیا۔ پھر تین دن تک بادشاہ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ سلطان نے ادھی بھج کر اُسے طلب کیا اور غیر حاضری کا سبب دریافت فرمایا۔

مصاحب نے دست بستہ عرض کی کہ حضور نے مجھے خلافتِ عادت تاج الدین کہہ کر پکارا تھا۔ اس لیے میں نے محسوس کیا کہ حضور، غلام پر ناراض ہیں۔ اسی رنج میں تین دن گھر سے نہیں نکلا۔

سلطان نے فرمایا۔ اے عزیز! مجھے تم پر کوئی رنج نہیں ہے، اُس دن میں وضو سے نہیں تھا۔ بغیر وضو ”محمد“ کا نام لیتے ہوئے مجھے شرم آئی۔ اس لیے تاج الدین کہہ کر پکارا۔ سلطان ناصر الدین نے اگرچہ شیخ الاسلامی کا منصب بدستور سابق مغلوں کا دوسرا حملہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیزہ سے منسوب کر رکھا تھا۔ لیکن اس بارے میں تاہینیں یکسر خاموش ہیں کہ حضور ناصر الدین کے زمانے میں کبھی دہلی تشریف بھی لے گئے یا نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام ان دنوں گوشہ نشین ہو چکے تھے۔ دہلی میں انہوں نے یا تو اپنا کوئی نائب مقرر کر رکھا ہو گا یا کاغذاتِ بخرض فیصلہ یہاں آتے ہوں گے۔

ملتان کی صوبیداری پر جب تک شیر خاں ممتاز رہا۔ اس شہر پر کسی بیرونی حملہ آور نے حملہ نہیں کیا۔ لیکن اعز الدین بلبن کے زمانے میں مغلوں نے پھر ایک خوفناک حملہ کیا۔ اعز الدین بلبن شمس الدین التمش کا ایک مقتدر امیر تھا۔ معز الدین بہرام شاہ کے بعد لوگوں نے اسے بھی تخت پر لا بٹھایا تھا۔ اگر کوئی اور بادشاہ دلی کے تخت پر بیٹھتا تو اُسے زندہ نہ چھوڑتا۔ لیکن ناصر الدین کے دم و کرم نے اُس کی جان لینا گوارا نہ کی۔ نہ صرف خطا معاف ہوئی بلکہ بدستور

سابق اُسے نظامت کا عہدہ بھی مرحمت ہوا۔ لیکن بیوقوفوں کے بہکانے سے وہ رہ کر اُس کے دماغ میں بادشاہی کا مروڑ اُٹھتا تھا۔ چنانچہ اُس نے ناگورہ اور اُچ میں متواتر بغاوتیں کیں۔ سلطان نے اسے شکستِ فاش دی۔ لیکن جب وہ تلواروں کی چھاؤں میں ننگے سر پیش ہوا تو راجہ دل شہنشاہ نے نہ صرف اُسے معاف کر دیا۔ بلکہ اُسے اپنی جاگیر بھی واپس دے دی۔ مگر اس کا باطن صاف نہیں تھا۔ چنانچہ ۱۲۵۷ھ میں اس نے مغلوں کو ملتان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ وہ تو موقع کی تاک میں تھے۔ شہ پاکر بگولے کی طرح اُٹھے اور گھٹا کی طرح چھا گئے۔ برج اور مورچے گرا کر قلعہ اور شہر کو غیر محفوظ کر دیا۔ شہر میں قتل و غارت کا بازار گرم ہونے کو تھا کہ حضرت شیخ الاسلام اپنے محل سے ایک لاکھ درہم نقد لے کر بچے اور مغل سرداروں کو دے کر شہر کو تباہی سے بچا لیا۔ مغل یہاں سے ہی واپس لوٹ گئے۔ سلطان کو اطلاع ہوئی تو اعز الدین کو معزول کر کے شیر خاں کو اُسکی جگہ اُچ اور ملتان کا ناظم مقرر کر دیا۔

آخری منزلیں | حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اب اپنی زندگی کی آخری منزلوں سے گزر رہے تھے۔ اگرچہ حضور ۹۶ سال کی لیل و نہار کے ستمے ادلتے بدلتے دیکھ چکے تھے۔ لیکن آپ کی جسمانی صحت آخرین لمحات تک قابلِ رشک رہی۔ حضرت زندگی بھر بیمار نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ سر میں بھی درد تک نہیں پڑا۔

حضرت جب اس سرزمین میں تشریف لائے تھے، یہ علاقہ کفر و الحاد کا گوارہ بن رہا تھا۔ لیکن اب کایاپلٹ چکی تھی۔ ملک کے طول و عرض میں ہزاروں مبلغین حضرت کے اشارہ پر مٹے توجید کے خم لٹھالتے پھرتے تھے اور چپہ چپہ پر قرآن و حدیث کے درس جاری تھے۔ عروس البلاد ملتان کو حضرت کے یاران بے ریا اور اکابر خلفاء نے بقعتہ الاسلام بنا رکھا تھا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت جس مقصد کے لیے اس مینوسوادِ نوحہ میں تشریف لائے تھے، وہ کافی حد تک پورا ہو چکا ہے۔ دیکھنے والے دیکھتے تھے کہ ملک عدم کا مسافر نئے سفر کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ حضرت تمام دن حجرہ شریف میں معتکف رہنے لگے تھے۔ صرف نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے مسجد میں تشریف لے آتے تھے اور پھر حجرہ میں چلے جاتے۔

کسی کو حجرے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں تک کہ خدامِ بادگاہ بھی حاضر ہوتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ چنانچہ ایک شام کو جب خادمِ چراغ لے کر اندر جانے لگا تو حضرت قطب الاقطاب رکن الدین نے اُسے روک دیا اور فرمایا :

» حجرہ انوارِ الہی سے جگمگا رہا ہے، چراغ لے جانے کی ضرورت نہیں «

خادم نے ٹھٹک کر حضرت کے سرِ اُپا پر نظر کی، گویا وہ نہ بانِ حال سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ حضور! ایسے عالم میں آپ اندر جانے سے کیوں روکتے ہیں۔ یہی وقت تو اندر جاتے کا ہے۔

قطب الاقطاب نے مکرر فرمایا :

» بھلے میاں! اندر مت جاؤ۔ ورنہ بے ہوش ہو جاؤ گے۔ اس نور کی تاب تم کہاں لاسکتے ہو «

اسی لیل و نہار میں ایک روز اپنے بڑے صاحبزادے شیخ صدر الدین **آخری وصیتیں** عارف کو طلب فرمایا اور ارشاد کیا :

» بر خوردار! اُج میں ایک درویش رہتا ہے جو جوہرِ لطیف لکھتا ہے اور صابِ استعداد ہے۔ اس نے اب تک کسی درویش کا دامن نہیں پکڑا۔ اُس نے ہمارے خانوادہ سے پورا نصیبہ حاصل کرنا ہے۔ اگرچہ وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکا لیکن میرے انتقال کے بعد وہ تمہاری طرف متوجہ ہو گا اور خرقہ کی درخواست کرے گا۔ اس وقت "جذبہ حق" نے اُس پر مجذوبانہ کیفیت طاری کر رکھی ہے۔ جب وہ تیری خدمت میں حاضر ہو پہلے دن اُسے ملاقات کا موقع نہ دینا، بلکہ تین دن تک تخلیہ میں بٹھا کر قرآن مجید کی تلاوت کرانا تاکہ وہ جذب و مستی کے غلبہ سے باہر نکل آئے اور شعور کے ساتھ آدابِ صحبت بجالانے کے قابل ہو سکے۔ اس کے بعد طلب کر کے اُسے اپنی

ارادت میں داخل کہ تا۔ شیخ الشلوخ شہاب الملتہ والدین کے خرقہ مبارک کے
سوا باقی تمام تبرکات جو لباس پر مشتمل ہیں، بخصہ برابر اُسے بانٹ دینا اور کہنا
”نصف لی و نصف لک“

پیر اسرارِ قاصد | ۱۷ صفر ۱۳۶۱ھ بروز منگل حسب معمول ظہر کی نماز پڑھ کر حضرت
شیخ الاسلام حجرہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت صدر الدین عارف کچھ
دیر خانقاہ اور حجروں کا جائزہ لیتے رہے۔ تمام درویشوں کو مصروفِ عبادت پا کر قبلہ گاہ
کے حجرہ کی طرف لوٹ آئے۔

حضرت شیخ الاسلام، عارف باللہ کے نہ صرف والد ماجد تھے بلکہ مرشد بھی تھے یہ دونوں
رشتے محبوبیت کے درجہ تک پہنچ چکے تھے۔ ان دنوں چونکہ حضرت کے طرزِ عمل سے فراق کا
رنگ بھلکتا تھا۔ اس لیے یہ سعادت مند فرزند اور مرید صادق کی مانند سایہ کی طرح حضرت
کے ساتھ چمٹے رہتے تھے اور جب وہ حجرہ میں تشریف لے جاتے تو یہ پروانہ وار حجرہ
پر تصدق ہوتے رہتے۔ اس دن دروازے کے پاس کسی نامعلوم فکر میں کھوئے سے
کھڑے تھے کہ دفعۃً ایک نورانی چہرہ کے مقدس بزرگ نمودار ہوئے۔ سبز رنگ کا ایک
سر بہرِ خط پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اس ملفوف کو اسی وقت شیخ الاسلام کی خدمت
میں پہنچا دیجئے۔

اس خط کا عنوان عجیب قسم کا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس پر یہ کلمات درج تھے :
”ادجعی الی ربک لراضیۃ صرہنیۃ“۔ آپ سہم گئے۔ خط والد بزرگوار کی خدمت

لے گئے گوئید کہ حضرت شیخ الاسلام بہاء الملتہ والدین شیخ صدر الدین چینی نصیحت کہہ دے اور ادرکنانہ نگیری
مبادا تمام نعمت اتہ تو اخذ نماید۔ بس نصف دہی و بگوئی ”نصف لی و نصف لک“ اس امر غیر واقعہ معلوم
مے شود از انکہ اس سخن در میزان درویشی و زنتے ندارد کہ مریدانہ پیر خود نعمت کشت و اورا خالی کند۔ بلکہ
پیر ہر کہ نعمت ایثارے نماید۔ از خزانه جاودانہ حضرت عزت مے لساند کہ در اینجا هیچ تنقیصے
نیست۔ (سیر الحارثین از مولانا جمالی، قلمی ص ۲۸) ۱۷ صفر ۱۳۶۱ھ - ۲۸ -

میں پیش کر کے باہر آئے، تو قاصد کو تہ پایا۔ اسی اثناء میں حجرے کے چاروں گوشوں سے
آواز بلند ہوئی :

”دوست بدوست رسید“

عارف باللہ گھبرا کر واپس لوٹے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت کا سر تیار سجدے میں
ہے اور روح اعلیٰ علیین کو پرواز کر چکی ہے۔

پتھ ہے سے

در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدھند

کاسجا ملک الموت نلنجد ہرگز !

شہر میں کرام برپا ہو گیا۔ ہر طرف بجلی کی سی سرعت کے ساتھ یہ اندوہناک خبر پھیل
گئی۔ چھوٹے بڑے، ہندو، مسلمان سب کے سب آستانہ عالیہ پر جمع ہو گئے۔ حجرہ شریف ایک
بے مثال خوشبو سے مہک رہا تھا۔ اور

● وہ ذاتِ گرامی جو آفتابِ عالمتاب کی طرح بلا امتیاز رنگ و ملت ہر مسلم غیر مسلم پر
برابر مہربان تھی۔

● جس کی جنبش لب مسیحا ئی کا کام کرتی تھی۔ جس کی مسکراہٹ پر دلِ قربان ہوتے تھے۔
● جس کے کلماتِ طیباتِ دلوں کی کائنات میں ہلچل ڈال دیتے تھے۔ جس کے ہرے کا
دیدار ایسا کوتاہ کر تا تھا۔ جس کے قدموں میں ارادت مندوں کو دین و دنیا کی تمام
نعمتیں اور سعادتیں نظر آتی تھیں۔

● جس نے اپنی زندگی میں ملتان پر کوئی آپنج نہ آنے دی۔
● جس نے مکران سے کشمیر اور قندھار سے دہلی تک کی سرزمین کو کفر و ظلمت سے نجات
دلا کر اسلام کے حسین و جمیل سراپا سے متعارف کرایا تھا۔

● وہ شیرِ حق! جس سے التمش، ناصر الدین قباچہ اور دیگر عمائدین سلطنت لرزہ بر اندام
رہتے تھے، آج اس کا طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر کے اعلیٰ علیین کے فرحت
بخش مقام پر پہنچ چکا تھا۔ طریقت و معرفت کا نیرِ اعظم غروب ہو گیا، شریعتِ محمدیہ کا

ماہِ کامل چھپ گیا۔ دُنیا تارِ یک ہو گئی۔ جہاں غوثِ الاغواث اور قطبِ الاقطاب کے
بابرکت و جود سے خالی ہو گیا۔ عرب و عجم، مصر و شام اور ہند و سندھ کے لاکھوں وابستگان
درگاہِ یتیم ہو گئے۔ کہڑوں آدمیوں کے سروں سے روحانی باپ کا سایہ اُٹھ گیا۔
اے! وہ مردِ کامل رخصت ہو گیا۔ مُریدِ زندہ ہیں، مگر مراد نہیں۔

اور وہ جسدِ اطہر!

- جس کی آنکھیں زندگی بھر خوفِ الہی سے وقتِ اشکباری رہیں۔
- جس کی زبان لمحہ بھر ذکرِ الہی سے غافل نہ ہوئی۔
- جس کے نورانی ہاتھ ہمیشہ محتاجوں کو درہم و دینار دینے اور بارگاہِ الہی میں التجا و
استغاثہ کے لیے اُٹھتے رہے۔
- جس کے پاؤں رات بھر قیام میں رہنے کے سبب متورم ہو جایا کرتے تھے۔
- جس کا وجود دوست دشمن سب کے لیے یکساں مفید اور مسعود تھا۔
- جس نے عراقی، میر حسینی اور سید جلال جیسے ہزاروں خاصانِ خدا کو قطبیت کے
درجے پر پہنچا دیا تھا۔

آج!

ایک تختہ پر حیاتِ سمرمدی کی چادر تانے استراحت فرما تھا اور شیخِ عمر عمودی اسے
آخری غسل دینے میں مصروف تھے۔

جب تجہیز و تکفین سے فارغ ہو گئے تو لاکھوں آدمیوں نے حضرت شیخ الاسلام
صدر الدین محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی امامت میں نمازِ جنازہ ادا کی اور اس خانقاہ شریف
میں جہاں حضرت سالہا سال تک مصروفِ عبادت رہے تھے، سپردِ خاک کر دیئے گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط

کئی ماہ تک اطرافِ عالم سے گروہ درگروہ لوگ روتے، پیٹتے، چنچتے، چلاتے تعزیت
کو آتے رہے۔ رات کو سرائے میں ٹھہرنے والے حجرہ نشینوں درویشوں اور مستقل خدام کے
علاوہ مہمانوں کی تعداد پانچ سو، سات سو اور کبھی ایک ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔ ان سب کو

ان کے مرتبہ کے لحاظ سے کھانا اور بستر وغیرہ ملتا تھا۔ خلاصۃ العارفین کا مؤلف حضرت کی وفات کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے :

« شیخ الكبير المنير، قطب العلمين، غوث الثقلين، مخدوم العالم شيخ بهاء الدين، بهاء الحق والشرع والحقيقة والطريقة والدين ابو محمد زكريا رحلت فرمود من دار الفناء الى دار البقاء يوم الثلاثاء بعد اذ اظهر حين قرب دخول وقت العصر في السابع من شهر الصفر سن احدى وستون وست مائة وكان عمره ستة وتسعون غسله شيخ عمر عمودي وصلى عليه شيخ الاسلام ابو المغانم صدر الدين محمد رحمه الله عليه والمدفون فيها دخل الحصن القديم في بحرته وجاء الناس من بلاد شتى اذواجا واذواعا كلهم اضياء فهم وبلغ جماعة الاضياف في بعض الاوقات من خمس مائة الى سبع مائة والى الف سوى سكة الرباط والحجرات والعمله »

« بخط مولانا ضياء الدين ملتاني ۱۳۰۳ھ »

پاک پٹن میں غائبانہ جنازہ | جس دن حضرت شیخ الاسلام نے دارِ فانی سے عالمِ بقاء کو انتقال فرمایا حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر پاک پٹن میں

تھے اور ذکر اور مراقبہ میں مصروف تھے۔ دفعۃً آپ پر غشی کا عالم طاری ہو گیا۔ جب اس حالت کو کافی دیر گزر گئی، تو خدام کو سخت فکر ہوئی۔ ایک صاحب حجرہ شریف سے خواجہ قطب الدین بختیار کاکئی کا خرقة اٹھالائے اور اسے حضرت کے اوپر ڈال دیا۔ اس سے آپ ہوش میں آ گئے اور آبدیدہ ہو کر شیخ عبداللہ بلخی کی طرف دیکھا۔ فرمایا :

« آج برادر م بہاء الدین کا وصال ہو گیا۔ میں نے ابھی ابھی دیکھا ہے کہ ایک ہزار فرشتے ان کے آگے اور شیخ شہاب الدین سہروردی ان کے پیچھے ہیں اور شیخ بہاء الدین کو آسمان کی طرف لینے جاتے ہیں »

پھر فرمایا :

” آئیے! تاکہ اپنے بھائی کا جنازہ پڑھیں “
چنانچہ خانقاہ کے تمام افراد وضو کر کے جمع ہو گئے اور حضرت کی امامت میں غائبانہ
جنازہ ادا کیا۔

الغرض ہدایت اور ولایت کے آسمان کا یہ تیرا عظیم جو تقریباً ایک صدی سے ہندوستان
کے کفرستان پر ضیاء پاشی کر رہا تھا۔ اپنا نور نہ مانہ بھر میں پھیلا کر ملتان کے فلک بوس
قلعہ میں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ لیکن اس کا غروب ہونا سورج کا غروب ہونا نہیں ہے۔
وہ صرف نگاہوں سے اوجھل ہوا ہے۔ مگر اس کے نور سے دلوں کی کائنات اب بھی روشن
ہے اور جب تک یہ ناظورۂ عالم آباد ہے۔ درویشی کی دنیا میں چاند تارے بن کر چمکنے والی
ہستیاں اُس سے برابر کتاب نور کرتی رہیں گی۔

ہر گز نہ میر و آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اولاد و احفاد

شیخ الاسلام کے دو حرم تھے۔ رشیدہ بانو اور بی بی شہر بانو۔
رشیدہ بانو کے بطنِ عفت سے شیخ صدر الدین عارف، شیخ علاء الدین محمد، شیخ
شہاب الدین انوری اور شیخ برہان الدین صاحب تولد ہوئے۔
بی بی شہر بانو سے شیخ قدوة الدین محمد، شیخ شمس الدین محمد محبوب خدا اور شیخ ضیاء الدین
پیدا ہوئے۔

امروز برادرِ شیخ بہاء الدین بخدا پیوست، ہمیں زماں دیدم کہ ہزار فرشتہ پیش و شیخ شہاب الدین

سہروردی در پس شیخ بہاء الدین را در میان گرفتہ بسوئے آسمان بردند “

(تخریثۃ الاصفیاء، جلد اول۔ مطبوعہ نو لکسٹور پریس لاہور، ص ۲۹۹-۳۰۰)۔

شیخ ضیاء الدین اور شیخ برہان الدین کی اولاد نہیں ہوئی۔ باقی سارے صاحب اولاد تھے۔ ان کے علاوہ رشیدہ بانو سے ایک صاحبزادی بھی تولد ہوئی تھی۔ اس معصومہ کامیر حسینی سے نکاح ہوا تھا۔ آپ کے خاندان میں جو شجرہ متوارثا چلا آتا ہے اس میں حسین کاشفی رادادہ بودند درج ہے۔ مگر حسین کاشفی اور بزرگ تھے۔ کاتب سے سہو ہوا ہے۔

بی بی شہر بانو سے نور بی بی اور سلطان بی بی تولد ہوئیں۔ نور بانو فخر الدین عراقی کے حوالہ نکاح میں آئی۔ اس سے سید کبیر الدین عراقی تولد ہوئے تھے، جنہوں نے حضرت کی انغوش شہقت میں ہی پرورش پائی اور آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر بڑے مرتبہ کو پہنچے۔ اس معصومہ کا حضرت کی زندگی میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔

دوسری صاحبزادی سلطان بی بی المعروف بی بی فاطمہ تھی۔ اس کی شادی سلطان التارکین حمید الدین کام سے ہوئی تھی جس سے خاندان جلیلہ کے مورث اعلیٰ شیخ نور الدین پیدا ہوئے۔ سیرت کی کتابوں میں حضرت شیخ الاسلام کی اولاد کی تالیف نہمائے ولادت درج نہیں ہے۔ شجرے جو سجادہ نشین صاحب کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں، ان سے صرف ترتیب ولادت کا پتہ چلتا ہے، جو حسب ذیل ہے۔ اس سے ان کی عمروں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

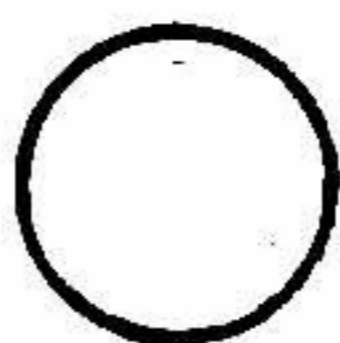
نمبر شمار	نام فرزند الہ جند	نام والدہ ماجدہ
۱	شیخ صدر الدین عارف	بی بی رشیدہ بانو
۲	شیخ علاء الدین محمد	"
۳	شیخ قدوة الدین محمد	بی بی شہر بانو
۴	شیخ شمس الدین محمد محبوب خدا	"
۵	شیخ شہاب الدین محمد	بی بی رشیدہ بانو
۶	شیخ ضیاء الدین محمد	بی بی شہر بانو
۷	شیخ برہان الدین محمد	بی بی رشیدہ بانو

صاحبزادیوں میں عائشہ بی بی بڑی تھیں۔

مولانا جمالی لکھتے ہیں :

”حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے صاحبزادوں کی تعلیم کے لیے بڑے نامور اساتذہ مقرر کر رکھے تھے اور انہیں انعام و اکرام سے نوازا کرتے تھے اور جب حضرت شیخ الاسلام گھر میں ہوتے، تو ان بچوں کو خود بھی تعلیم دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت کے فرزند اور پوتے علم و فضل میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔“

حضرت قطب الاقطاب کے زمانے میں درس و تدریس کا کام آپ کے پوتوں نے سنبھال رکھا تھا۔ جن میں سے مولانا نور الدین، علاء الدین، مولانا عبدالقادر، مولانا موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ادریس، مولانا محمد حسین اور مولانا امام بخش خاص شہرت رکھتے تھے۔ اس درس کی اتنی دھوم تھی کہ مخدوم جہانیاں محض تحصیلِ علم کے لیے اچھست ملتان تشریف لائے تھے۔





طال شوقی الی منازلم ایها الغائبون عن نظری

روز و شب مونس خیال شماست فاسلو عن خیالکم خبری

(جمالی)

اکابر خلیفہ اور وابستگانِ درگاہ

حضرت شیخ الاسلامؒ دنیا کے بہت بڑے مبلغ اور غوث الاغوات تھے۔ آپ کی پاکیزہ زندگی کا بیشتر حصہ سفر میں گزرا تھا اور جنوبی ایشیا کا کوئی حصہ ایسا نہ رہا تھا، جہاں اُن کے فیض کی مہک نہ پہنچی ہو۔ سفرِ حضر میں روزانہ ہزاروں آدمی آپ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوتے اور سینکڑوں خرقہ خلافت حاصل کرتے تھے۔ ان قدسی نفوس نے حضرت کے مبارک مسلک کو دنیا بھر میں پھیلادیا اور پھر یہ سلسلہ اولاد در اولاد اور خلیفہ خلیفہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ مراکش سے جاوا اور سماٹرا تک زمین کا گوشہ گوشہ فیضانِ سرمدی سے سمرسار اور نور محمدی کی روشنی سے مالا مال ہو گیا۔ حضور کی جاری کردہ نہروں سے فیض اور نور کے بے شمار چشمے آج تک جاری ہیں۔ افسوس اس امر کا ہے کہ لوگوں میں سچی طلب نہ رہی اور پہچاننے والی نگاہیں رخصت ہو چکی ہیں۔

یوسف ہمراہ خود وارند واپس سے بُرند

یک زینجا ہمتے گو یادریں بازار نیست

شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی ایک روایت کے بموجب جسے خلاصۃ العارفین کے مؤلف نے بڑے وثوق سے صفحہ ۷۷ پر درج کیا ہے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کو ان کے تمام وابستگان اور متوسلین کی تعداد بتائی گئی تھی جو کروڑوں تک پہنچتی ہے۔ فرماتے ہیں:

”المسیدین الذین دخلوا فی سلکی فہم فی صغرتی وھب اللہ تعالیٰ لھم
الی یوم القیمۃ“ و خدائے تعالیٰ ایشان را در حمایت من وزیر ذیل من رسانیدہ
تا یوم یفیم فی الصور۔ و مراد از مسلک فرمودہ اللہ تعالیٰ و حکم قرآن مجید است
إِنَّ الذِّیْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُم خَيْرُ الْبَرِیَّةِ جَزَاءُ سَوْفَہُمْ

عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ عِدْنٌ يَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ،
 ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ - یعنی اُنہیں ایمان
 آوردہ اندو کردہ اند علمائے صالح ایشاں بہترین ہمہ آفریدگان اند۔ پاداش
 ایشاں را نزد پروردگار ایشاں بوستانہائے اقامت است سے دود زیر آں
 جو یہاں آئے اب دواں۔ پائیدگان اند۔ ایشاں دواں بہشت ہا ہمیشہ خوشنود
 باشد۔ خدائے تعالیٰ از ایشاں و طاعتہادر پذیرد و خوشنود باشد ایشاں
 از خدائے تعالیٰ بذاں ثواب بے حساب۔ و آنچه مذکور شد از جنت رضوان
 برائے آنکس است کہ برسد از عقوبت پروردگار خود، بموجب است و
 ثواب استحال نماید و پیروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و قول مجتہدین،
 اجماع صحابہ و اہل سنت و الجماعت است۔“

(متن خلاصہ العارفین قلمی بخط مولانا ضیاء الدین ملتانی ،

تاریخ ہر وی الحج ۱۳۲۲ھ)

مختصر یہ کہ جو میرا مرید خدا و رسول، اجماع صحابہ مجتہدین اور ائمہ فقہ کا پورا متبع رہا ہوگا
 اللہ کریم اپنے فضل عمیم سے اُسے یقیناً بخش دیں گے۔ حضرت کے خلفاء اور مریدوں کی
 تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ آج سے پانچ سو سال پیشتر مولانا جامی حیطہ تحریر میں نہیں لا
 سکتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

”اگر آسامی خلفاء و مریدان ایشاں کما فیہی ثبت نمایم، دفترے علیحدہ باید“
 آج کوئی کس طرح معرض تحریر میں لا سکتا ہے۔ اس لیے اس محترم خانوادہ کے اکابر
 خلفاء اور ممتاز آستانوں کی مختصر سی فہرست دی جاتی ہے جس سے حضرت شیخ الاسلام کی تبلیغی
 سرگرمیوں کا کسی حد تک اندازہ ہو سکے گا۔

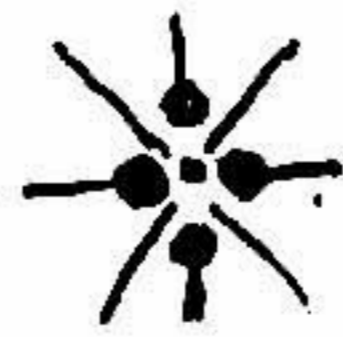
اکابر خلفاء

حضرت کے فرزند ان عالی مقام کے علاوہ مفصلہ ذیل خلفاء قابل ذکر ہیں :-
 حضرت مخدوم سید جلال بخاری (سادات بخاری کے مورس اعلیٰ، میر حسینی، مولانا عراقی
 شیخ کبیر الدین عراقی، لال شہباز قلندر، نواب موسیٰ، حسن افغان، خواجہ کمال الدین مسعود شیروانی،
 خواجہ فخر الدین گیلانی، شیخ بدر سبستانی، شیخ عبدالستار وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

بارگاہِ غوثیہ سہروردیہ ملتان کے سجادہ نشین

نمبر شمار	اسمائے گرامی	مقام مزار
۱	شیخ الاسلام صدر الدین محمد عارف باللہ رحمۃ اللہ علیہ	ملتان
۲	حضرت قطب الاقطاب ابو الفتح رکن الدین ملتان رحمۃ اللہ علیہ	"
۳	حضرت شیخ عماد الدین اسمعیل شہید	"
۴	حضرت شیخ صدر الدین محمد حاجی	دہلی
۵	حضرت شیخ رکن الدین اسمعیل سمرقندی	سمرقند
۶	حضرت شیخ عماد الدین محمد	ملتان
۷	حضرت شیخ صدر الدین محمد ثالث	"
۸	حضرت شیخ محمد یوسف قریشی	دہلی
۹	حضرت شیخ بہاء الدین ثانی	ملتان
۱۰	حضرت شیخ الکبیر المنیر قدس سرہ العزیز	"
۱۱	حضرت شیخ محمد قائم قریشی	"
۱۲	حضرت شیخ شہر اللہ صاحب قریشی	"

مقام نزار	اسمائے گرامی	نمبر شمار
ملتان	حضرت شیخ کبیر ثانی قدس سرہ العزیز	۱۳
"	حضرت شیخ بہاء الدین قریشی	۱۴
"	حضرت شیخ کبیر قریشی	۱۵
"	حضرت بہاء الدین قریشی	۱۶
"	حضرت شیخ محمد قالم ثانی قریشی	۱۷
"	حضرت شیخ وجیہ الدین قریشی	۱۸
"	حضرت شیخ محمد زکریا قریشی	۱۹
"	حضرت شیخ محمد زمان قریشی	۲۰
"	حضرت شیخ محمد غوث قریشی	۲۱
"	حضرت شیخ بہاء الدین ثانی الملقب بہ بھاون شاہ رحمۃ اللہ علیہ	۲۲
"	حضرت شیخ محمد غوث قریشی	۲۳
"	حضرت مخدوم ولایت شاہ قریشی	۲۴
"	مخدومہ بی بی راجی رحمۃ اللہ علیہا	۲۵
"	حضرت مخدوم شاہ محمود	۲۶
"	حضرت مخدوم شیخ بہاول بخش	۲۷
"	حضرت مخدوم شیخ حسن بخش	۲۸
"	نواب مخدوم شیخ مرید حسین قریشی	۲۹
"	مخدوم محمد سجاد حسین صاحب قریشی	۳۰



دیگر افراد خاندانِ غوثیہ

حضرت شیخ الاسلام کی اولاد اس وقت پاک و ہند کے اکثر مقامات میں پھیل چکی ہے۔ لیکن جو بزرگ ملتان میں مہنویاب ہیں، ان میں سے چند خاص طور پر ممتاز ہیں۔ جن کے اسمائے گرامی ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

شیخ علاؤ الدین محمد، شیخ قدوة الدین محمد، شیخ شمس الدین محمد، محبوب خدا، شیخ شہاب الدین محمد، شیخ ضیاء الدین محمد، شیخ برہان الدین محمد، شیخ علاؤ الدین علامہ، مولانا نور الدین، مولانا عبدالغفار، شیخ موسیٰ، شیخ یحییٰ، شیخ برہان الدین اسمعیل، مخدوم معین الدین، مخدوم محمد قطب الدین، شیخ محبوب حقانی، شہید قوم میجر عاشق حسین قریشی (وزیر دفاع صوبہ پنجاب) رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔

غوث پور قریشی

زبدۃ المشائخ شیخ صدر الدین قریشی، شیخ مراد شاہ قریشی، شیخ محمد حیات قریشی، شیخ غلام کن الدین رحمہم اللہ علیہم۔

مدینۃ الاولیاء اپج مبارک

حضرت مخدوم سید جلال بخاری، سید احمد کبیر، مخدوم جہانیاں، صدر الدین راجن قتال، سید ناصر الدین، حامد کبیر، سید علاؤ الدین، کن الدین ابوالفتح، شیخ محمد کیمیا نظر، شیخ زین العابدین، شیخ محمد راجن، شیخ حسن، شیخ راجن کلاں، شیخ محمد، شیخ محمود، سید بہاء الدین، سید کبیر الدین اسمعیل، شیخ ابو حنیفہ، فقیر جہانگیر مرست، شیخ جمال خندان، شیخ رضی الدین، مولانا غوثی۔

میانوالی قریشیان :- مخدوم غلام شاہ قریشی۔

کوٹ مخدوم :- مخدوم صدر الدین، جدا مجد قریشی کبیرانی رحمہم اللہ اجمعین
ٹبہ سرواہی :- دیاست بہاولپور حضرت نواب موسیٰ، خلیفہ شیخ الاسلام قدس سرہ۔

گڑھی اختیار خاں :- (ریاست بہاولپور) حضرت شیخ عبدالسار، خلیفہ حضرت شیخ الاسلام۔
 احمد پور شرقیہ :- حضرت پیر بہاء الدین انور قریشی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ۔

مومبارک (ریاست بہاولپور)

سلطان حمید الدین حاکم، شیخ حامد مرست، شیخ یوسف گدا، شیخ نور الدین، شیخ
 رکن الدین، شیخ علی، سید ابوالفتح، شیخ شہاب الدین، شیخ عبدالعزیز، شیخ ابوالفتح، شیخ
 عماد الدین حماد (عوث زمان) شیخ روح اللہ، شیخ جلال، شیخ کبیر الدین، شیخ ابوحنیفہ، شیخ مغل
 شیخ واہن (ریاست بہاولپور) شیخ عبداللہ جہانیاں قدس سرہ العزیز۔

تاج البلاد لاہور

شیخ عبدالجلیل قریشی ہاشمی چوہدر بندگی، قطب العالم (میکلوڈ وڈ) ابوالفتح اول، ابوالفتح ثانی،
 خواجہ خلیل، شیخ عبدالجلیل ثانی، شیخ ابوالبقا، شیخ فخر اللہ، شیخ ابوالحسن ثانی، پیر غلام رکن الدین
 مراد شاہ، سکندر شاہ امداد، خواجہ حسن گنجدگر المعروف حسو تیلی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ موسیٰ آہنگر،
 شیخ مولا بنجاہ۔ شیخ محمد اسماعیل المشہور میاں وڈہ رحمۃ اللہ علیہ، مولوی محمد تیمور، شیخ حامد،
 شیخ جان محمد ثانی، مولانا کمال الدین، شیخ عنایت اللہ، مفتی عبدالسلام، مفتی محمد محمود، مولانا
 برہان الدین، مولانا عتیق اللہ، مفتی عبدالسمیع، مولانا کمال الدین، حافظ محمد تقی، حافظ
 رحمت اللہ، مفتی رحیم اللہ، مفتی غلام محمد، مفتی غلام سرور۔

شاہ جمال رحمۃ اللہ علیہ (نزد اچھرہ) سید عثمان بخاری (قلعہ لاہور) سید شاہ محمد
 بخاری، سید عماد الملک بخاری، شاہ عالم، شاہ بہاء الدین، سید جھولن شاہ، سید
 بھاون شاہ، شاہ نورنگ، میراں محمد شاہ المشہور بیہوج دریا بخاری، سید صفی الدین، سید
 بہاء الدین، سید شہاب الدین، سید عبدالرحیم، زندہ علی المعروف زندہ امام (نزد پرائی انارکلی)
 سید عبدالرزاق المشہور سید مکی، نیلا گنبد، سلطان جلال الدین، شیخ شمس الدین
 قریشی رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔

- رتہ پیراں :- (ضلع شیخوپورہ) پیر قلندر شاہ، پیر فرح بخش قریشی سہروردی۔
کوٹلہ باقر شاہ :- " شیخ ابوبکر قریشی سہروردی۔
بہاڑ کھوکھر :- " شیخ محمد کاظم قریشی سہروردی۔
گھلن :- (لاہور) شیخ محمد بولاقی، شیخ محمد باقر۔
کوٹلی پیراں :- شیخوپورہ شیخ غلام علی قریشی ہاشمی۔
گرھی :- یوپی شیخ محمد ابوبکر قریشی سہروردی۔
چونیاں :- لاہور شیخ فرید الدین قریشی، شیخ فیض اللہ، شیخ میراں۔
منڈیاں والہ :- شیخوپورہ پیر اعتبار شاہ قریشی۔
شرق پور :- " پیر محبوب شاہ (موضع قریشیانوالہ)
پنڈی شہداد :- لاہور حضرت شیخ خیر الدین۔
کردانہ :- شیخوپورہ حضرت غلام رکن الدین مراد شاہ سہروردی۔
شاہ کوٹ :- " حضرت شاہ ابوالخیر سہروردی۔
تنگانہ :- " شیخ بہاء الدین بن عبد الجلیل، شیخ محمد، شیخ محمود، پیر عبدالسلام، پیر فرح اللہ۔
شیخ سید علی، شیخ سیف اللہ، شیخ صدر الدین، شیخ بہاء الدین ثانی۔
قصور :- (موضع شیخ حاد) شیخ حماد قریشی سہروردی۔
سیالکوٹ :- شاہ بہلول، سید مرست سیالکوٹی۔
گجرات :- حضرت شاہ دولہ قدس سرہ العزیز۔
دیپالپور :- حضرت مولانا رکن الدین سہروردی۔
پنڈی موسیٰ :- (ضلع فیصل آباد) حضرت شیخ موسیٰ، شیخ بدر الدین، شیخ مونگر، شیخ نظام الدین،
شیخ حماد الدین۔
کاہنواں :- (ضلع گورداسپور) شیخ نربان شاہ سہروردی۔
موضع تلوارہ :- (ضلع جہنگ) حضرت شاہ جمال سہروردی، شیخ حبیب اللہ، شیخ بہلول قریشی۔
کوٹ سدہانہ :- " شیخ آدم۔

بوہڑی غلام جہانیاں :- (ضلع جھنگ) شیخ طلحہ، شیخ حبیب اللہ، شیخ ابوالحسن،
شیخ قطب الدین۔

حویلی شیخ راجو :- " شیخ راجو"۔
جھنگ شہر :- شیخ گل محمد صاحب قریشی۔

کوٹ لعل عسین (ضلع منظر گڑھ)

شیخ محمد یوسف المعروف لعل عسین، شیخ محمود شاہ قریشی، شیخ علی اکبر قریشی، شاہ عبداللہ
قریشی، شیخ یوسف قریشی۔

نواب غازی خاں اول (بانی ڈیرہ غازی خان) نواب اسمعیل خان (بانی ڈیرہ اسمعیل خان)
نواب فتح خان (بانی کوٹ فتح خان)۔

چنیوٹ :- (ضلع جھنگ) شیخ برہان الدین قریشی، شیخ جمال قریشی۔
پیل پیراں :- (ضلع سرگودھا) حضرت مخدوم الملک پیر علی قتال قریشی۔ مخدوم الملک پیر
خواجہ نوری شاہ۔

پنڈ دادن خان :- " حضرت پیر مصطفیٰ شاہ قریشی، شیخ طیب قریشی۔

وٹلی پیراں :- " پیر شاہ جمال۔

کھارو پیراں :- " پیر کرم شاہ قریشی۔

بھیرہ :- " پیر اعظم شاہ، پیر امیر شاہ، پیر فتح شاہ، پیر عسین شاہ۔

کرولی :- " پیر محمد حسین شاہ قریشی، شاہ کرم اللہ صاحب قریشی۔

کھیوہ مٹھی :- " حضرت پیر محمد شریف صاحب قریشی۔

سر ویہ :- " حضرت پیر نور شاہ صاحب قریشی، پیر حسین شاہ صاحب قریشی۔

شمس آباد :- " پیر شیخ طیب صاحب قریشی۔

دھنگوال :- " پیر فتح شاہ صاحب قریشی۔

دھروگی :- " پیر شریف شاہ صاحب قریشی۔

دعولہ (کاہنو کارت) حضرت پیرنگشاہ صاحب قریشی سہروردی۔

سندھ

سہوان :- حضرت مخدوم سید عثمان المرندی المعروف بہ لال شہباز قلندر۔

شکارپور :- حضرت شاہ محمود سہروردی۔

بکھر :- مولانا تاج الدین بکھری۔ مولانا حسام الدین بکھری۔

بدین :- حضرت شیخ اسمعیل قریشی بن شہر اللہ بن شیخ یوسف بن عماد الدین کھی مہوڑ، اولاد

حضرت شیخ الاسلام۔

ماٹیلو :- شیخ پیر محمد صاحب قریشی سہروردی۔

کوٹ گوہر :- شاہ عبدالرحمان، سلیمان شاہ، شاہ جلال۔

کوٹ بکیرا شریف :- حضرت پیر فاضل قریشی، حضرت قائم دین قلندر۔

ٹنڈوالہ یار :- شاہ اللہ یار (شیخ اچاری)، شیخ موسو، شیخ راملو۔

ہنگوڑ جہ :- (ریاست خیرپور) مزار نور بار سخی پیر سید ناصر علی شاہ لکیاری کاظمی۔

نگر ٹھٹھہ :- شیخ جیو کی جوڈیو۔

اگھامانی :- حضرت محمد شریف عرف شاہ غازی، شاہ یوسف، شاہ ابراہیم۔

پیر پھو :- حضرت پیر پھو شہید خلیفہ شیخ الاسلام۔

ٹنڈو باغو :- حضرت خان شاہ، نہال شاہ۔

ٹنڈو غلام علی :- حضرت شفیع عثمان۔

ونجری :- حضرت عبدالغنی نوح، حضرت بلاوی بادشاہ۔

پتھورو :- شیخ پتھورو۔

ضلع میرپور :- حضرت برکس ڈنڈانی، حضرت ابراہیم نانگورانی، حضرت گاہڑھو صدر خلفا

حضرت شیخ الاسلام۔

ماتلی :- شیخ بھرکیو۔

مشائخ کشمیر

شیخ حمزہ کشمیری ، بابا داؤد خاکی ، شیخ نوروز ، علامہ فیروز الدین مفتی کشمیر ، بابا روپی ریشی ،
 بابا نصیب الدین کشمیری ، ملا عبدالوہاب ، خواجہ مسعود پان پتی (پان پور) شیخ عبدالرحیم ، شیخ یعقوب
 کشمیری (اسلام آباد) شیخ بہرام کشمیری ، مولانا حیدر کشمیری ، شیخ حسن لالو ، حضرت بابا جاجہ ،
 حضرت شاہ محمد قادری سہروردی ، بابا عبداللہ سہروردی ، بابا محمد مہدی ، بابا عثمان ، میر محمد علی ، شیخ
 محمد ہاشم ، مولانا عنایت اللہ کشمیری ، میر ابو الفتح قادری سہروردی ، میر شرف دین کشمیری ، خواجہ
 حبیب اللہ ، شیخ اسماعیل کشمیری ، شیخ عبداللطیف قادری سہروردی ۔

مشائخ ہند

(فخر البلاد دہلی)

شیخ صلاح الدین درویش ، شیخ محمد یوسف قریشی ، شیخ عبداللہ قریشی ، شیخ نصر اللہ ، شیخ
 رکن الدین ، شیخ محمود شاہ ، شیخ احمد شاہ ، شیخ بہاء الدین ، سید عبدالوہاب بخاری ، سید
 جمال الدین بخاری ، شیخ زین العابدین ادھن ، حضرت سماء الدین ، مولانا جمالی ، شیخ عثمان سیاح ،
 شیخ رحمت اللہ (کوٹلہ پٹھان دہلی)۔

سلطان پور لوویاں :- حضرت شیخ ابوبکر قریشی سہروردی ۔

حصار :- شیخ عبدالرحیم قریشی سہروردی ۔

مالیر کوٹلہ :- شیخ صدر الدین سہروردی ۔

قنوج :- سید جلال سہروردی ۔

ظفر آباد :- حاجی چراغ ہندی ۔

شاہجہاں پور :- شیخ کرم شاہ قریشی ۔

پٹنہ :- شاہ اذہانی شہید ۔

کنڈوال :- حضرت خواجہ بہاء الدین قریشی ۔

آگرہ :- شیخ بہاء الدین قریشی دانشمند مفتی آگرہ، اولاد حضرت شیخ الاسلام، شیخ جنید قریشی،
شیخ ابوبکر قریشی (محلہ جوگی پورہ)

مانک پور :- مولانا تاج الدین مانک پوری، مولانا علاء الدین -

مہون :- مولانا مسعود مہونی، مولانا محمد مہونی -

الہ آباد :- شیخ اسماعیل صاحب قریشی، سہروردی -

کٹرہ :- حضرت علی بن احمد غوری، مصنف کنز العباد، شرح کتاب اوراد، خواجہ کرک سہروردی -

بدایوں :- حضرت شیخ حسام الدین سہروردی -

بھڑاچ :- حضرت سید میراہ، سید تاج ماہ سہروردی -

مندوہ :- حضرت شیخ عبداللہ بیابانی سہروردی -

چتور گڑھ :- حضرت شیخ یوسف بن عماد الدین اسماعیل -

احمد آباد :- (گجرات) مخدوم سید بہان الدین قطب العالم، مخدوم سید شاہ عالم، قاضی محمود -

گجراتی :- قاضی نجم الدین گجراتی -

جونانگڑھ :- شیخ عبداللطیف سہروردی -

ایرج :- شیخ یوسف بدھ -

جون پور :- حضرت سید علم الدین ترمذی -

لکھنؤ :- شیخ قوام الدین سہروردی، شیخ مینا لکھنوی، شیخ قطب الدین سہروردی، شیخ سعد الدین -

ٹونکر اشرفیت :- (ریاست کشن گڑھ) مخدوم غلام بہاء الدین قریشی -

سارنگ پور :- شیخ سارنگ -

سلہٹ :- (گنج شہیداں) شاہ جلال مجرد، خلیفہ سید احمد کبیر سہروردی مع سات سو سہروردی

مجاہدین (SOLDIER SAINTS) کے محو ثواب ہیں -

راج گڑھ :- انہی مخدوم جمشید رھنی قدس سرہ -

کاپلی :- مولانا حافظ سراج الدین، امام مخدوم جہانیاں -

اشاریہ

دالف (اعلام

رب (کتابیات

رج (اماکن

اعلام

احمد بخاری سید ۱۰۶	آدم ۲۶۹
احمد بن یحییٰ بلاذری ۲۷	ابراہیم ۲۲۹
احمد توختہ سید ۱۶۸، ۱۶۳، ۱۶۲	ابراہیم بن محمد موسیٰ ۲۸
احمد غوث شیخ ۳۵، ۳۶، ۴۱، ۴۳، ۴۰	ابراہیم ادھم ۶۶
احمد قتال سلطان ۲۹	ابراہیم شاہ غزنوی ۶۴
احمد قرمط ۳۶	ابراہیم غزنوی ۳۵
احمد معین سیاہ پوش ۳۳	ابن العربی ۲۲۹
اسحاق خواجہ ۱۱۲	ابن بطوطہ ۱۵۵، ۳۱، ۳۰
اشرف جہانگیر سید ۱۸۹	ابن خلدون ۳۰
اعزالدین بلبن ملک ۲۹۸، ۲۹۶	ابن سکینہ ۲۳۴، ۲۳۳
التمش سلطان شمس الدین ۳۵، ۴۱، ۸۲	ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی ۹۸
۸۵، ۱۲۲، ۱۳۰، ۱۳۳، ۱۴۸، ۱۸۲	ابوبکر شیخ ۳۲
۱۸۶، ۱۹۰، ۱۹۶، ۲۹۶، ۳۰۲	ابو حنیفہ امام ۲۷۷، ۲۷۴
امیر حسن ۵۸، ۵۷	ابوریحان البیرونی ۳۷
امیر خسرو ۲۶۳، ۲۶۲	ابوسعید ترندی ۶۸
اوحد کرمانی شیخ ۱۳۸	ابوطاہر ۳۷
ایوب ۹۹	ابومسلم ۲۸
باہو سلطان ۲۹	ابویوسف امام ۲۷۷
بانیرید بسطامی ۹۷	احمد امام ۲۷۷

جمال کنبوہ حاجی ۱۶۰، ۱۵۹
 جہانیاں جہانگشت ۱۰۶ تا ۱۰۱، ۹۲
 حامد بخاری، سید ۱۰۶
 حسام الدین ترمذی ۳۴
 حسام الدین چلیٹی ۹۷
 حسام الدین ملتانی ۱۰۶
 حسن افغان، خواجہ ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۰۸
 حسن دیپالپوری، شیخ ۳۵
 حسن نظامی، خواجہ ۱۳۶
 حسین، سلطان ۲۹
 حسین کرمانی، سید ۸۷
 حکم بن عوانہ ۲۸
 حمزہ کشمیری، مخدوم ۱۰۵
 حمید الدین سلطان ۶۶
 حمید الدین ناگوری، قاضی ۱۸۶، ۶۹
 حمید الدین حاکم سہروردی، سلطان ۱۰۸، ۱۰۱، ۹۲
 ۱۵۹، ۱۶۲، ۱۷۱، ۱۷۸، ۱۷۵، ۱۶۱، ۱۶۰
 ۳۰۶، ۲۹۳
 حمید الدین بہورانی، خواجہ ۸۵
 چراغ دہلوی ۲۱۶
 چنگیز خاں ۱۹۰، ۱۲۲ تا ۱۲۰
 خدا بخش خیر پوری مولانا ۲۱۹
 خسرو ملک، سلطان ۵۷

بدر اسحاق، خواجہ ۲۴۷
 برہان الدین ۲۹
 برہان الدین غریب، مولانا ۶۹
 برہان الدین بخاری، سید ۱۰۶
 برہان الدین، شیخ ۳۰۵
 بہاء الدین جموی ۱۳۸
 پیر، جیون سلطان ۲۹
 تاج الدین المطرف ۳۱۶، ۲۹، ۲۸
 تاج الدین یلدوز ۵۸
 جلال الدین بخاری، مخدوم سید ۳۲۶، ۲۵، ۲۴
 ۶، ۱۱۱، ۱۰۹، ۱۰۲، ۱۰۱، ۹۱، ۷۱، ۶۹، ۶۰
 ۲۹۳، ۲۹۲، ۲۲۳، ۱۷۳، ۱۵۵، ۱۴۴، ۱۱۲
 جلال الدین خوارزم شاہ سلطان ۱۹۰، ۱۲۲، ۱۲۰
 جلال الدین ملک ۲۹۶
 جلال الدین رومی ۹۶
 جلال تبریزی، سید ۱۲۳، ۶۹ تا ۶۶، ۵۴
 ۶، ۱۸۵، ۱۸۲ تا ۱۷۹، ۱۳۹، ۱۳۷، ۱۲۵
 ۲۴۶، ۱۸۶
 جلال سلہٹی ۶۹
 جمال الدین سلیمان ۱۳۵، ۳۶ تا ۳۴
 جمال الدین آپچی ۱۰۶
 جمال ہانسوی ۲۰۱ تا ۱۹۹، ۸۶

سعدی، شیخ ۱۴۸، ۱۴۵، ۱۴۴ تا ۱۴۷
 سعد الدین جمویہ شیخ ۲۲۰، ۲۲۸، ۲۲۹
 سلیمان ۹۲
 سہاد الحق ۱۴۲
 سیف الدین باختری ۱۴۲، ۱۴۷
 شامی علامہ ۲۴
 شاہ دولہ ۱۱۰
 شاہ سہاگ ۱۱۲
 شاہ نعمت اللہ ولی ۱۱۲، ۱۱۳
 شاہ داؤد مہری ۱۱۲
 شاہ حبیب اللہ ۱۱۲، ۱۱۳
 شاہ عبدالرزاق ۱۱۲
 شاہ اللہ داد ۱۱۲
 شاہ پیر بندگی ۱۱۲
 شاہ منجھن گوشہ نشین ۱۱۲
 شاہ اسمعیل ۱۱۲
 شرف الدین لاہوری شیخ ۳۶
 شرف الدین قریشی شیخ ۶۲
 شرف الدین موصلی ۹۷
 شعیب ۲۰۹
 شہیم محمود زیدی ڈاکٹر ۴۵
 شمس الدین سلطان ۲۹
 شمس الدین ایچی ۹۷

خشرم بن مالک ۲۷
 خضر ۲۰۶، ۲۰۹، ۲۱۶، ۲۱۷
 خوارزم شاہ ۵۸
 خوند میر سید ۱۰۶
 داؤد ۹۲
 داؤد بن نصر قرمطی ۳۰
 داؤد قریشی شیخ ۱۱۲
 دیوان شاہ عبدالرشید جوہپوری ۱۱۲
 ذکاء اللہ مولانا ۱۳۲
 راجن قتال مخدوم ۱۰۲، ۱۰۵، ۱۱۲
 راجہ گور گوبند ۶۹
 رسول شاہ سید ۱۱۲
 رشیدہ بانو ۳۰۵
 رضیہ سلطانیہ ۲۹۶
 رکن المدین سلطان ۲۹۶
 رکن عالم شاہ ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۰۸، ۱۰۹
 ۲۶۷، ۱۴۸
 روڈو سلطان ۲۹
 زبیر بن عبدالرحمن ۲۸
 سخی سرور ۱۵۶
 سہر جادو ناٹھ سرور ۱۰۱
 سعید فرغانی شیخ ۹۷
 سعد الدین جموی ۱۳۸

عبدالرحمان جامی، مولانا ۲۲۸، ۲۹۴

عبدالرحمن بن جوزی ۱۵۵

عبدالحق محدث دہلوی، مولانا ۱۸۹

عبداللہ انصاری، شیخ ۲۱۳

عبداللہ محمد، شیخ ۱۰۶

عبدالغزالی ۲۵

عبداللہ بلخی، شیخ ۳۰۴

عبداللہ بن محمد عباسی ۲۸

عبداللہ میمون ایرانی ۳۶

عبدالمناف ۲۵

عبدالوہاب بخاری، سید ۱۰۵

عثمان ۲۷

عثمان، شیخ ۱۰۶، ۱۱۱

عثمان ہارون، خواجہ ۸۲

عدی، شیخ ۲۳۲

علاء الدین خلجی ۱۸۷، ۲۳۹

علاء الدین محمد، شیخ ۳۰۵

علاء الدین مسعود ۲۹۶

علی احمد صابری، مخدوم ۸۶

علی قاضی، شیخ ۲۹، ۳۵

علی قسورگر دیزی، مخدوم ۶۴

شہاب الدین عمر سہروردی ۹۸، ۹۰، ۵۵، ۴۹

۲۲۷، ۱۸۶، ۱۶۴، ۱۴۰، ۱۳۸، ۱۳۳، ۱۱۹

۳۰۴، ۲۸۸، ۲۶۳، ۲۴۱

شہاب الدین غوری ۵۸

شہاب الدین انوری، شیخ ۳۰۵

شہر بانو ۳۰۵

صالح بخاری، سید ۱۰۶

صلاح الدین عبدالرحمن، سید ۷۵

صدر الدین عارف ۲۴، ۱۰۲، ۱۰۸، ۱۲۷، ۱۷۰

۱۷۱، ۱۷۴، ۱۷۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۳۰۰

۳۰۱، ۳۰۵

صدر الدین محمد، شیخ ۱۰۲، ۷۱، ۳۰۳

صدر الدین، مولانا ۹۷

صدر الدین کوفی، مولانا ۲۵۸

صدر الدین احمد ۱۴۵ تا ۱۴۷

صیاء الدین رومی، قاضی ۱۸۷

عائشہ ۲۸۴

عبدالرحمن بن صبار ۲۷

عبدالرحیم بن عبدالرحمن ۲۸

عبدالرشید مخدوم ۶۰، ۴۱، ۱۵۱ تا ۱۵۳

عبدالرشید کرمانی، مولانا ۴۳

عبداللطیف ۱۰۶

عبدالقادر جیلانی، شیخ ۳۳، ۱۶۴، ۲۴۱

فرید الدین نیشاپوری شیخ ۱۳۸

قصی ۲۵۶۲۲

قطب الدین بختیار کاکی ۶۹۸۶۸۳۶۷۱۶۶۴

۶۱۸۰ ۶۱۳۹ ۶۱۳۸ ۶۱۳۷ ۶۱۳۵ ۶۱۳۳

۳۰۴ ۶ ۱۹۷

قطب الدین کاشانی علامہ ۱۱۶ ۱۵۴۶

قطب الدین مبارک شاہ ۸۷

کالیکارا جن ڈاکٹر ۱۰۱

کرور لال عیسیٰ، مخدوم ۲۹۱

کمال الدین علی شاہ ۳۲۶۳۰

کمال الدین محمد مہدی ۴۷

گیسودراز ۱۰۰

لعل شہباز قلندر ۱۱۱ ۱۵۳ تا ۱۵۵

مالک بن ہبازہ ۲۷

مالک، امام ۲۷۴

محمد شیخ ۱۱۲

محمد الدین بغدادی ۲۱۳ ۶ ۲۰۹

محمد اختیار ملک ۹۳

محمد شعیب میان و طرہ شاہ جہان مولانا ۱۰۹

محمد تغلق سلطان ۱۰۲ ۶ ۹۱ ۶ ۸۷

محمد جعفر تھانیسری ۲۱۸

محمد جمال حافظ ۸۹

محمد حسین پیرزادہ ۲۵

علی بن احمد غوری ۲۶۹

علی کھیری ۲۴۷۶ ۲۴۶

علی ہجویری، سید ۲۹۱ ۶ ۲۴۱

عمر ۲۷۴

عمر بن عبدالعزیز ۳۰

عمر عمودی شیخ ۳۰۳

عیسیٰ گیلانی، شیخ ۳۳

عین الدین بیجاپوری ۲۴

غریب نواز خواجہ ۹۸ ۶ ۸۵

غلام سرور مہدی ۱۹۹ ۶ ۱۰۲ ۶ ۱۰۱ ۶ ۳۱ ۶ ۳۰

غلام فرید ۱۰۰ ۶ ۸۹

غیاث الدین سلطان ۵۷

غیاث الدین بلبن ۲۹۷ ۶ ۸۴

فاطمہ بنت شیخ عیسیٰ گیلانی ۳۳

فخر الدین دہلوی مولانا ۸۹

فخر الدین عراقی مولانا ۱۵۱ ۶ ۱۵۰ ۶ ۱۴۹ ۶ ۱۴۷ ۶ ۱۴۶

۳۰۵ ۶ ۲۶۲ ۶ ۱۷۳ ۶ ۱۷۱ ۶ ۱۵۶

فیروز الدین علامہ ۱۰۴

فرید الدین مسعود گنج شکر ۹۸ ۶ ۹۰ ۶ ۸۲ ۶ ۳۴ ۶ ۳۰

۱۱۱ ۶ ۱۲۴ ۶ ۱۳۷ ۶ ۱۳۶ ۶ ۱۳۹ ۶ ۱۴۰ ۶ ۱۴۲ تا ۱۴۴

۱۸۴ تا ۱۸۶ ۶ ۱۹۱ ۶ ۱۹۳ ۶ ۱۹۶ ۶ ۱۹۹ ۶ ۲۰۰

۲۰۵ ۶ ۲۰۴

فرید الدین عطار، شیخ ۵۵ ۶ ۵۴

کتابیات

تاریخ اسلام، مولانا محمد عاشق الہی میرٹھی ۲۶

تاریخ الخمیس ۲۴

تاریخ جلیلہ ۱۷۱

تاریخ جہان کشائے جوینی ۱۲۳

تاریخ سندھ ۳۱

تاریخ فرشتہ ۳۴، ۳۰

تاریخ مرآة الجنان ۲۳۳

تاریخ معصومی ۱۰۳

تاریخ ہند، مولانا ذکاء اللہ ۱۰۳

تحفۃ الکرام ۳، ۹۳، ۱۵۶، ۳۰۰

تحقیق الانساب ۲۵

تذکرہ بابا فرید شکر گنج ۷۴

تذکرہ حمیدیہ ۱۶۶

تذکرہ دولت شاہ ۱۵۰

تذکرہ سہرورد ۱۰۱

تذکرہ شاہ لکن عالم ۸۹، ۹۳

تذکرہ ملتان ۶۲، ۶۵، ۱۲۰، ۱۳۳، ۱۳۷

جوایع القلم ۱۰۰

چشتی اولیاء نامہ ۸۱، ۸۷

آب کوثر ۱۰۶

آداب الحرب والشجاعة ۳۵

آئین اکبری ۱۲۲

اخبار الاخیار ۷۵، ۱۴۱، ۱۴۹، ۲۹۲

اذکار قلندر ۷۳

اسرار الاولیاء ۲۲۱، ۲۴۱، ۲۴۴، ۲۴۸

۲۴۹، ۲۵۷

اسلامی ہند ۱۰۳

افضل الفوائد ۱۰۰

الجامع الصغیر النحانی ۲۷۵

الدر المنظوم ۱۰۴

الیواقیت والجواهر ۲۴۲

اوراد ۲۶۹، ۲۸۰

بستان البولیش ۲۷۰

بحر السرائر ۳۳

بزم صوفیہ ۶۴، ۷۵، ۱۱۶، ۱۳۲

۱۳۵، ۱۴۰

بوستان غوثیہ ۱۱۷، ۱۷۸، ۲۶۱، ۲۶۲

بہجتہ الاسرار ۳۴

سیر العارفين ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲

۲۵۹، ۱۹۷، ۱۸۶ تا ۱۸۴، ۱۳۷، ۱۲۸

۳۱۰، ۳۰۱، ۲۶۱

سیف الملوك ۳۰

سوانح احمدی ۲۱۷

شرعہ ۲۷۰

شروط اربعین ۲۷۹

صدیقه الاسرار ۳۴

صلوة التجیسی ۲۷۵

صلوة مستوی ۲۷۷

عوارف المعارف ۱۴۰، ۲۷۰

عجائب الاسفار ۲۹۱

فتاوی الحجۃ ۲۷۴

فتوح البلدان ۲۶

فسانہ عجائب ۳۴، ۳۰

فوائد السالکین ۱۸۴، ۸۶، ۸۴

فوائد القواد ۱۲۳، ۹۱، ۸۲، ۸۱، ۶۹، ۶۸

۲۵۹ تا ۲۵۷

قصہ چہارہ درویش ۳۰

کبیری ۲۶۳

کتاب الاشتقاق ۲۴

کتاب المعارف ۲۴

کتاب نافع ۱۳۷، ۱۳۷

حنات العارفين ۲۰۳

خزینة الاسرار ۴۴

خزینة الاصفیاء ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰

۳۰۵، ۱۴۷، ۱۱۰، ۱۰۱، ۹۲

خلاصة الاحباب ۱۰۳

خلاصة الصلوة ۲۷۷

خلاصة العارفين ۴۵، ۳۳، ۲۶، ۲۵، ۲۹ تا ۲۹

۹۰، ۸۹، ۸۶، ۸۳، ۸۱، ۷۸، ۶۶، ۵۲

۱۸۴، ۱۲۴، ۱۱۵، ۱۱۰ تا ۱۰۴، ۹۹، ۹۸، ۹۶

۳۰، ۲۵، ۲۵، ۲۵، ۲۲، ۲۲، ۲۲، ۱۹، ۱۵، ۱۹، ۱۹

خلاصة الناظر ۳۴

داستان امیر حمزه ۳۰

دلیل العارفين ۸۵، ۸۳، ۸۲

ذکر العارفين ۲۳۷، ۲۳۵

راحت القلوب ۸۳، ۸۴، ۹۰، ۱۰۰، ۱۰۱

راحت المجتہدین ۲۳۹، ۱۰۰

روضۃ الاحباب ۲۴

روضۃ الصفا ۱۲۲

سفرنامه ابن بطوطہ ۲۵

سفینة الاولیاء ۱۸۷، ۷۵

سلسلہ الذهب ۷۵

سیر الاولیاء ۱۰۰، ۱۳۵، ۱۳۹

مطلوب الطالبيين ۱۰۰	کنز الاسرار ۳۴
مفتاح العاشقين ۲۱۶	کشف المحجوب ۲۹۴، ۲۹۳، ۲۹۱
مفتاح التواريخ ۱۶۶	کنز العباد ۱۰۱، ۲۶۹، ۲۶۳، ۲۶۹ تا ۲۶۹
مکاتیب شیخ محسن دینا پوری ۳۶	گل بکاؤلی ۳۱
ملفوظ المنذوم ۱۰۱، ۱۰۲	گلشن راز ۱۴۶
ملفوظ حضرت نازک کریم ۸۹	
منزل الاولیاء ۱۰۶	گلستان ۱۴۸
منبع البرکات ۳۰، ۳۱، ۳۵	لطائف اثمرفی ۱۸۹
میخانه عبد النبی ۱۴۹	محیط ۲۴۰
نزهتہ الخواطر ۳۴	مخزن الخرائب ۱۵۰
نفحات الانس ۱۴۶، ۱۴۷، ۲۲۸، ۲۳۲	مرآة احمري ۱۰۶
ہدایہ ۲۶۰	مرآة الاسرار ۳۴

اماکن

بلوچستان ۱۵۶	آرمینیا ۱۴۵
بنگال ۷۲	آگرہ ۲۹۴
بتوں ۳۵	اجمیر ۸۲
بہاولپور ۲۹۱	اجودھن (پاک پٹن) ۸۲، ۹۳، ۱۳۹، ۱۴۳، ۱۹۹
بھڑاچ ۲۹۶	۳۰۴، ۲۶۴، ۲۶۰
بھکر ۱۳۳، ۱۳۲، ۷۶	ایچ ۳۵، ۶۹، ۱۰۱، ۱۲۲، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۴۳، ۱۶۳
بہانہ ۲۸	۲۹۹، ۲۹۷، ۲۴۵
پاکستان ۱۵۶	افریقہ ۱۷۷
پنجاب ۱۵۶، ۵۷	افغانستان ۱۲۷، ۷۱
ترکستان ۵۹	الجبال (خوارزم) ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۷
توران ۱۷۵	ایبٹ آباد ۱۵۶
مصطفیٰ ۱۳۰، ۷۶	ایران ۱۹۰، ۱۷۴، ۱۶۸، ۱۳۰، ۷۶
جہلم ۵۸	ایشیا ۱۷۷
جاوا ۷۲	بخارا ۱۴۵، ۱۵۶، ۱۴۳، ۷۱، ۵۴، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۲۹، ۲۸
چکوال ۲۶۹	۱۹۰، ۱۸۹
چین ۷۲	بصرہ ۱۷۱، ۳۷
حیش ۱۷۵	بغداد ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۶۴، ۱۴۴، ۱۳۲، ۱۲۳، ۵۴، ۱۲۳، ۵۴، ۱۲۳، ۵۴، ۱۲۳، ۵۴، ۱۲۳، ۵۴، ۱۲۳، ۵۴
خانہ کعبہ ۱۹۴	۲۴۸، ۲۴۳، ۲۲۱، ۱۹۱، ۱۹۰
خراسان ۱۵۷، ۱۴۸، ۳۴، ۲۸	بکھر ۱۷۳
	بلخ ۱۷۵، ۱۷۱، ۱۶۵، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱

دمشق ۸۸

دہلی ۱۱۶ / ۱۰۲ / ۱۰۰ / ۸۷ / ۷۶ / ۶۴ / ۵۴ / ۴۱

۱۸۶ / ۱۵۴ / ۱۴۹ / ۱۳۳ / ۱۳۹ / ۱۳۸ / ۱۳۱

۳۰۲ / ۲۹۸ / ۲۹۷ / ۲۹۶ / ۲۹۵ / ۲۹۴ / ۲۹۳

۱۵۶

دیوبند (بنگالہ) ۱۸۶

راس کاری ۱۰۰

سراندیب ۱۹۵ / ۱۴۳

سکھر ۱۹۰ / ۷۶

سلٹ ۷۱

سماڑا ۷۶ / ۷۷

سمرقند ۱۹۴ / ۱۷۵ / ۱۴۸

سندھ ۷ / ۶ / ۵ / ۴ / ۳ / ۲ / ۱ / ۰ / ۹ / ۸ / ۷ / ۶ / ۵ / ۴ / ۳ / ۲ / ۱ / ۰

۱۸۹ / ۱۵۶

سومناٹ ۱۴۹

سوہدرہ ۵۸

سہوان ۱۹۰ / ۱۵۶

سیالکوٹ ۱۱۰ / ۷۷

سیوستان ۱۲۲

شام ۱۷۵ / ۷۱ / ۶۲

شیراز ۱۷۵ / ۱۶۸

عراق ۱۹۰ / ۱۴۸ / ۷۶

عرب ۱۹۰ / ۱۷۷ / ۷۶

غزنی ۳۰ / ۳۵ / ۳۸ / ۵۸ / ۵۹ / ۵۹ / ۱۲۵

۲۹۷ / ۱۳۸

غور، قلعه ۳۰

فلیاتین ۷۲

فلسطین ۱۷۵

قندھار ۳۰۲ / ۲۹۲ / ۱۳۸

قنوج ۲۹۶

کابل ۲۹۷ / ۷۶

کامٹھیا واڑ ۷۱

کاشغر ۱۷۵

کشمیر ۷ / ۱۴۳ / ۱۰۱ / ۷۲ / ۷۱ / ۷۰

۳۰۲ / ۱۵۶

کوٹ کروڑ ۳۵ / ۳۴ / ۳۲ / ۳۱ / ۳۰ / ۲۹ / ۲۸ / ۲۷ / ۲۶ / ۲۵

۷۶ / ۷۵ / ۷۴ / ۷۳ / ۷۲

کوٹھوال ۱۳۹

کوفہ ۳۷ / ۲۷

کیچ مکران ۷ / ۱۴۲ / ۱۴۰ / ۹۲ / ۷۱

۳۰۲ / ۱۶۸

گجرات ۱۱۰ / ۱۰۸ / ۱۰۴ / ۱۰۱ / ۱۰۰

گوجرانوالہ ۲۹۹

گوادر ۷۲

لاہور ۱۴۲ / ۱۰۹ / ۷۶ / ۵۹ / ۵۸ / ۵۷

۲۹۷

مدینہ منورہ ۱۷۷۷۸

مصر ۲۶ ۷۱۶ ۷۶۷ ۱۷۵۷۶ ۲۳۴۷

منظر گڑھ ۲۹۴

مکہ مکرمہ ۲۶ ۷۱۶ ۷۶۷ ۱۷۵۷۶ ۲۳۴۷

ملتان ۲۶ ۷۱۶ ۷۶۷ ۱۷۵۷۶ ۲۳۴۷

۲۶ ۷۱۶ ۷۶۷ ۱۷۵۷۶ ۲۳۴۷

۲۶ ۷۱۶ ۷۶۷ ۱۷۵۷۶ ۲۳۴۷

۲۶ ۷۱۶ ۷۶۷ ۱۷۵۷۶ ۲۳۴۷

۲۶ ۷۱۶ ۷۶۷ ۱۷۵۷۶ ۲۳۴۷

۲۶ ۷۱۶ ۷۶۷ ۱۷۵۷۶ ۲۳۴۷

ملیر ۱۵۶

منصورہ ۲۸ ۳۰۷ ۳۱۳ ۷۶۷

ناگور ۲۹۹

نیشاپور ۲۸ ۷۱۶ ۱۸۳۷

پانسی ۱۳۹

ہرات ۲۹ ۷۱۶

ہمدان ۲۸ ۷۱۶

ہندوستان ۲۵ ۷۱۶ ۱۲۰۷ ۳۷۷

۱۹۰



الْإِنِّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَإِخْوَفُ عَلَيْهِمْ وَلَا يَجُزُونَ ط

تذکرہ

حضرت بہاء الدین کریم اللہ تانی

○

از

نور احمد خان فریدی

UNIVERSAL BOOKS

4100, La Foye, London

علماء اکیڈمی شعبہ مطبوعات، محکمہ اوقاف پنجاب، بادشاہی مسجد
لاہور